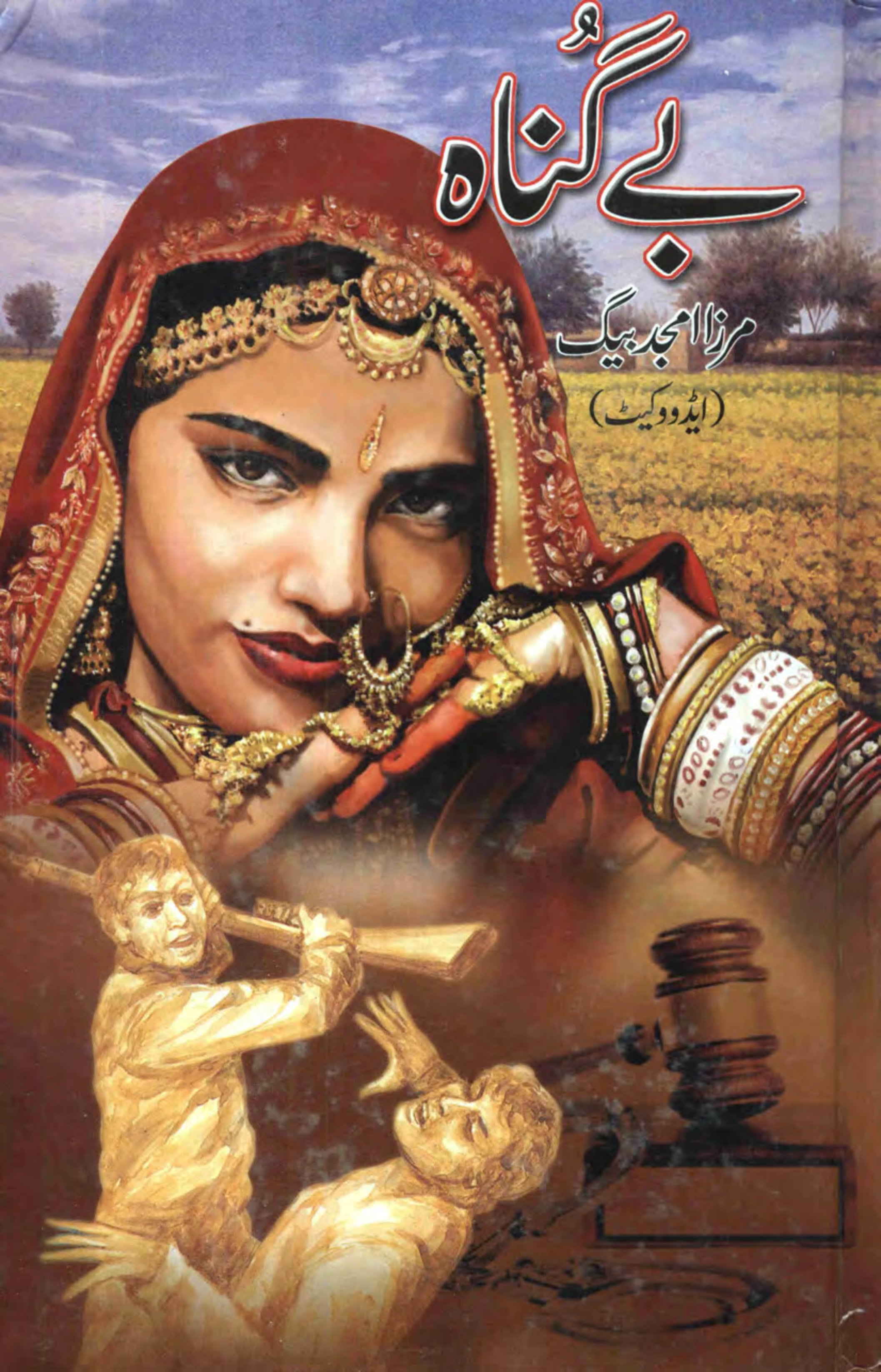
بے گناہ
مرزا امجد بیگ
(ایڈووکیٹ)

بے گناہ

انسان کی کوشش یا کارکردگی میں انیس بیس کا فرق آ جائے تو گوارا کیا جا سکتا ہے لیکن نیت کا فتور جی جان کو کھلتا ہے۔ کسی شخص کے چہرے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ نیک نیت ہے یا بدنیت، یہ تو اس سے واسطہ پڑنے کے بعد ہی پتا چلتا ہے۔ مکینک کسی بھی شعبے کا کیوں نہ ہو، اس کے بارے میں متفقہ طور پر عمومی رائے یہی ہے کہ...... اچھا اور ایمان دار مکینک خوش قسمت لوگوں ہی کے حصے میں آتا ہے۔

ان دنوں میں بھی ایک مکینک کا ستایا ہوا، بلکہ مارا ہوا تھا......!

چند روز پہلے میرے آفس کا ائرکنڈیشنر خراب ہو گیا تھا۔ میں ٹیکنیکل مائنڈ نہیں ہوں جو آپ کو اس خرابی کی تفصیل بتا سکوں، مختصر الفاظ میں بس اتنا سمجھ لیں کہ میرا اے سی خراب ہو گیا تھا اور میری بدقسمتی کہ میں ایک بدنیت مکینک کے ہتھے چڑھ گیا تھا جو پچھلے دس دن میں اس اے سی کو تین مرتبہ ٹھیک کرنے کی کوشش کر چکا تھا۔ اس کی ''کوشش'' سے میں اس قدر مایوس ہو چکا تھا کہ جی چاہ رہا تھا، اس اے سی کو مکینک سمیت کسی کباڑیے کے ہاتھ فروخت کر کے اپنے آفس میں نیا ائرکنڈیشنر لگوالوں۔

کراچی میں کم از کم سال میں دس ماہ تو ائرکنڈیشنر چلانا ہی پڑتا ہے اور جو لوگ اس سہولت کے عادی ہو چکے ہوں، اس کی عدم موجودگی میں جب انہیں کھڑکیاں کھول کر پنکھے کے نیچے کام کرنا پڑتا ہے تو بڑا عجیب و غریب محسوس ہوتا ہے، بلکہ...... عجیب کم اور غریب زیادہ۔ یہ بات میں نے محاورتاً کہی ہے۔ اس سے کسی کی تحقیر مقصود نہیں۔

ان دنوں میرے آفس کی کھڑکیاں بھی اکثر و بیشتر کھلی ہوئی ملتی تھیں اور یہ سن کر آپ کو بے حد حیرت ہوگی کہ انہی کھلی ہوئی کھڑکیوں کے راستے ایک کیس پرواز کرتے ہوئے مجھ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ خاصا مزیدار اور دلچسپ قصہ ہے۔

جیسا کہ یہ بات آپ کو معلوم ہے، میرا آفس سٹی کورٹ کراچی کے نزدیک ہی واقع ایک کثیر المنزلہ عمارت میں ہے۔ اس بلڈنگ میں زیادہ تر وکیلوں اور مالیاتی کمپنیوں ہی کے دفاتر ہیں۔ سٹی کورٹ کے گرد و نواح کا سارا علاقہ گنجان آباد ہے جس میں بہت سی رہائشی عمارتیں بھی ہیں۔ کراچی کے رہنے والے ان حقائق سے واقف ہیں کہ گنجان آباد رہائشی علاقوں میں فلیٹس کی زندگی کتنی بیک ہوتی ہے، کچھ ایسی ہی صورت حال میرے دفتر کے قرب و جوار کی بھی ہے۔

ایک روز میں اپنے آفس میں بیٹھا تھا کہ مجھے شور کی آواز سنائی دی۔ اس وقت میرے پاس کوئی کلائنٹ موجود نہیں تھا۔ لگ بھگ رات کے نو بجنے والے تھے اور میں دفتر سے اٹھنے کی تیاری ہی کر رہا تھا۔ شور کی آواز نے مجھے کرسی چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ یہ آوازیں چونکہ کھلی ہوئی کھڑکی کے توسط سے میری سماعت تک پہنچ رہی تھیں لہٰذا میں سیدھا اسی طرف بڑھ گیا۔

میرے آفس کی مذکورہ کھڑکی عقبی گلی کی جانب پڑتی تھی جدھر زیادہ تر رہائشی عمارتیں تھیں۔ میں نے کھلی ہوئی کھڑکی میں سے دیکھا کہ ایک عمارت کے سامنے تیس چالیس افراد جمع تھے اور ان میں سے ہر کوئی کچھ نہ کچھ بول رہا تھا لیکن اتنی دور کھڑکی میں کھڑے ہو کر ان کی بولیوں کو سمجھنا ممکن نہیں تھا۔ میری آنکھ نے جو کچھ دیکھا اس میں دو افراد ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے، باقی تمام افراد انہیں چھڑانے اور جھگڑے سے باز رکھنے کی کوشش میں طرح طرح کی ہدایات جاری کر رہے تھے جو ایک بے ہنگم شور کی شکل اختیار کر کے مجھ تک پہنچ رہا تھا۔

میں نے اپنی توجہ ان دونوں جھگڑالو افراد پر مرکوز کر دی۔ جلد ہی مجھے پتہ چل گیا کہ ان میں ایک دوسرے پر حاوی تھا۔ وہ بے دریغ دوسرے کی پٹائی کر رہا تھا اور اسے لات مکا کے علاوہ اٹھا اٹھا کر اور دھکیل دھکیل کر دیواروں پر بھی مار رہا تھا۔ درمیانی عمر کی ایک عورت کو بھی میں نے ان دونوں کے بہت قریب دیکھا جو حتی المقدور حلق کا استعمال کر کے انہیں غصہ تھوک دینے کی تلقین کر رہی تھی لیکن وہ تھے کہ غصہ تھوکنے کے بجائے نگلتے جا رہے تھے۔ پٹنے والے کی پوری کوشش تھی کہ وہ بھی چند "کارنامے" انجام دے سکے لیکن اپنے مد مقابل کی یلغار کے سامنے اس بے چارے کا کوئی

بس نہیں چل رہا تھا۔ اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش باقی نہیں تھی کہ اگر ان کی دھینگا مشتی کو نہ روکا گیا تو کوئی سنگین حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے...... غالب اور مغلوب کے علاوہ تماشائی بھی اس عمارت کے گیٹ سے اندر داخل ہو گئے جس کے سامنے یہ سارا ہنگامہ برپا تھا۔ اب میں انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا تاہم تیس چالیس افراد کے بہ یک وقت بولنے اور چلانے کی آوازیں ایک شور کی صورت بہ دستور مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔

میں کھڑکی چھوڑ کر اپنی سیٹ پر آ گیا اور انٹرکام پر مشتاق کے بارے میں پوچھا۔ مشتاق میرے پاس آفس بوائے کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ میں اسے نیچے بھیجنا چاہتا تھا تاکہ اس ہنگامے کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔ انسان جس ماحول میں رہتا ہے اس کی طرف سے کبھی غفلت نہیں برتنا چاہیے۔ بے خبری کسی نعمت سے کم نہیں لیکن جانتے بوجھتے کی بے خبری، غفلت اور کوتاہی میں شمار ہوتی ہے جو شدید نقصان کا سبب بنتی ہے۔

انٹرکام میری سیکریٹری حنا نے ریسیو کیا اور میرے استفسار کے جواب میں بتایا۔ "سر! مشتاق تو کافی دیر سے نیچے گیا ہوا ہے۔"

"کافی دیر سے......!" میں نے حیرت بھرے الفاظ میں دہرایا۔ "کیا وہ کسی ضروری کام سے گیا ہے؟"

میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے کہا "سر...... وہ ابھی اندر داخل ہوا ہے۔ آپ سے بات کراؤں......؟"

"نہیں۔" میں نے قطعی لہجے میں کہا۔ "اسے میرے چیمبر میں بھیج دیں۔"

"او کے سر......!" حنا نے فرماں برداری سے کہا۔

میں نے انٹرکام کا ریسیور کریڈل کر دیا۔

کچھ لمحوں بعد مشتاق میرے سامنے حاضر ہو چکا تو میں نے پوچھا۔ "تم اتنی دیر تک باہر کیا کر رہے تھے؟"

"بیگ صاحب! میں گیا تو پانچ منٹ کے لیے تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"لیکن ایک سنسنی خیز واقعے نے میرے پاؤں روک لیے اور واپسی میں دیر ہو گئی......!"

"کیسا واقعہ؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

میرے استفسار کے جواب میں اس نے جس واقعے کا ذکر کیا یہ وہی جھگڑا تھا جس کی معلومات منگوانے کے لیے میں مشتاق کو نیچے بھیجنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں یار...... شور اور ہنگامے کی آواز تو مجھ تک بھی پہنچی تھی۔ بتاؤ، یہ کیا قصہ ہے؟"

مشتاق کو میرے پاس آفس بوائے کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے چار پانچ سال کا عرصہ ہوگیا تھا۔ وہ دریانے قد بت کا مالک ایک شریف انسان تھا تاہم اس کی فطرت میں بے پناہ تجسس پایا جاتا تھا۔ وہ بنیادی طور پر کسی سرکاری محکمے سے وابستہ تھا جہاں سے وہ دوپہر تک واپس آجاتا تھا اور شام میں پارٹ ٹائم میرے ساتھ کام کرتا تھا۔ اس زمانے میں سرکاری ملازمین کے ایسے ٹھاٹ باٹ نہیں ہوا کرتے تھے جیسا کہ آج کل دیکھنے کو ملتے ہیں لہٰذا شریف النفس انسان کو اپنی بیوی اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے سرکاری نوکری کے علاوہ اور بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا تھا۔ مشتاق بھی ایک شادی شدہ شخص تھا۔ اس کی ایک بیوی اور دو بچے تھے۔

میرے استفسار پر مشتاق نے بتایا کہ وہ دراصل دو ہم زلف افراد کا جھگڑا تھا جو اسی رہائشی بلڈنگ میں رہتے تھے جس کے گیٹ کے سامنے وہ فساد برپا تھا۔ اس عمارت کا اصل نام ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ آپ اسے حافظ اپارٹمنٹس فرض کرلیں۔

مشتاق کے بیان کے مطابق، حافظ اپارٹمنٹس کے فورتھ فلور پر ایک بے سہارا بیوہ رہتی تھی، دس سال پہلے امینہ نامی اس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا۔ امینہ کی صرف دو بیٹیاں تھیں...... ماریا اور رابعہ۔ تین سال پہلے اس نے ماریا کی شادی فیصل نامی ایک شخص سے کردی تھی اور ابھی ایک سال پیشتر چھوٹی بہن رابعہ کی شادی عمران نامی ایک نوجوان سے ہوئی تھی۔ جس دھواں دھار جھگڑے کا نظارہ میں نے اپنی کھڑکی سے تھوڑی دیر پہلے کیا تھا وہ عمران اور فیصل کے بیچ ہونے والی مارا ماری تھی۔ اس دھینگا مشتی اور اٹھا پٹخ نے فیصل کے ہاتھوں، عمران کو متعدد جسمانی ضربات سے نوازا تھا اور ان کے آس پاس میں نے جس ادھیڑ عمر عورت کو پریشان حال دیکھا تھا وہ ان کی ساس امینہ بیگم تھی۔

"اس خونی تنازعہ کی کوئی وجہ معلوم ہوسکی؟" میں نے مشتاق سے پوچھا۔

"بالکل اصل اور اندرونی وجہ تو پتا نہیں چلی جناب......" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "لیکن سننے میں یہ آیا ہے کہ امینہ کے دونوں دامادوں میں کافی دنوں سے ان بن چل رہی تھی۔ پچھلے تین چار دن سے زبانی کلامی جھڑپیں ہوتی رہی ہیں جس کی آوازیں آس پڑوس اور بلڈنگ کے دوسرے افراد نے بھی سنی تھیں لیکن...... مجھے لگتا ہے، اصل معاملہ کچھ اور ہی ہے!"

مشتاق اتنا سنجیدہ نظر آرہا تھا جیسے واقعی کوئی گمبھیر مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہو۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں کیا معاملہ ہوسکتا ہے مشتاق؟"

"جناب! سارے مسئلے شروع ہوتے ہیں غلط فیصلوں سے۔" وہ فلسفیانہ انداز میں بولا۔ "میرے سامنے بھی ایسی غلطی کرنے کا موقع آیا تھا لیکن میں نے اپنے عارضی فائدے پر مستقل سکون کو فوقیت دی اور آج واقعی، میں بہت پرسکون ہوں۔"

مشتاق کی وضاحت میرے پلے نہ پڑی۔ اس نے میرے ذہن کو الجھا دیا تھا۔ "تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق ہے مشتاق! تم خود کو اس کے ساتھ کیوں جوڑ رہے ہو؟"

"وہ جی، بات دراصل یہ ہے کہ......" وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔ "میں سمجھتا ہوں، یہ سارا فتنہ سسرال میں رہنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ مجھے بھی کبھی اپنی سسرال سے ایسی پیشکش ہوئی تھی لیکن میں نے اس پیشکش کو قبول نہیں کیا اور کرائے کے گھر میں رہ رہا ہوں اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بہت خوش ہوں۔"

میں فوراً سے پیشتر مشتاق کی بات کی تہ میں اتر گیا اور ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "تو تم مجھے یہ بتانا چاہتے ہو کہ فیصل اور عمران اپنی سسرال میں، یعنی امینہ بیگم کے گھر میں رہ رہے ہیں؟"

"ہاں جناب! میں نے یہی سنا ہے۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "عمران تو شادی کے فوراً بعد ہی یہاں آگیا تھا اور فیصل مہینے ڈیڑھ مہینے سے بیوی بچوں کے ساتھ ادھر ہی رکا ہوا ہے۔"

"ایک گھر میں ایک سے زیادہ فیملیز رہ رہی ہوں تو برتن سے برتن کچھ زیادہ ہی ٹکرانے لگتے ہیں۔" میں نے پرسوچ انداز میں کہا۔ "پھر ان برتنوں کے ٹکراؤ کی آواز گھر سے نکل کر گلی، محلے

اور سڑک تک جا پہنچتی ہے جیسا کہ یہاں ہوا ہے......!''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بیگ صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں بولا پھر پراسرار لہجے میں پوچھنے لگا۔ ''اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس میں تھوڑا اضافہ کرنا چاہوں گا......''

''ہاں بولو...... تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

وہ بولا۔ ''میرے خیال میں، یہ برتنوں کے ٹکرانے سے زیادہ بیویوں کے ٹکرانے کا شور تھا۔ مجھے پتا چلا ہے، امینہ بیگم کے گھر میں خاصی گڑبڑ چل رہی ہے۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے، دونوں بہنیں آپس میں الجھ پڑی ہیں؟'' میں نے سوالیہ نظر سے مشتاق کی طرف دیکھا۔ ''جس کے نتیجے میں ان کے شوہروں کو گھر سے باہر نکل کر دست و گریبان ہونا پڑا ہے؟''

''جناب! میں نے کہا ہے نا، ابھی تک اس جھگڑے کی حقیقت کھل کر سامنے نہیں آ سکی۔'' اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''کچھ لوگوں کو میں نے دبی زبان میں یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ فیصل اپنی سالی پر بری نظر رکھتا تھا......!''

''اوہ......!'' میں ایک گہری سانس خارج کر کے رہ گیا پھر پرخیال انداز میں کہا۔ ''اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں......!''

''میں نے حافظ اپارٹمنٹس کے چوکیدار ادریس سے راہ و رسم نکال لی ہے۔'' وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ ''وہ بھی اسی کھوج میں ہے کہ اندرون خانہ اصل معاملہ کیا ہے، جیسے ہی مجھ تک کوئی سنسنی خیز خبر پہنچی، میں سب سے پہلے آپ ہی کو بتاؤں گا۔''

''شاباش......!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''تم اپنی ریسرچ جاری رکھو۔''

وہ میرے ان تعریفی کلمات سے خوش ہو گیا پھر گہری سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔ ''بیگ صاحب! آپ نے مجھے کسی کام سے بلایا تھا؟''

''ہاں، ظاہر ہے...... بلایا تو کام ہی سے تھا!'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

''حکم جناب......!''

''بس، تم جاؤ۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ کام ہو گیا۔''

''کام ہو گیا......؟'' وہ الجھن زدہ انداز میں بولا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

وہ کچھ ایسی نظر سے مجھے تکنے لگا جیسے اسے میری بات کا یقین نہ آیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں تحیر آمیز تذبذب کے آثار بڑے واضح دکھائی دیتے تھے۔

✠ ✠ ✠

چند روز دبے پاؤں خاموشی اور سکون سے گزر گئے۔ مشتاق نے اس جھگڑے کے حوالے سے کوئی گرما گرم اور تازہ ترین خبر نہیں دی لیکن بعدازاں پتا چلا کہ وہ درپردہ اسی تحقیق میں لگا ہوا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں اپنی روزمرہ پیشہ ورانہ مصروفیت کے دوران میں اس ایشو کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا پھر ایک روز جب مشتاق اچانک میرے پاس آیا اور ایک سنگین خبر دی تو میں تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

''بیگ صاحب! آپ نے کچھ سنا......؟''

''نہیں سنا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''بتاؤ، کیا ہو گیا؟''

''عمران نے فیصل کو قتل کر دیا ہے۔'' وہ ہیجان خیز انداز میں بولا۔

''عمران...... فیصل...... کون ہیں یہ دونوں؟'' میں نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

مشتاق نے میرے سوال کا جواب دینے سے پہلے امینہ بیگم اور ماضی قریب کے جھگڑے کا حوالہ دیا تو مجھے سب یاد آ گیا۔ چند روز پہلے امینہ بیگم کے ان دو دامادوں میں سرعام خوب دنگا فساد ہوا تھا۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''یہ کب کا واقعہ ہے مشتاق؟''

''دو دن پہلے کا۔'' اس نے جواب دیا۔

''دو دن پہلے ہمارے قریب اتنا بڑا واقعہ ہو گیا اور ہمیں کانوں کان خبر نہیں؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''یہ تم نے کس قسم کا دھیان رکھا ہوا ہے؟''

''جناب! مجھے بھی آج ہی پتا چلا ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''اور قتل کی یہ واردات ہمارے علاقے سے بہت دور ہوئی ہے لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ عمران نے اتنا خطرناک کام کیا ہو گا۔ وہ اتنا ہمت والا ہوتا تو اس روز فیصل کے ہاتھوں اس بری طرح نہ پٹتا!''

"تو تم یہ کہنا چاہتے ہو، عمران نے فیصل کو قتل نہیں کیا۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اسے بے گناہ اس معاملے میں گھسیٹا گیا ہے؟"

"جناب! عدالت کیا فیصلہ کرتی ہے، یہ تو میں نہیں جانتا لیکن میرا دل نہیں مانتا، عمران اتنے سنگین جرم میں ملوث ہوگا۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ "اور اپنے دل کی یہی بات میں نے امینہ بیگم سے بھی کہی ہے۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "مشتاق! کیا اس سلسلے میں امینہ بیگم سے تمہاری بات ہو چکی ہے؟"

"نہ صرف بات ہو چکی ہے بلکہ میں نے اسے آپ کی صلاحیتوں کے بارے میں بھی تفصیلاً بتا دیا ہے۔" وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔ "کل امینہ آپ سے ملنے کے لیے خود یہاں آئے گی۔"

"واہ بھئی...... تم تو بہت تیز دوڑ رہے ہو!" میں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"جناب! آپ ہی کا شاگرد ہوں۔" وہ فخریہ انداز میں بولا۔

"شاگرد...... کس سلسلے میں؟" میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تم مجھ سے کون سا سبجیکٹ پڑھ رہے ہو بھئی؟"

"زندگی کا سبجیکٹ جناب!" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "یہ ضروری تو نہیں کہ کوئی استاد کتاب اٹھا کر ہی پڑھائے۔ کسی تجربہ کار شخص کی صحبت میں رہتے ہوئے بھی بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے اور میں پچھلے چار پانچ سال سے یہی کر رہا ہوں۔" وہ لمحے بھر...... کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہاں آپ کے آفس میں بھانت بھانت کے لوگ آتے ہیں اور طرح طرح کے مسئلے سناتے ہیں۔ آپ ان سے جس انداز میں پیش آتے ہیں، وہ میں دیکھتا رہتا ہوں جس سے زندگی کا وہ تجربہ حاصل ہوتا ہے جو کسی اسکول یا کالج میں جانے سے نہیں مل سکتا۔"

"اچھا شاگرد صاحب! مجھے نہیں پتا تھا، میرے آفس میں کوئی اتنا بڑا فلسفی بھی کام کر رہا ہے۔" میں نے شگفتہ انداز میں کہا۔ "اب ذرا اس معاملے کے بارے میں بھی بتاؤ جس سلسلے میں تم امینہ بیگم کو میرے پاس لے کر آ رہے ہو؟"

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر چند لمحات تک خاموش رہنے کے بعد فیصل مرڈر کیس کے بارے میں مجھے بتانے لگا۔ ظاہر ہے، تفصیلی بات تو مقتول اور ملزم کی ساس ہی سے ہو سکتی تھی البتہ جو مشتاق کو معلوم تھا، وہ اس نے مجھ تک پہنچا دیا۔

مشتاق کے مطابق، مقتول فیصل فیڈرل بی ایریا میں واقع ایک مکینیکل فرم میں کام کرتا تھا۔ یہ فرم کوئی مینوفیکچرنگ ہاؤس نہیں تھا بلکہ یہاں پر ہر قسم کی بجلی کی موٹریں خصوصاً پانی والی موٹریں فروخت اور مرمت ہوتی تھیں۔ 'فرید مکینیکل ورکس' میں فیصل ریکوری آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ فرید خان کا مال پورے کراچی میں اور شہر سے باہر بھی جاتا تھا۔ کراچی کی ریکوری کا کام فیصل کے ذمے تھا۔

کچھ عرصے پہلے فیصل اپنے والدین کے ساتھ سمن آباد کے علاقے میں رہتا تھا۔ اس کا باپ کفیل احمد ایک سرکاری محکمے سے ریٹائرمنٹ کے بعد کسی وکیل صاحب کے آفس میں بیٹھ رہا تھا۔ وہ وکیل صاحب دراصل مشیر انکم ٹیکس وغیرہ تھے۔ کفیل اس کے چھوٹے موٹے کام کرتا رہتا تھا۔ فیصل، بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس سے چھوٹا بھائی کامران اٹھائیس سال کا تھا۔ کامران سے چھوٹی بہن نورین پچیس سال کی تھی۔ شادی سے پہلے تک تو بھائی جان (فیصل) سب کے لیے بہت اچھے تھے لیکن بہو گھر میں آنے کے بعد ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔

فیصل کی بیوی ماریا کی اپنی ساس نفیسہ بیگم اور نند نورین سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ اس شادی کی ابتدا ہی سے گھر میں پھڈے شروع ہو گئے تھے۔ غلطی ماریا کی تھی یا نفیسہ اور نورین زیادتی کر رہی تھیں، یہ ایک الگ موضوع تھا لیکن واقعہ یہ تھا کہ فیصل اپنی بیوی کو حق بجانب سمجھتا تھا لہٰذا جب یہ جھگڑے اور فساد روز بروز بڑھتے چلے گئے تو فیصل اس نتیجے پر پہنچا کہ اسے گھر چھوڑ کر الگ کہیں اپنی رہائش کا بندوبست کر لینا چاہیے۔

اس نے ایسا سوچ تو لیا تھا لیکن اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے میں اسے ڈھائی سال لگ گئے۔ اس دوران میں وہ ایک بیٹے کا باپ بھی بن گیا۔ کاشف اس وقت لگ بھگ دو سال کا تھا۔ فیصلہ کر لینے کے بعد، فیصل اپنے گھر سے نکلنے میں اتنا لیٹ کیوں ہوا، یہ ایک الگ بحث ہے اور ایک مکمل کہانی کا تقاضا کرتی ہے۔ الغرض، کچھ عرصہ پہلے فیصل اپنے گھر والوں سے جھگڑا کر کے سسرال میں آ گیا تھا جہاں چھوٹا داماد یعنی عمران پہلے سے رہائش پذیر تھا۔

چند روز امن و امان سے گزر گئے۔ امینہ بیگم کا فلیٹ تین کمروں اور ایک بڑے کامن پر مشتمل تھا۔ ایک کمرے میں وہ خود رہتی تھی، ایک رابعہ اور عمران کو دے رکھا تھا اور تیسرا ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ جب فیصل بیوی بچوں (بچے) سمیت آن ٹپکا تو امینہ اس سے تعاون کرنے پر مجبور ہو گئی تاہم اس نے واضح الفاظ میں فیصل سے کہہ دیا تھا۔

''دیکھو بیٹا! تم اپنے گھر والوں سے جھگڑا کر کے آئے ہو۔ میں تمہیں اپنے پاس رکھ تو لوں گی لیکن اس طرح میری پوزیشن خراب ہو جائے گی۔ سارا الزام مجھ ہی پر آئے گا۔''

''عمران بھی تو آپ کے ساتھ رہ رہا ہے۔'' فیصل نے دلیل دی۔ ''جب کسی کو عمران کے رہنے پر اعتراض نہیں تو مجھ پر کیا اعتراض ہوگا؟''

''تمہارے اور عمران کے کیس میں بہت فرق ہے بیٹا'' امینہ بیگم نے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''عمران شادی کے فوراً بعد یہاں رہائش پذیر ہو گیا تھا اور اب اس بات کو ایک سال ہونے کو آیا ہے۔ اسکے یہاں رہنے پر کسی کے اعتراض نہ کرنے کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے......'' اس نے لمحے بھر کو توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''عمران کے والدین اور بہن بھائیوں میں سی کوئی اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ وہ جہاں پر کام کرتا ہے، اسی شخص نے اس کے رشتے اور بعد ازاں شادی میں اہم کردار ادا کیا تھا اور ہمارے درمیان شادی سے پہلے ہی یہ بات طے ہو گئی تھی کہ عمران، میرے ساتھ ہی رہے گا۔ میں رابعہ کو رخصت کر کے بالکل اکیلی نہیں ہونا چاہتی تھی۔ عمران کے سیٹھ فضل کریم کو میری مطالبہ نما تجویز پسند آئی اور وہ میری خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ شاید یہ بات تمہارے علم میں نہیں ہے؟''

امینہ بیگم نے توقف کر کے سوالیہ نظر سے فیصل کی طرف دیکھا تو وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''واقعی...... یہ بات مجھے پتا نہیں تھی!''

امینہ بیگم سلسلہ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''اگر عمران کے والدین یا قریبی رشتے دار زندہ ہوتے اور ان سے اس کا میل جول بھی ہوتا تو شاید مجھے مختلف فیصلہ کرنا پڑتا۔ ہو سکتا ہے، اس صورت میں، میں اس رشتے سے انکار ہی کر دیتی۔ میں تو یہی چاہتی تھی کہ رابعہ میری نظر کے سامنے رہے اور......''

''آنٹی......!'' فیصل قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ کی باتوں سے لگتا ہے، آپ کو رابعہ سے زیادہ محبت ہے۔ ماریا بھی تو آخر آپ ہی کی بیٹی ہے نا......''

''تم غلط سمجھ رہے ہو بیٹا'' امینہ بیگم نے بڑی رسان سے کہا۔ ''میرے لیے ماریا اور رابعہ برابر ہیں۔ ان دونوں سے میں ایک جیسی محبت کرتی ہوں، نہ تھوڑی کم نہ تھوڑی زیادہ لیکن یہ ایک فطری بات ہے کہ والدین کو اپنی اولاد میں سب سے چھوٹے کا زیادہ خیال ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی سب سے چھوٹی اولاد کو بڑھاپے کا سہارا سمجھنے لگتے ہیں اور انہیں ہر لمحہ یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر وہ انہیں چھوڑ کر چلا گیا تو وہ کس کے آسرے پر زندگی کے آخری دن گزاریں گے۔ کیا تمہارے والدین، نورین کا زیادہ خیال نہیں رکھتے؟''

''آنٹی! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' فیصل نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی پھر بولا۔ ''ان باتوں میں الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بس، آپ ہمیں اپنے ساتھ رکھ لیں۔ میں آپ کو معقول کرایہ ادا کروں گا۔ آپ اس سلسلے میں بالکل بےفکر رہیں۔''

''کرایہ تو عمران بھی دے رہا ہے لیکن مسئلہ پیسوں کا نہیں فیصل!'' امینہ بیگم نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں تمہارے والدین کے اعتراضات اور ناراضی سے ڈرتی ہوں اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اعتراض کرنے میں حق بہ جانب بھی ہوں گے۔ اگر میرا کوئی بیٹا ہوتا اور وہ مجھ سے لڑ جھگڑ کر، اپنی سسرال میں ڈیرا ڈال دیتا تو میں اس بات کو بالکل پسند نہ کرتی اور فوراً اس کی سسرال پہنچ کر خوب ہنگامہ کرتی۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی آنٹی، سمجھ رہا ہوں۔'' فیصل نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ میرا امی ابو سے جھگڑا کس بات پر ہے۔ میرا ان سے کوئی ذاتی اختلاف یا رنجش تو نہیں میں تو اتنے عرصے سے محض ماریا کی خاطر لڑتا رہا ہوں۔ امی اور نورین نے اس کے خلاف بڑا مضبوط محاذ بنا رکھا ہے اور ابو......'' وہ ایک لمحے کے لیے تھما پھر طنزیہ انداز میں بولا۔

''ابو نے تو ہمیشہ امی کی ہاں میں ہاں ملائی ہے۔ وہ تو کسی بھی معاملے میں یہ تک دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔ اس گھر میں میرے لیے مزید قیام ممکن نہیں۔ تنگ آ کر میں نے گھر چھوڑا ہے......اور آپ مجھے بہت مایوس کر رہی ہیں۔''

''میں تمہیں مایوس نہیں کر رہی بیٹا بلکہ حقائق سے آگاہ کر رہی ہوں'' وہ ٹھہرے ہوئے

لہجے میں بولی۔ ''اگر گھر چھوڑنا ناگزیر ہے تو الگ کوئی کرایے کا مکان لے کر رہنا شروع کر دو۔ میں تمہیں اپنے ہاں رکھوں گی تو سارا الزام مجھ پر آئے گا، خاص طور پر تمہارے گھر والے یہی سمجھیں گے کہ میں نے تمہیں ورغلایا ہے۔ میں ماریا کی ماں ہوں۔ تم میری پوزیشن کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔''

وہ ایک لمحے تک خاموش رہنے کے بعد اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آنٹی! میں سب سمجھ رہا ہوں۔ مجھے آپ کی پوزیشن کا بھی بڑا خیال ہے۔ ایک بات کی میں گارنٹی لیتا ہوں کہ اگر میرے گھر والوں نے آپ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی کوشش کی تو میں ان کو خود جواب دوں گا۔ آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور جہاں تک اپنے ہاں ٹھہرانے کا تعلق ہے تو.....'' وہ لمحے بھر کے لیے تھما پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اگر آپ اپنے گھر میں کوئی دشواری محسوس کرتی ہیں تو دوسرا فلیٹ ہمیں خالی کرا دیں۔ میں آپ کو ایڈوانس کی رقم تو نہیں دے سکتا البتہ یہ میرا وعدہ ہے کہ اتنا ہی کرایہ ادا کرتا رہوں گا جتنا اس وقت آپ کو مل رہا ہے۔''

امینہ بیگم نے چونک کر اپنے داماد کی طرف دیکھا اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

حافظ اپارٹمنٹس کے تھرڈ فلور پر دو کمروں کا ایک فلیٹ تھا جس کا نمبر تین سو ایک تھا۔ مذکورہ فلیٹ کرایے پر اٹھا ہوا تھا اور یہ امینہ بیگم ہی کی ملکیت تھا۔ اس کے شوہر لیاقت شاہ نے زندگی میں دیگر اچھے کاموں کے علاوہ ایک نیک کام یہ بھی کیا تھا کہ اس رہائشی عمارت میں دو فلیٹ خرید لیے تھے۔ جو اس کی بیوہ اور یتیم بچوں کے لیے ایک عظیم سہارے سے کم نہیں تھے۔ چار سو دو میں امینہ بیگم خود رہائش پذیر تھی اور تین سو ایک اس نے کرایے پر اٹھا رکھا تھا۔ فیصل نے ابھی گفتگو کے دوران میں اسی فلیٹ کی جانب اشارہ کیا تھا۔

''دیکھو بیٹا!'' امینہ بیگم نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ میں نے وہ فلیٹ گیارہ ماہ کے ایگری منٹ پر دیا ہوا ہے۔ جس میں سے ابھی صرف چار ماہ گزرے ہیں، سات باقی ہیں۔ اصولی طور پر میں ایک ماہ کا نوٹس دے کر وہ فلیٹ خالی کروا سکتی ہوں لیکن اس صورت میں فلیٹ کا قبضہ حاصل کرنے کے لیے مجھے کرایے دار کی ایڈوانس رقم واپس کرنا ہوگی جو کہ ابھی میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ علاوہ ازیں، اگر کہیں نہ کہیں سے رقم کا بندوبست ہو بھی جائے تو پھر بھی فلیٹ

خالی ہونے میں کم از کم ایک ماہ تو لگ ہی جائے گا لہٰذا.....'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہو کر پھر گویا ہوئی۔

''ایک ماہ سے پہلے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا فیصل!''

اس موقع پر ماریا نے پہلی مرتبہ لب کشائی کی۔ وہ بھی وہاں موجود تھی لیکن ابھی تک اس نے ساس داماد کی گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ امینہ بیگم سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔

''امی! ایک کام یہ ہو سکتا ہے کہ.....!''

''کون سا کام؟'' امینہ بیگم نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی سوال کر دیا۔

ماریا نے جواب دیا۔ ''فیصل جہاں کام کرتا ہے، وہاں سے کچھ رقم ادھار لے لیتا ہے۔ اس طرح فلیٹ کے ایڈوانس کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ آپ ایسا کریں کہ آج ہی کرایے دار کو ایک ماہ کے نوٹس پر فلیٹ خالی کرنے کے لیے کہہ دیں۔ آپ اس کے سامنے یہ مجبوری رکھ سکتی ہیں کہ آپ کو فلیٹ ذاتی استعمال کے لیے چاہیے۔''

''اور یہ ایک ماہ..... جب تک وہ فلیٹ خالی ہوگا، تم لوگ کیا کرو گے؟'' امینہ بیگم نے سوالیہ نظر سے باری باری بیٹی اور داماد کی طرف دیکھا۔

جواب میں فیصل کی نگاہ ماریا کی سمت اٹھ گئی، ایسے تاثرات کے ساتھ کہ اس سوال کا جواب اسے دینا چاہیے چنانچہ ماریا نے ہمت کرتے ہوئے کہہ دیا۔

''یہ ایک ماہ ہم آپ کے ساتھ رہ لیں گے.....!''

''ٹھیک ہے۔'' امینہ بیگم نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔ ''لیکن ایک بات تم دونوں ذہن میں رکھو کہ اگر اس ایک ماہ کے دوران میں فیصل کے گھر والوں نے مجھے نشانے پر رکھ کر کوئی فساد مچانے یا پھڈا کرنے کی کوشش کی تو پھر میں تم لوگوں سے کوئی تعاون نہیں کروں گی!''

''منظور ہے.....!'' انہوں نے بہ یک زبان کہا۔

اس غیر تحریر شدہ شریفانہ معاہدے کے بعد فیصل اور ماریا نے اپنے دو سالہ بیٹے کاشف کے ساتھ امینہ بیگم کے گھر کے ڈرائنگ روم میں باقاعدہ ڈیرا لگا لیا۔ اگر موازنے اور تقابل کی نظر سے دیکھا جائے تو امینہ بیگم کا رویہ خاصا سخت اور غیر جذباتی دکھائی دیتا ہے۔ ٹھیک ہے، فیصل اس کا داماد تھا اور موجودہ صورت حال میں اس کے گھر والے کوئی بھی تنازع کھڑا کر سکتے تھے لیکن امینہ بیگم کے

تحفظات سے قطع نظر ماریا اس کی بیٹی تھی اور ایک ماں ہونے کے ناتے اسے اپنے رویے میں نمایاں لچک کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ ایسے سنگین مواقع پر مائیں عموماً جس نوعیت کے کردار کا مظاہرہ کرتی ہیں، امینہ بیگم کا سلوک اس سے قطعی مختلف تھا۔ اس کا شمار ایسی ماؤں میں ہوتا تھا جو مصلحت کوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر ممکن طریقے سے بیٹیوں کا گھر بسا رہنے کی کوشش کرتی ہیں لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے انہیں بسا اوقات انتہائی سخت فیصلے بھی کرنا پڑتے ہیں۔

چند روز بعد، امینہ بیگم کو یہ احساس ہوا کہ اس کے اندیشے بے بنیاد تھے۔ فیصل کے گھر والوں میں سے کسی نے آ کر یہ پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔ ویسے اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر کسی غیر متعلقہ شخص سے ماریا کے سسر تک یہ خبر پہنچا دی تھی کہ وہ لوگ گھر سے نکل کر کہاں پڑاؤ ڈالے بیٹھے ہیں لیکن جب ادھر سے کوئی مثبت یا منفی ردعمل سامنے نہ آیا تو اس نے بھی اپنی تشویش بھری سرگرمیوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک معاون معاملہ یہ ہوا کہ اس کے کرائے داروں کو نیا گھر ڈھونڈنے میں مشکلات کا سامنا ہونے لگا چنانچہ فیصل اور ماریا کا، امینہ بیگم کے ہاں قیام طول پکڑتا چلا گیا۔

سب کچھ امن و امان سے چل رہا تھا کہ اندرون خانہ ایک طوفان دھیرے دھیرے سر اٹھانے لگا۔ امینہ بیگم کے خدشات خالصتاً بیرونی تھے مگر جب دونوں دامادوں میں نوک جھوک کا آغاز ہوا تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ نوک جھوک بڑھتی چلی گئی اور پھر اس تنازع کی آوازیں فلیٹ نمبر چار سو دو سے باہر بھی سنائی دینے لگیں۔ یہ چپقلش سلسلہ اتنی تیزی سے آگے بڑھا کہ ایک روز دونوں ہم زلف بلڈنگ کے باہم دست و گریباں پائے گئے تھے۔ یہ نظارہ میں نے اپنے آفس کی کھڑکی میں سے دیکھا تھا۔ اس زبردست دھینگا مشتی میں فیصل نے عمران کو میلے کپڑے کی طرح بڑی بے دردی سے دھو ڈالا تھا۔

اس کے بعد کی صورت حال میں بیان کر چکا ہوں۔

✠ ✠ ✠

اگلے روز امینہ بیگم میرے چیمبر میں موجود تھی۔ اسے یہاں تک پہنچانے میں غالباً ہاتھ مشتاق ہی کا تھا۔ وہ مجھے گزشتہ روز ہی اس کی یقینی آمد کے بارے میں بتا چکا تھا۔ میں نے پیشہ ورانہ

مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا اور اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

وہ ایک کرسی کھینچ کر بہ آہستگی بیٹھ گئی پھر چاروں جانب نظر دوڑا کر میرے چیمبر کا جائزہ لینے لگی جیسے یہ اطمینان کرنے کی کوشش کر رہی ہو کہ مشتاق کے مشورے کو مان کر اس نے کوئی غلطی تو نہیں کی۔ میں اس دوران میں بغور اسے دیکھتا رہا۔

امینہ بیگم کی عمر لگ بھگ پچاس سال رہی ہو گی۔ قد مناسب، بدن متناسب اور رنگ گورا۔ اس کی صحت تسلی بخش تھی۔ اس عمر میں عموماً عورتوں کی ایسی صحت باقی نہیں رہتی۔ وہ ایک پرکشش اور خوبصورت عورت تھی۔ میرا یہ اندازہ حالیہ تھا۔ وہ اپنی جوانی میں کس قدر حسین و جمیل رہی ہو گی، اس کا اندازہ آپ خود لگا لیں۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے اس سے کہا۔ ''امینہ بیگم! میرے آفس میں کام کرنے والے ایک شخص نے گزشتہ روز مجھے آپ کی آمد کے مقصد کے بارے میں مختصراً بتا دیا تھا لیکن ظاہر ہے، تفصیل تو آپ ہی کو بیان کرنا ہو گی......''

بات ختم کرتے ہی میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھال لیا پھر منتظر سوالیہ نظر سے امینہ بیگم کی طرف دیکھنے لگا۔

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مشتاق بھلا آدمی ہے۔ اس نے مجھے آپ کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے بارے میں بتایا ہے اور اس بات کا بھی یقین دلایا ہے کہ آپ مجھے مشکل کی اس گھڑی سے نکال لیں گے۔ میں تو عجیب سی آزمائش میں ڈال دی گئی ہوں۔ پتا نہیں، یہ کیسا امتحان ہے......'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے رکی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''مجھ سے زیادہ میری دونوں بیٹیاں عذاب میں آئی ہوئی ہیں۔ فیصل کی موت نے جہاں ماریا کو بیوہ کیا ہے وہاں عمران کی گرفتاری نے رابعہ کے مستقبل کی راہیں تاریک کر دی ہیں۔ میں مانتی ہوں، عمران اور فیصل میں بڑی رنجشیں پل رہی تھیں لیکن میں عمران کی فطرت اور عادت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ لڑائی بھڑائی تو شاید کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے مگر کسی انسان کی جان لینا اس کے بس کی بات نہیں۔ میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ فیصل کو عمران نے قتل کیا ہے لیکن پولیس عمران پر ایسا ہی الزام لگا رہی ہے۔''

''دیکھیں امینہ بیگم!'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''پولیس نے اگر آپ کے چھوٹے داماد کو بڑے داماد کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے تو اس عمل کے لیے ان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل بھی ہوگی۔ آپ اس حوالے سے کچھ بتائیں گی؟''

''میری اب تک کی معلومات کے مطابق، عمران کی گرفتاری میں سب سے بڑا ہاتھ اسلم نامی ایک شخص کا ہے۔ وہ اس وقت فیصل کے ساتھ تھا جب فیصل پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اسلم نے قاتل کا جو حلیہ بیان کیا ہے وہ بڑی حد تک عمران پر فٹ بیٹھتا ہے۔ اس واقعے کے فوراً بعد اسلم نے فیصل کے والدین سے رابطہ کیا اور انہیں صورت حال کی سنگینی کے بارے میں بتایا۔ حلیے کے حوالے سے فیصل کے والدین کا شک سیدھا عمران کی طرف گیا لہٰذا ان کی نشاندہی پر پولیس نے عمران کو فیصل کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا لیکن میں سمجھتی ہوں کہ......'' اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''میں سمجھتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ عمران بے گناہ ہے۔ اسے کسی گہری سازش کے تحت اس معاملے میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ کے پاس میں اس لیے آئی ہوں کہ عمران کی وکالت کرتے ہوئے آپ اسے اس مصیبت سے نکالیں۔ آپ کو میری نازک پوزیشن کا تو احساس ہو ہی گیا ہوگا؟''

''یہ احساس تو مجھے اسی وقت ہوگیا تھا جب میں نے کچھ عرصہ پہلے ان دونوں کو اس کھڑکی میں کھڑے ہو کر، دست و گریبان ہوتے دیکھا تھا'' میں نے اپنے کمرے کی عقبی جانب کھلنے والی کھڑکی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ تشویش ناک صورت حال آگے چل کر ایسی ہولناک شکل اختیار کرلے گی۔'' میں نے تھوڑا وقفہ دیا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید کہا۔ ''میری معلومات کے مطابق فیصل اور عمران آپ ہی کے ساتھ رہ رہے تھے۔ پھر ان کے باہمی تنازع کے باعث فیصل اپنے بچے اور بیوی کے ساتھ کہیں اور شفٹ ہو گیا تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کے دونوں دامادوں کے مابین کس نوعیت کے اختلافات تھے؟''

کوئی جواب دینے کے بجائے امینہ بیگم متذبذب نظر سے مجھے تکنے لگی۔

میں نے دوٹوک لہجے میں اس پر واضح کر دیا۔ ''امینہ بیگم! اگر آپ کی خواہش ہے کہ میں

اس کیس میں وکیل صفائی کا کردار ادا کرتے ہوئے آپ کے چھوٹے داماد عمران کو اس بھنور سے نکال لوں تو پھر آپ کو مجھ سے بھرپور تعاون کرنا ہوگا اور...... اور تعاون کا آغاز ہوگا، راست گوئی سے لہٰذا سچ سچ بتائیں، وہ کون سے عوامل تھے جو فیصل اور عمران کے بیچ فساد جنم دینے کا باعث بنے؟''

چند لمحات کی خاموشی کے بعد وہ بتانے لگی۔ ''بیگ صاحب! اس بات میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں کہ دونوں بیٹیوں میں سے میرا دھیان زیادہ تر رابعہ پر ہے اسی لیے عمران بھی میرے زیادہ قریب ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہی شخص قریب ہوتا ہے جو قریب آنے کی کوشش کرتا ہے۔ فیصل نے کبھی ایسی کوئی کوشش ہی نہیں کی تھی۔'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''فطری طور پر فیصل کو میں نے عمران سے جیلس ہوتے ہوئے ہی دیکھا تھا۔ فیصل ذرا ذرا سی بات کو اپنی انا اور خودداری کا مسئلہ بنالیتا تھا جس کی وجہ سے دونوں بہنوں یعنی ماریا اور رابعہ میں بھی تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ جب ایک چھت کے نیچے اور ایک چاردیواری کے اندر اس نوعیت کی صورت حال جنم لے لے تو پھر آئے دن کوئی نہ کوئی نیا فتنہ ضرور سر اٹھانے پر آمادہ نظر آتا ہے، یہی سب کچھ ہمارے گھر میں بھی ہو رہا تھا جس کا ایک نظارہ چند روز پہلے آپ نے بھی اتفاق سے دیکھ لیا تھا۔ میں جہاں تک سمجھ پائی ہوں، فیصل، عمران کو دبانے کی کوشش میں رہتا تھا۔ اس روز بھی زیادتی کی ابتدا فیصل ہی کی طرف سے ہوئی تھی اور زبانی گالم گلوچ کے علاوہ اس نے عمران کو اچھا خاصا زدوکوب بھی کر ڈالا تھا۔''

''آپ کی وضاحت اپنی جگہ درست ہوگی لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' میں نے متاملانہ انداز میں کہا۔ ''آپ کے پیش کردہ پس منظر میں عمران کی بڑی معقول صورت ابھر کر سامنے آتی ہے لیکن دوسری جانب فیصل کا غصہ اور زیادتی یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ آخر اسے عمران سے ایسی کون سی تکلیف تھی جو وہ آئے دن اس سے لڑائی جھگڑا کرتا رہتا تھا۔ آخر عمران بھی تو اسے کچھ نہ کچھ کہتا ہی ہوگا نا......؟''

''میرا خیال ہے، عمران فیصل کو سخت ناپسند کرتا تھا...... اسے فیصل سے شدید نفرت تھی......!''

''اور اس نفرت کا سبب رابعہ تھی۔'' میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے

کہا۔ ''کیونکہ عمران، رابعہ سے شدید محبت کرتا ہے مگر فیصل، رابعہ کو جس نظر......''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو امینہ بیگم چونک کر بولی۔ ''آ...... آپ کو اس معاملے کے بارے میں معلوم ہے......؟''

''ہاں......!'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''میری معلومات کے مطابق، فیصل نظر کا اچھا انسان نہیں تھا۔ وہ رابعہ پر بری نگاہ ڈالتا تھا۔ رابعہ کی بہ نسبت عمران نے یہ بات جلدی محسوس کر لی تھی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں......!'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔ واقعی، فیصل کی نیت میں ٹیڑھ موجود تھی۔ جب عمران نے اس حوالے سے مجھے بتایا اور میں نے خاص طور پر نوٹ کیا تو پتا چلا، وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ رابعہ، فیصل کو دلہا بھائی سمجھتی تھی اور وہ اس کے لیے دل میں کسی اور ہی قسم کے جذبات اور ذہن میں کسی اور ہی نوعیت کی سوچ رکھتا تھا۔''

''اور اس روز بلڈنگ کے باہر جو ہنگامہ آرائی ہوئی تھی اس کا سبب بھی یہی معاملات تھے۔'' میں نے کریدنے والے انداز میں کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بیگ صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''اس دن تو الٹا چور کوتوال کو پیٹنے والا معاملہ ہوگیا تھا۔ اس فتنے کی جڑ میں فیصل بیٹھا ہوا تھا، وہ ہی اصل قصوروار تھا لیکن بری طرح عمران کو مارا پیٹا گیا۔ اس رات میں نے فیصل کو کھری کھری سنا ڈالی تھیں......'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''مجھے اچھی طرح یہ محسوس ہوگیا تھا کہ فیصل کو اپنے پاس ٹھہرا کر میں نے سنگین غلطی کی تھی۔ جب میں نے اس کی کوتاہیاں اور غلطیاں گنوائیں تو وہ الٹا مجھ پر گرجنے برسنے لگا۔ اس کا مؤقف یہ تھا کہ میں خوامخواہ عمران کی سائڈ لیتی ہوں۔ میں نے بڑے کڑے الفاظ میں اس پر واضح کر دیا۔

''میں کس کی مخالف ہوں اور کس کی حامی، یہ سوچنا تمہارا کام نہیں۔ آج جتنا بڑا تماشا اس بلڈنگ کے اندر اور باہر ہوا ہے اس کے بعد تم سے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے، تم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کہیں اور شفٹ ہو جاؤ۔ میں اب مزید اپنے گھر کا سکون برباد کرنے کو تیار نہیں ہوں......''

''آپ کی اس دھمکی کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا۔

وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ''تیسرے دن ہی وہ ماریا اور کاشف کو لے کر کرائے کے فلیٹ میں منتقل ہوگیا تھا۔''

''کہاں......؟''

''گلستان جوہر میں۔'' امینہ بیگم نے جواب دیا۔ ''یہ علاقہ ابھی آباد ہونا شروع ہوا ہے، اسے نسبتاً کم کرائے پر فلیٹ مل گیا تھا۔ وہاں رہائش اختیار کیے ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ یہ واقعہ پیش آگیا......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی اور بے بسی سے بولی۔

''یہ ہے تمام کہانی بیگ صاحب......!''

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر امینہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے بتایا ہے کہ عمران کو کسی اسلم نامی شخص کی نشاندہی پر گرفتار کیا گیا ہے آپ اس آدمی کے بارے میں اور کیا جانتی ہیں؟''

''کچھ زیادہ نہیں جناب!'' وہ عام سے لہجے میں بولی۔ ''سننے میں آیا ہے کہ اسلم بھی اسی دکان پر کام کرتا ہے جہاں فیصل ملازم تھا۔ اسلم کی رہائش بھی جوہر ہی کے علاقے میں ہے۔ مجھے پتا چلا ہے، فیصل کو کرائے کا گھر دلانے میں اس نے بڑی مدد کی تھی۔''

''وقوعہ کی رات اسلم نامی یہ شخص بھی فیصل کے ساتھ ہی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر جوہر کی طرف جا رہا تھا کہ یہ حادثہ پیش آگیا؟'' میں نے تصدیق طلب نظر سے امینہ بیگم کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں...... یہی حالات تھے!'' وہ آہستگی سے بولی پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد ملتجی لہجے میں کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ میری نازک پوزیشن کا احساس کر سکتے ہیں۔ فیصل کے قتل کے بعد ماریا بیوہ ہوگئی ہے۔ اگر عمران کو کچھ ہو جاتا ہے تو رابعہ کی زندگی بھی جہنم کا نمونہ پیش کرے گی......''

''عمران کو کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''کسی بھی طرح آپ عمران کو باعزت بری کروا دیں تو میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔'' وہ سراپا التجا بن گئی۔ ''میرا دل گواہی دیتا ہے کہ عمران بے گناہ اور بے قصور ہے۔

اسے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اس چکر میں پھنسایا گیا ہے۔''

''اگر عمران قتل کی اس واردات میں ملوث نہیں تو میں اس کی رہائی کے لیے پورا زور لگا دوں گا۔'' میں نے امینہ بیگم کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے بیگ صاحب......!'' اس نے دعائیہ انداز میں کہا۔

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''امینہ بیگم! تسلی رکھیں کہ میں نے آپ کے چھوٹے داماد کا کیس لے لیا ہے۔ آپ اب مجھے اس کے کام کاج اور دیگر مصروفیات کے بارے میں بتائیں تاکہ میں کوئی عملی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح غور وفکر کر سکوں......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں کل کسی وقت تھانے جا کر عمران سے بھی ملاقات کروں گا۔ وہ اس وقت عدالتی ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ہے جب تک پولیس چالان کے ساتھ اسے عدالت میں پیش نہیں کر دیتی، عملی طور پر کوئی کارروائی ممکن نہیں۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا؟''

''جی بیگ صاحب......'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میں اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔''

''تو پھر شروع ہو جائیں۔'' میں نے قلم کو اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔

......اور وہ شروع ہو گئی۔

عمران، جامع کلاتھ مارکیٹ میں کپڑے کی ایک بڑی دکان پر کام کرتا تھا۔ اس دکان کا مالک سیٹھ فضل کریم، عمران کا بہت خیال رکھتا تھا اور عمران کی شادی کے وقت بھی اس نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ عمران کو فضل کریم کے پاس کام کرتے ہوئے طویل عرصہ ہو گیا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ فضل کریم کے لیے انتہائی بھروسے کا آدمی تھا۔

اتوار کے دن فضل کریم کی دکان بند رہتی تھی لہٰذا عمران کی بھی چھٹی ہوتی تھی۔ عمران نے اس چھٹی کو استعمال کرنے کا ایک سودمند طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ اتوار کے روز تقریباً تمام کاروباری مراکز بند رہا کرتے تھے۔ وہ اتوار کی صبح، موسم کی مناسبت سے چلنے والے کپڑے کے پچاس ساٹھ تھان ایک ٹیکسی میں ڈال کر طارق روڈ پہنچ جاتا تھا پھر انہیں کھول کر ''شٹر ڈاؤن دکانوں'' کے سامنے

لٹکا دیتا اور شام تک وہاں کاروبار کرتا۔ جو لوگ کراچی کے باسی ہیں اور چھٹی کے روز ان کا طارق روڈ کی طرف سے گزر ہوا ہے، وہ ان ''فٹ پاتھ شاپس'' کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں۔ کپڑوں کے یہ تھان فضل کریم کی ملکیت تھے اور اس نے عمران کو یہ سہولت دے رکھی تھی کہ چھٹی کے روز وہ جتنا کپڑا بھی فروخت کرے گا اس کے پرافٹ کا نصف وہ عمران کو دے گا اس طرح ایک دن کی محنت سے عمران کی اچھی خاصی ایکسٹرا آمدنی ہو جاتی تھی۔ طارق روڈ آنے اور جانے کے لیے اس نے ایک ٹیکسی والے کو مستقل لگوا رکھا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور صفدر علی کپڑے کے تھانوں کو چوتھے فلور تک چڑھانے اور اتارنے میں بھی اس کی مدد کیا کرتا تھا۔ ان دونوں میں کافی عرصے سے اچھی انڈراسٹینڈنگ چل رہی تھی۔

اس کے علاوہ بھی امینہ بیگم نے مجھے عمران، اس کے کاروبار، فیصل اور فضل کریم وغیرہ کے بارے میں بہت کچھ بتایا جس میں سے نہایت ہی اہم باتوں کا ذکر میں عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب مقامات پر کروں گا۔

میں نے امینہ بیگم کے ساتھ مزید دس پندرہ منٹ بات چیت کی۔ اس نے میری مطلوبہ فیس ادا کی اور میں نے اسے بھرپور تسلی دے کر اپنے دفتر سے رخصت کر دیا۔

اگلے روز میں نے تھانے جا کر عمران سے ایک بھرپور ملاقات کر لی۔ عدالتی ریمانڈ پر جو شخص پولیس کی کسٹڈی میں ہوتا ہے اس سے ملنا اتنا آسان بھی نہیں ہوتا۔ اس کام کے لیے بعض ''ٹوٹکے'' آزمانا پڑتے ہیں۔ ایسے ٹوٹکوں کا میں اپنی کہانیوں میں بارہا ذکر کر چکا ہوں لہٰذا فی الحال اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

عمران کی عمر لگ بھگ تیس سال رہی ہوگی۔ وہ درمیانے قد کا مالک ایک موٹا شخص تھا۔ اپنی وضع قطع اور حرکات و سکنات سے وہ ایک صلح جو اور امن پسند نظر آتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اس روز فیصل کے ہاتھوں بری طرح پٹ گیا تھا۔ عمران نے ہلکی سی ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔

اس روز عمران کی زبانی جو معلومات مجھ تک پہنچیں، ان میں زیادہ تر باتیں وہی تھیں جو امینہ بیگم پہلے ہی مجھے بتا چکی تھی۔ تاہم عمران نے کچھ ایسے انکشافات بھی کیے جو اس کو بے گناہ ثابت کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے تھے، بس تھوڑا سا گراؤنڈ ورک کر کے چند شواہد جمع کرنے کی ضرورت تھی اور......اس کام کے لیے میری نگاہ میں مشتاق سے اچھا آدمی اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے عمران کی کتھا سننے کے بعد اسے تسلی دی کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہو۔ میں اس کو بچانے کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں آزماؤں گا۔ وہ خاصا مطمئن اور ایزی نظر آنے لگا۔ میں نے اسے چند ضروری ہدایات دیں پھر تھانے سے نکل آیا، یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس ملاقات کے دوران میں نے وکالت نامے اور دیگر اہم کاغذات پر عمران کے دستخط لے لیے تھے۔

عمران سے ہونے والی یہ ملاقات میرے لیے خاصی اطمینان بخش تھی۔

اگلے روز میں نے مشتاق کو اپنے چیمبر میں بلایا۔ وہ میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تو میں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ آج پہلی مرتبہ میرے چیمبر میں داخل ہوا ہو۔ وہ روزانہ کئی مرتبہ میرے پاس آتا تھا لیکن آج پہلی بار میں نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی دعوت دی تھی۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ امینہ بیگم کے چھوٹے داماد کا کیس تم ہی میرے پاس لے کر آئے ہو نا؟''

اس نے کچھ ایسے انداز میں میری طرف دیکھا جیسے یہ کام کر کے اس سے کوئی بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہو، ایک لمحے کے متفکر توقف کے بعد اس نے متعجب لہجے میں مجھ سے استفسار کیا۔

''جی بیگ صاحب...... کیا ہو گیا؟''

''ابھی تک تو کچھ بھی نہیں ہوا مشتاق لیکن بہت کچھ ہو سکتا ہے۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''اور یہ سب کچھ اسی وقت ہو گا جب ہم کرنا چاہیں گے......!''

''ہم......؟'' وہ متاملانہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''ہاں ہم!'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''تمہاری نظر میں امینہ کا داماد بے گناہ ہے نا...... اور تم اس کی باعزت رہائی کے بھی خواہاں ہو......؟''

''جی ہاں...... میں تو یہی چاہتا ہوں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''تو پھر عمران کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے تمہیں میرے ساتھ مل کر کام کرنا ہو گا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں عدالت کے کمرے میں اور تم باہر ہاتھ پاؤں مارو گے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

وہ گزشتہ چار پانچ سال سے میرے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں مختلف کیسوں میں، اس کی

مدد سے چھوٹے موٹے کام نکلواتا رہتا تھا لہٰذا وہ فوراً سے پیشتر میرا اشارہ سمجھ گیا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نمودار ہوئی۔ اس نے معنی خیز انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی اور خاصے ولولہ انگیز لہجے میں بولا۔

''بتائیں بیگ صاحب...... کرنا کیا ہے؟''

میں نہایت ہی سنجیدہ انداز میں مشتاق کو فضل کریم، اسلم، فرید موٹرز کے مالک فرید خان اور چند دیگر افراد کے بارے میں خصوصی ہدایات دینے لگا۔

✠ ✠ ✠

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے عدالت میں چالان پیش کر دیا۔ اس موقع پر میں نے اپنے مؤکل کی ضمانت کرانے کی بھرپور کوشش کی لیکن میری یہ سعی بارآور نہ ہو سکی۔ قتل کے ملزم کی ضمانت تقریباً ناممکن ہی ہوتی ہے۔ اس بارے میں، میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ وضاحت کی ہے۔

اسلم کا نام استغاثہ کے گواہوں میں شامل تھا۔ اسی کی نشاندہی پر پولیس نے عمران کو، فیصل کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ استغاثہ کے علاوہ یہ بندہ میرے لیے بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ فیصل اور اسلم چونکہ ایک ہی جگہ کام کرتے تھے لہٰذا فرید خان کی اہمیت کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جج نے ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے اسے جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا اور عدالتی کارروائی کے لیے پندرہ دن کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔ آگے بڑھنے سے پہلے میں وقوعہ اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول فیصل کی موت جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات، نو اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور وجہ موت وہ دو گولیاں تھیں جو اس کے سینے میں اتاری گئی تھیں۔ ان گولیوں نے دل میں جگہ بنائی اور چند لمحات میں اسے موت کی آغوش میں پہنچا دیا۔

جائے وقوعہ یونیورسٹی روڈ کا ایک تاریک اور سنسان حصہ تھا۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح گلستان جوہر ابھی اتنا آباد نہیں ہوا تھا۔ رات کے وقت نیپا چورنگی سے آگے بڑھیں تو ہر

جانب سناٹے کا راج محسوس ہوتا تھا۔ قتل کی یہ واردات بھی اسی غیر آباد علاقے میں پیش آئی تھی۔

واقعات کے مطابق، مقتول فیصل اور اس کا ساتھی اسلم موٹر سائیکل پر سوار ہو کر اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے کہ یونیورسٹی روڈ پر ملزم اچانک ان کے سامنے آ گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے یہ سوچتے ہوئے کہ پتا نہیں کون مصیبت زدہ ہے، موٹر سائیکل روک دی۔ ملزم نے بڑی سرعت سے پسٹل نکالا اور یکے بعد دیگرے فیصل پر دو فائر کر دیے جو موٹر سائیکل کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔

اس صورت حال نے فیصل کے عقب میں بیٹھے اسلم کو بوکھلا دیا۔ اسی بوکھلاہٹ میں اسے مطلق احساس نہ ہوا کہ کب اس نے غیر ارادی طور پر موٹر سائیکل سے نیچے جمپ لگا دی تھی۔ جب وہ سنبھلا تو حالات کا پاسا پلٹ چکا تھا۔ فیصل سینے پر دو گولیاں کھا کر زمیں بوس ہو چکا تھا۔ اس کے گھائل جسم نے بڑے خطرناک انداز میں چند جھٹکے کھائے اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔ اسلم خوفزدہ ہو گیا۔ اسے یہ سمجھنے میں قطعاً کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ فیصل میں اب زندگی باقی نہیں رہی تھی۔ اس افراتفری کے دوران میں حملہ آور قاتل موقع سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اسلم کے حواس جب ٹھکانے آئے تو اس نے پہلی فرصت میں فیصل کے گھر واقع سمن آباد فون کر کے انہیں حالات کی سنگینی سے آگاہ کیا۔ اسلم کی زبانی نامعلوم قاتل کا حلیہ سن کر فیصل کے گھر والوں نے فوراً یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ وہ نامعلوم شخص فیصل کے ہم زلف عمران کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اگلے مرحلے پر پولیس سے رابطہ کیا گیا۔ حالات و واقعات کی روشنی اور اسلم کی نشاندہی پر رات ایک بجے عمران کو اس کے گھر سے، فیصل کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

اس کیس کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ اس رات مقتول کے پاس کمپنی کی ایک بھاری رقم بھی موجود تھی۔ لگ بھگ پچیس ہزار روپے کی یہ رقم ایک چھوٹے ہینڈ بیگ میں محفوظ تھی۔ نامعلوم قاتل اس ہینڈ بیگ کو بھی اڑا لے گیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قاتل نے محض اس رقم کے حصول کے لیے فیصل کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

جیسا کہ میں پہلے بھی کئی مرتبہ بتا چکا ہوں کہ عدالت کی ابتدائی کارروائی بڑی خشک، بور اور سست ہوتی ہے اسی لیے میں نے ہمیشہ اس کی تفصیل بیان کرنے سے اجتناب برتا ہے۔ اس بار

بھی ایسا ہی کرنے کا ارادہ ہے۔

اپنے ملازم کو میں نے جو فرائض سونپے تھے، اس دوران میں اس نے وہ تمام کام بڑی خوش اسلوبی سے نمٹا لیے تھے۔ مشتاق کو میں پہلے بھی ایک دو بار ایسی مہمات میں آزما چکا تھا۔ وہ بہت اچھے نتائج دیتا تھا۔ اس پس منظر میں اس کا یہ دعویٰ بالکل سچا تھا کہ وہ مجھ سے بہت کچھ سیکھتا رہتا ہے۔ مشتاق کی فراہم کردہ معلومات سے میں خوش اور مطمئن تھا۔ مجھے یقین تھا جب اس کیس کی باقاعدہ سماعت شروع ہو گی تو ابتدا ہی سے میرا پلڑا بھاری رہے گا۔

میری معلومات کے مطابق، اس کیس میں اس وکیل نے فیصل کے والد کفیل احمد کی بڑی مدد کی تھی جس کے پاس وہ ملازم تھا تاہم مذکورہ وکیل ریاض باجوہ اس کیس میں وکیل استغاثہ کا کردار ادا نہیں کر رہا تھا۔ وہ محض کفیل احمد کو قانونی مشورے دیا کرتا تھا۔

اس دوران دو تین مرتبہ امینہ بیگم بھی مجھ سے ملنے دفتر آئی۔ اس کی نازک پوزیشن کو میں اچھی طرح محسوس کر سکتا تھا۔ وہ ایک عجیب سی دوطرفہ مصیبت میں گرفتار تھی تاہم میری تسلی اور حوصلے نے اس کی ذہنی صحت پر خاصے خوشگوار اثرات مرتب کیے تھے۔ وہ کسی حد تک مطمئن اور پرسکون دکھائی دینے لگی تھی۔

ایک بار اصرار کر کے امینہ بیگم مجھے اپنے ساتھ گھر بھی لے گئی۔ میں دفتر سے فارغ ہونے کے بعد اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ یہ اس کی ایک چھوٹی سی بے ضرر خواہش تھی جسے پورا کرنے میں مجھے کوئی قباحت نظر نہ آئی۔

اس روز امینہ بیگم کی دونوں بیٹیوں ماریا اور رابعہ سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان دونوں بہنوں میں صرف عمر اور جسمانی صحت کا تھوڑا فرق تھا تاہم وضع قطع اور حلیے سے وہ ایک ہی جیسی نظر آتی تھیں۔ امینہ بیگم نے مجھے بتایا۔

''جب تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی، یہ بالکل ایک جیسی تھیں۔ میرا نواسا چونکہ میجر آپریشن سے پیدا ہوا تھا لہٰذا بعد میں مناسب احتیاط نہ کرنے کے سبب ماریا قدرے فربہ ہو گئی ہے۔''

ماریا کو بیوہ ہوئے ابھی چند روز ہی گزرے تھے۔ میرا خیال تھا، وہ عدت میں بیٹھی ہو گی اور اس سے میرا سامنا نہیں ہو سکے گا لیکن جب میں امینہ بیگم کے گھر پہنچا تو دونوں بہنوں سے میری

باقاعدہ ملاقات ہوئی۔ میں نے بھی اس موقع پر عدت کے حوالے سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ خالصتاً ان کا ذاتی معاملہ تھا اور مجھے اس گھر کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

چائے پینے کے دوران میں نے باری باری دونوں بہنوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ جو کچھ بھی ہوا، مجھے اس کا سخت افسوس ہے۔ میں فیصل کو زندہ تو نہیں کر سکتا لیکن مجھے آپ لوگوں سے گہری ہمدردی ہے۔ میں......!''

''اگر ہم سے......خصوصاً مجھ سے آپ کو ہمدردی ہے تو پھر آپ جلد از جلد میرے شوہر کو باعزت بری کرا دیں وکیل صاحب!'' میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی رابعہ نے دکھی لہجے میں کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔''

''میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں اسی لیے میں نے عمران کا کیس لینے کا فیصلہ کیا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن اس سلسلے میں، میں مقتول کی بیوہ ماریا کی رائے بھی لینا چاہوں گا!''

بات ختم کرتے ہی میں نے ماریا کی جانب دیکھا۔ وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔ ''کیسی رائے وکیل صاحب؟''

''عمران کے بارے میں۔'' میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''عمران تمہارا بہنوئی ہے۔ تم کم از کم ایک سال سے اسے جانتی ہو۔ اس کی عادات و اطوار سے واقف ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے، عمران اتنا سنگین قدم اٹھا سکتا ہے؟''

''بظاہر ایسا لگتا تو نہیں۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولی۔ ''عمران بڑے ٹھنڈے مزاج کا مالک ہے۔ اسے بہت کم غصہ آتا ہے۔ مجھے تو بالکل یقین نہیں آ رہا کہ اس نے فیصل کی جان لی ہے......'' بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔

''میں اور آپ عمران کو قصوروار نہیں سمجھتے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''رابعہ اور امینہ بھی ہماری ہم خیال ہیں۔ ممکن ہے اور بھی چند افراد ہم سے اتفاق کرتے ہوں لیکن یہ کافی نہیں......'' میں لمحے بھر کے لیے سانس ہموار کرنے کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ اس لیے کافی نہیں کہ استغاثہ اسے فیصل کا قاتل سمجھتا ہے، جب ہی وہ اس وقت جیل کی دیواروں کے پیچھے مقید ہے لیکن آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کے عمران کے لیے عدالت میں فائٹ کروں گا اور انشاء اللہ! اسے باعزت بری بھی کروا کے دکھاؤں گا مگر اس کے لیے آپ سب کو مجھ سے بھرپور تعاون کرنا ہوگا......!''

میں نے رک کر سوالیہ نظر سے دونوں بہنوں کی طرف دیکھا تو وہ بہ یک زبان جلدی سے بولیں۔ ''ہم ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہیں۔ بتائیں اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا ہوگا؟''

''جب مناسب موقع آئے گا تو ضرور بتاؤں گا۔'' میں نے مستحکم لہجے میں کہا۔ ''فی الحال تمہیں اپنی آنکھیں اور کان کھلے اور دماغ کو بیدار رکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی بھی خاص اور غیر معمولی بات تمہارے علم میں آئے تو مجھ سے ضرور شیئر کرنا۔''

''ٹھیک ہے، ہم آپ کی ہدایت پر عمل کریں گی!'' وہ ایک مرتبہ پھر بہ یک زبان بولیں۔

''تم دونوں میں ہر زاویے سے اتفاق رہے تو عمران کے لیے مفید ہوگا اور مجھے بھی یہ کیس ہینڈل کرنے میں آسانی رہے گی۔'' میں نے باری باری ان کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''ممکن ہے، ضرورت پڑنے پر میں آپ لوگوں کو کسی معاملے میں گواہی کے لیے عدالت میں بھی بلاؤں۔ اس لحاظ سے ذہنی طور پر ہمیشہ تیار رہنا۔''

''جی، ہم ہر وقت تیار رہیں گی۔'' رابعہ نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

ماریا بولی۔ ''آپ ہماری جانب سے بالکل بے فکر ہو جائیں۔''

میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور ماریا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اس اندوہ ناک واقعے کے بعد سسرال والوں کا تمہارے ساتھ رویہ کیسا ہے؟''

''ان کا رویہ تو پہلے بھی اچھا نہیں تھا۔'' وہ شکوہ بھرے لہجے میں بولی۔ ''اگر انہیں اپنے بیٹے، پوتے اور بہو کا خیال ہوتا تو آج ہم ان کے ساتھ ہی رہ رہے ہوتے۔ ہمیں یوں در در کی ٹھوکریں نہ کھانا پڑتیں۔ ہم جب امی کے پاس رہنے کے لیے آئے تھے تو انہوں نے پلٹ کر یہ دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی کہ ہم کس حال میں ہیں۔ عمران اور فیصل کے جھگڑے کے بعد ہم جوہر والے فلیٹ میں منتقل ہوئے تو ان میں سے کوئی وہاں بھی ہم سے ملنے کے لیے نہیں آیا اور اب......''

وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوئی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"اب پچھلے کئی دنوں سے میں یہاں پڑی ہوں۔ ان میں سے کسی نے میری خیریت جاننے کی زحمت نہیں کی۔ اگر ان لوگوں کا بیٹا قتل ہوا ہے تو میں بھی بیوہ ہوئی ہوں۔ کاشف بھی یتیم ہوا ہے۔ میں ان کی کچھ نہیں لگتی لیکن......" اس کی آواز جذبات کی شدت کے بوجھ تلے دب کر رہ گئی۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"لیکن کاشف تو آخر ان کا پوتا ہے نا۔ یہ ان کا خون ہے۔ کم از کم اسی معصوم کا خیال کر لیا ہوتا۔ اس سارے بکھیڑے میں ننھے کاشف کا کیا قصور ہے۔"

"بیگ صاحب! ان لوگوں کا رویہ بے حسی کی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔" امینہ بیگم نے کہا۔ "اس وقت وہ لوگ اپنی ساری توانائی صرف عمران کو فیصل کا قاتل ثابت کرنے میں استعمال کر رہے ہیں۔"

"ہوں......!" میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

امینہ بیگم اُمید بھرے لہجے میں بولی۔ "ہمارے لیے تو اوپر خدا کا سہارا ہے اور نیچے آپ سے آس لگی ہوئی ہے۔ خدا کے حضور تو دعا ہی کی جا سکتی۔ عملی طور پر منجدھار میں پھنسی ہوئی اس نیا کو آپ ہی نے کنارے لگانا ہے بیگ صاحب......!"

"انشاء اللہ! یہ نیا ضرور کنارے لگے گی۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "جو لوگ اپنی سچائی پر قائم رہتے ہوئے صرف اور صرف خدا پر بھروسا کرتے ہیں، وہ قدرت والا ضرور ان کی مدد بھی کرتا ہے۔"

"بے شک!" امینہ بیگم نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اللہ آپ کی زبان مبارک کرے!"

"آمین......!" رابعہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔

میں نے امینہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ "اگر آپ کو برا محسوس نہ ہو تو میں ماریا اور رابعہ سے، ایک خاص معاملے پر چند باتیں کرنا چاہتا ہوں؟"

وہ زود فہم عورت فوراً سے پیشتر میرے مقصد تک رسائی حاصل کرنے مین کامیاب ہو گئی، جلدی سے بولی۔ "کیوں نہیں......اور اگر آپ تنہائی کی ضرورت محسوس کر رہے ہوں تو میں دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہوں......!"

"نہیں......" میں نے قطعی انداز میں کہا۔ "آپ کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

آپ اطمینان سے بیٹھی رہیں۔"

پتا نہیں، آگے چل کر اس بات کی کوئی اہمیت ہوتی یا نہیں لیکن میں اپنے اطمینان کی خاطر یہ جاننا چاہتا تھا کہ پہلے مشتاق نے اور بعد ازاں امینہ بیگم نے فیصل کی رابعہ پر بری نظر کا جو ذکر کیا تھا، رابعہ اور ماریا اسے کس انداز میں لیتی تھیں۔ دس منٹ کی مزید گفتگو کے بعد ساری بات کھل کر سامنے آ گئی۔

رابعہ نے حقیقت کا اعتراف کیا کہ مقتول کی نگاہ میں اسے اپنے لیے ایک خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ اس نے اپنے اس احساس کے بارے میں عمران کو بتا دیا تھا۔ پہلے تو عمران کو اس کی شکایت پر یقین نہیں آیا لیکن جب اس نے خود بعض مواقع پر فیصل کو قابل مذمت حرکتیں کرتے دیکھا تو پھر وہ اس کے خلاف ہو گیا اور یہی مخالفت دونوں دامادوں کے بیچ جھگڑے کا سبب بنی تھی۔ اس روز میں نے اپنے دفتر کی کھڑکی میں سے حافظ اپارٹمنٹس کے سامنے جو مارا ماری دیکھی تھی وہ اسی "بدنظر بازی" کا نتیجہ تھی۔ عمران اپنی ساس سے بہت قریب تھا اور اس نے یہ سارا معاملہ من و عن امینہ بیگم کے سامنے رکھ دیا تھا چنانچہ گھر کے اندر ایک گرما گرم "نشست" ہوئی جس میں فیصل نے خود پر عائد تمام تر الزامات کی تردید کرتے ہوئے وہ گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ سنا دیا تھا اور پھر چند روز بعد ہی وہ ماریا اور کاشف کو لے کر جوہر والے فلیٹ میں منتقل ہو گیا تھا۔

ماریا نے اس معاملے میں اپنے شوہر کے خلاف کھل کر تو نہیں کہا، تاہم اس بات سے وہ انکار نہ کر سکی کہ فیصل کی نیچر میں اس "مرض" کے جراثیم موجود تھے۔ پہلے بھی اسے فیصل سے اس نوعیت کی شکایات رہی تھیں۔ میری تسلی کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا۔

میں نے ایک اچھی چائے مع لوازمات کے لیے تہِ دل سے ان کا شکریہ ادا کیا اور عمران کے حوالے سے تسلی تشفی دینے کے بعد گھر سے نکل آیا۔

✠ ✠ ✠

لگ بھگ دو ماہ کے بعد، اس کیس کی با قاعدہ سماعت کا آغاز ہوا۔ اس دوران میں نے اچھا خاصا ہوم ورک کر لیا تھا۔ جج اپنی مخصوص کرسی پر آ کر بیٹھا تو عدالتی کارروائی شروع ہوئی۔ ملزم عمران اکیوزڈ باکس میں سر جھکائے کھڑا تھا۔ میں نے اسے جو ہدایات دی تھیں وہ

اچھی طرح اس کی سمجھ میں جگہ بنا چکی تھیں۔ جج نے فردِ جرم پڑھ کر سنائی۔ میرے پڑھائے ہوئے سبق کے مطابق ملزم نے صحت جرم سے صاف انکار کردیا۔ یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں کہ پولیس کی تحویل میں کیے جانے والے اقبال جرم کو عدالت کوئی اہمیت نہیں دیتی۔

استغاثہ کی جانب سے گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے جج سے درخواست کی ''یور آنر! میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

کسی بھی کیس کا انکوائری آفیسر یعنی ''آئی او'' ہر پیشی پر عدالت کے کمرے میں موجود ہوتا ہے اور زیر سماعت کیس میں اس کی حیثیت استغاثہ کے گواہ ایسی ہوتی ہے۔ اس کیس کا تفتیشی افسر سب انسپکٹر صابر حسین تھا۔ وہ درمیانے قد کا مالک، ایک موٹی توند والا شخص تھا۔ جج نے فوراً سے پیشتر میری فرمائش پوری کردی۔

صابر حسین گواہوں والے کٹہرے میں آ کر کھڑا ہوا تو میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ ''میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا۔ ''صابر صاحب! آپ کیسے ہیں؟''

''الحمدللہ...... ٹھیک ہوں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''آپ اس کیس کے انکوائری آفیسر ہیں......'' میں نے جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''یقیناً آپ نے بڑی ٹھیک ٹھاک انکوائری کی ہوگی۔ اسی انکوائری کے سلسلے میں، میں آپ سے چند سوالات کروں گا لیکن اس سے پہلے......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ قتل کی اس واردات کی اطلاع آپ تک کب اور کیسے پہنچی؟''

''کب...... کا جواب تو یہ ہے جناب کہ ہمارے روزنامچے کے مطابق جمعہ کی رات ٹھیک دس بج کر پندرہ منٹ پر فون کے ذریعے ہمیں اطلاع ملی کہ یونیورسٹی روڈ پر قتل کی ایک واردات ہوگئی ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اور...... اطلاع دینے والے شخص کا نام ہے...... اسلم!''

''یہ وہی اسلم صاحب ہیں نا...... جن کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں بھی شامل

ہے؟'' میں نے آنکھیں سکیڑ کر آئی او کی طرف دیکھا۔ ''جو وقوعہ کی رات مقتول کے ساتھ موٹر سائیکل پر سوار ہو کر اپنے گھر کی جانب جا رہے تھے؟''

''جی ہاں، آپ بالکل ٹھیک جگہ پہنچے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اسلم نامی یہ شخص مقتول کے ساتھ ہی کام کرتا تھا اور اتفاق سے ان دونوں کی رہائش بھی ایک ہی علاقے میں...... یعنی گلستان جوہر میں ہے۔''

''نہ صرف ایک علاقے میں ہے بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب رہتے تھے۔'' میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مقتول کو اپنے نزدیک کرائے کا فلیٹ دلانے میں اسلم نامی اس بندے نے بڑا اہم اور دوستانہ کردار ادا کیا تھا۔''

وہ محض اثبات میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

میں نے سلسلہ سوالات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اور آپ واردات کی اس اطلاع کے بعد کتنی دیر میں جائے وقوعہ پر پہنچے تھے؟''

''ہم ساڑھے دس بجے جائے واردات پر پہنچ گئے تھے۔''

''یعنی ٹھیک پندرہ منٹ میں؟''

''جی ہاں...... بالکل!''

''جب آپ وقوعہ پر پہنچے تو وہاں اور کون کون موجود تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک تو یہ اسلم ہی تھا۔'' انکوائری آفیسر نے جواب دیا۔ ''اور چند راہ گیر بھی وہاں موجود تھے۔''

''یعنی مقتول کے ورثا میں سے ابھی وہاں کوئی نہیں پہنچا تھا؟''

''جی نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''مقتول کے والدین کی رہائش ادھر سمن آباد میں ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے، اس نوعیت کی خبر سن کر تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہوں گے لہٰذا انہیں موقع پر پہنچنے میں تھوڑی دیر ہوگئی۔ وہ ہمارے بعد آئے تھے...... مقتول کا باپ کفیل احمد اور چھوٹا بھائی کامران۔''

''آپ کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلم نے ہی آپ کو فون کرنے کے علاوہ مقتول کے ورثا کو بھی اس اندوہناک واقعے کی اطلاع دی۔''

"جی ہاں!" وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ "اس مقدمے کی ایف آئی آر اور چالان وغیرہ میں اس بات کا ذکر موجود ہے۔"

"ہاں موجود ہے......اور میں نے پڑھا بھی ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں دراصل......آپ سے کوئی اور بات کرنے والا تھا!"

"کون سی بات؟" وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "مقتول اور اس کا کولیگ اسلم ایک ہی علاقے یعنی گلستان جوہر میں رہائش پذیر تھے اور قتل کی یہ واردات یونیورسٹی روڈ پر پیش آئی ہے جو کہ گلستان جوہر کی بغل میں سے گزرتی ہے......" میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا وجہ ہے کہ اسلم نے مقتول کی بیوی ماریا کو اس واقعے کی اطلاع دینا ضروری نہیں سمجھا؟"

"وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ بات میرے علم میں نہیں تھی جناب......!"

"لیکن میرے علم میں ہے......کیونکہ اس سلسلے میں مقتول کی بیوہ سے میری تفصیلی بات ہو چکی ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ استغاثہ کے نمائندے ہیں اور اسلم استغاثہ کا گواہ......میں تو یہی سمجھ رہا تھا، آپ کو اپنے گواہوں کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہوں گی؟"

میرے اس استفسار کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے جرح کے سلسلے کو تیزی سے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول فیصل کی موت سینے میں اترنے والی دو گولیوں کے سبب واقع ہوئی۔ یہ گولیاں کسی پسٹل سے چلائی گئی تھیں، یعنی اس واردات میں پسٹل ایک آلہ قتل کے طور پر استعمال ہوا ہے۔" میں لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا، ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ نے آلہ قتل برآمد کر لیا؟"

"نہیں......!" اس نے قطعیت سے جواب دیا۔

"اور وہ رقم؟"

"وہ بھی نہیں مل سکی۔" وہ کھسیانہ سا ہو کر بولا۔

"یہ آپ نے کس قسم کی تفتیش کی ہے۔ تفتیشی افسر صاحب!" میں نے پھر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آلہ قتل کا کچھ پتا نہیں......لوٹی ہوئی رقم کی کوئی خبر نہیں......یہی ہے آپ کی انویسٹی گیشن......؟"

"دیکھیں جناب......!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "استغاثہ کا گواہ اسلم ایک ایسا شخص ہے جو واردات کے وقت جائے وقوعہ پر موجود تھا۔ اس نے قاتل کا جو حلیہ بیان کیا تھا اسی کی روشنی میں ہم نے ملزم کو اس کے گھر سے گرفتار کیا تھا کیونکہ گواہ کی زبانی قاتل کا حلیہ سننے کے بعد مقتول کے باپ اور بھائی نے بیک زبان ملزم کا نام لیا تھا۔ یہ کوئی اشارہ نہیں تھا۔ علاوہ ازیں مقتول کے باپ نے ہمیں وہ کہانی بھی تفصیل سے سنائی تھی جو قاتل اور مقتول کے باہمی جھگڑوں اور تنازعات پر......"

"ایک منٹ......ایک منٹ!" میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید بولنے سے روک دیا پھر چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "آپ نے کیا کہا......قاتل اور مقتول؟"

"ہاں......" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔ "میرا مطلب ہے، عمران اور فیصل!"

"آپ کے مطلب کی صحت خاصی مخدوش ہے آئی او صاحب!" میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ "فیصل کی موت واقع ہو چکی ہے لہٰذا اسے مقتول کہنے پر مجھے اور قانون کو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن جب تک قتل کا جرم ثابت نہیں ہو جاتا، میرے مؤکل عمران کو قاتل کہنا قانون اور انصاف کے اصولوں کے منافی ہوگا۔ جب تک یہ کیس اس عدالت میں زیرِ سماعت ہے، میرے مؤکل کو 'ملزم' کے علاوہ کسی اور 'ٹائٹل' سے پکارنا سراسر زیادتی والی بات ہوگی۔"

بات مکمل کر کے میں نے جج کی جانب دیکھا۔ جج انکوائری آفیسر کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "آئی او صاحب! بیگ صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ آئندہ اس نکتے کا لحاظ رکھیں۔"

"یس سر!" آئی او فرماں برداری سے بولا۔

میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے آئی او سے پوچھا۔ "صابر صاحب! آپ نے کب اور کتنے بجے ملزم کو گرفتار کیا تھا؟"

''رات ایک بجے......'' اس نے جواب دیا۔ ''اس کے گھر واقع حافظ اپارٹمنٹس سے۔''

''ملزم کے گھر والوں نے آپ کو اس کے بارے میں کیا بتایا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

آئی او نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''گھر والوں کا بیان ہے کہ وہ رات گیارہ بجے گھر پہنچا تھا۔''

''ان ہی کے بیان کے مطابق، وہ رات گیارہ بجے سے پہلے کہاں تھا؟''

''ملزم کی ساس امینہ بیگم نے ہمیں بتایا کہ ملزم جہاں کام کرتا ہے وہ دکان رات نو بجے بند ہو جاتی ہے۔'' آئی او میرے سوال کے جواب میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''عموماً وہ ساڑھے نو بجے تک گھر پہنچ جایا کرتا تھا لیکن وقوعہ کے روز اسے کسی بندے سے ملنے رنچھوڑ لائن جانا تھا اس لیے دیر ہوگئی......''

''اللہ آپ کا بھلا کرے تفتیشی افسر صاحب۔'' میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ نے میرا کام خاصا آسان کر دیا ہے۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک اطمینان بخش سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ نے اس بات کا یقین کر لیا تھا کہ ملزم وقوعہ کی رات کسی شخص سے ملنے رنچھوڑ لائن گیا تھا؟''

''بالکل نہیں جناب۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ ''مقتول فیصل کی موت رات نو اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ اگر ملزم دکان سے چھٹی کر کے رنچھوڑ لائن گیا تھا تو پھر وہ یونیورسٹی روڈ پر کیسے پہنچ گیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں......!''

وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ ''مجھے یقین ہے کہ ملزم نے جائے وقوعہ سے اپنی عدم موجودی ثابت کرنے کے لیے یہ رنچھوڑ لائن والی کہانی گھڑی ہے۔''

''ہاں......اس بات کے امکانات تو ہیں!'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''جی......؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

میں نے جو کچھ بھی کہا تھا، وہ استغاثہ کی حمایت اور میرے موکل کی مخالفت میں جاتا تھا اسی لیے انکوائری آفیسر کو میری بات کا یقین نہیں آیا تھا لیکن یہ سب کچھ میں نے ایک خاص مقصد کے تحت کہا تھا اور اسی مقصد کو واضح کرنے کے لیے میں نے اضافہ کیا۔

''جی آئی او صاحب......انسان خطا کا پتلا ہے۔ اس سے کسی بھی مرحلے پر کوئی غلطی سرزد ہو سکتی ہے، جس کی پردہ پوشی کے لیے وہ دروغ گوئی اور بہانے بازی سے کام لے سکتا ہے۔''

''تو اس کا مطلب ہے، آپ میری بات سے اتفاق کرتے ہیں؟'' وہ خوش ہو کر بولا۔

''کون سی بات؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ جلدی سے بولا۔ ''یہی کہ......ملزم نے دروغ گوئی اور بہانے بازی سے کام لیا تھا؟''

''بالکل نہیں......!'' میں نے قطعیت سے کہا۔ ''میں نے انسانی فطرت کی روشنی میں ایک امکان ظاہر کیا ہے۔ میں اس سلسلے میں پُر یقین ہوں کہ میرے موکل نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا......البتہ، آپ سے مجھے ایک شکایت ہے آئی او صاحب!''

''کیسی شکایت؟'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے گمبھیر انداز میں پوچھا۔ ''کیا آپ نے ملزم کے بیان کی تصدیق کرنے کی زحمت گوارا کی تھی......؟'' میں نے ڈرامائی انداز میں وقفہ کیا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''آپ کو اصولی اور قانونی طور پر فوراً اس شخص سے رابطہ کر کے ملزم کے بیان کی تصدیق کرنا چاہیے تھی جس سے ملنے کے لیے وقوعہ کی رات ملزم رنچھوڑ لائن گیا تھا لیکن افسوس کہ......آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا!''

وہ کن انکھیوں سے جج کی طرف دیکھنے لگا۔

میں نے بہ آواز بلند کہا۔ ''زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آئی او صاحب۔ آپ کے ادھورے کام کو میں تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں مذکورہ شخص صفدر علی کو گواہی کے لیے عدالت میں ضرور لاؤں گا......!''

میرے اس ارادے پر جواباً اس نے کوئی تبصرہ یا خیال آرائی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے روئے سخن جج کی سمت گھماتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا۔

''یور آنر! استغاثہ تو آلۂ قتل برآمد کر سکا ہے اور نہ ہی چھینے ہوئے پچیس ہزار روپے کا کوئی اتا پتا ہے لہٰذا مجھے انکوائری آفیسر سے اور کچھ نہیں پوچھنا۔ دیٹس آل یور آنر!''

اس کے بعد استغاثہ کے گواہوں کے بیانات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس پیشی پر دو گواہ بھگتائے گئے۔ نمبر ایک رفیق احمد، نمبر دو فرید خان۔ رفیق کا تعلق اسی علاقے سے تھا جہاں حافظ اپارٹمنٹس واقع تھے۔ رفیق کے بیان کے مطابق ملزم عمران مقتول فیصل کے خلاف باتیں کرتا رہتا تھا اور ان دونوں ہم زلف افراد کے خطرناک جھگڑے کے بعد تو عمران کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا تھا کہ وہ فیصل کو چھوڑے گا نہیں۔ اگر اس نے اپنی بے عزتی کا بدلہ نہ لیا تو اس کا نام بھی عمران نہیں۔

قارئین! آپ یہ خوب سمجھ رہے ہوں گے کہ استغاثہ کی جانب سے رفیق کو گواہی کے لیے پیش کرنے کا مقصد کیا تھا۔ استغاثہ معزز عدالت کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ ملزم، مقتول کے لیے اپنے دل میں شدید ترین نفرت رکھتا تھا لہٰذا ملزم نے موقع نکال کر مقتول کا کام تمام کر دیا۔ میں استغاثہ کے ایسے ہتھکنڈوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔

فرید خان اس فرم کا مالک تھا جہاں مقتول کام کرتا تھا۔ فرید خان نے اپنی گواہی میں مقتول کو ایک محنتی، ایماندار اور ذمے دار شخص قرار دیتے ہوئے معزز عدالت کو بتایا تھا کہ مقتول کی انہی صفات کی بدولت اس نے اسے ریکوری کا کام سونپا تھا۔ یہ ایک بھروسے والی ذمے داری تھی۔ فرید خان نے بتایا کہ مقتول نے کبھی اس کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا تھا۔ فرید خان نے اس بات کی تصدیق بھی کی کہ اس روز مقتول کے پاس لگ بھگ پچیس ہزار کی رقم موجود تھی جو اس نے مختلف پارٹیوں سے کلیکٹ کی تھی۔ مقتول کو واپسی میں چونکہ خاصی دیر ہو گئی تھی لہٰذا اسی نے مقتول کو مشورہ دیا تھا کہ جمع شدہ رقم وہ اپنے ساتھ گھر لے جائے اور اگلے روز صبح دکان پر آ کر اس کے حوالے کر دے۔ فرید خان کو اس بات کا بھی اطمینان تھا کہ مقتول اکیلا نہیں۔ اس کے ساتھ دوسرا ملازم اسلم بھی تھا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب کا ہے اور جمعہ کے روز فرید خان کا کاروبار نماز جمعہ کے بعد بند ہو جاتا تھا اسی لیے اس نے مقتول کو وہ بھاری رقم اپنے ساتھ گھر لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

میں نے استغاثہ کے ان دونوں گواہوں پر سرسری سی جرح کی۔ میری نظر میں ان کی اور ان کے بیانات کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ اسی کارروائی کے دوران عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔

جج نے دس دن بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

آئندہ پیشی پر کسی گواہ کو کٹہرے میں لانے سے پہلے وکیل استغاثہ نے جج سے فرمائش کی کہ وہ اس کیس کے ملزم عمران سے چند سوالات کرنا چاہتا ہے۔ جج نے اس کی یہ فرمائش فوراً پوری کر دی۔

وکیل استغاثہ بہ آہستگی ایکیوزڈ باکس کے قریب چلا گیا پھر اس نے ملزم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرح کا سلسلہ شروع کیا۔

''کیا یہ درست ہے کہ تم مقتول کو پسند نہیں کرتے تھے؟''

''ہاں، یہ بات بڑی حد تک درست ہے۔'' ملزم نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ''اس کی بعض ایسی عادتیں تھیں جو مجھے سخت ناپسند تھیں۔''

''حالات و واقعات کی روشنی میں بڑا واضح نظر آتا ہے کہ تمہارے اور مقتول کے باہمی اختلافات کی عمر کچھ زیادہ نہیں۔'' وکیل استغاثہ نے ایک خاص انداز میں پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری شادی کو کم و بیش ایک سال ہوا ہے۔ اس سے پہلے تم مقتول کو جانتے تک نہیں تھے جبکہ مقتول پچھلے تین سال سے اس گھر کا داماد تھا جس کے داماد تم بعد میں بنے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''نہیں جناب...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ملزم نے جواب دیا۔

''انہی حالات و واقعات کی روشنی میں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ ابتدا میں تمہارے اور مقتول کے مابین کوئی ناپسندیدگی یا لڑائی جھگڑا نہیں تھا۔'' وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن جب سے مقتول نے اپنی سسرال میں رہائش اختیار کی تھی، تمہیں اس کے اندر عیب نظر آنے لگے تھے؟''

''کسی شے کو قریب سے دیکھنے پر ہی تو اس کی خوبیوں اور خامیوں کا پتا چلتا ہے وکیل صاحب!'' ملزم نے بڑے سادہ اور پُرمعنی انداز میں کہا۔

''تو تمہیں مقتول کے اندر ایسی کیا خرابی نظر آئی تھی کہ تم نے اس کی جان لے لی؟''

''میں نے کسی کی جان نہیں لی......!'' ملزم نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''اور جہاں تک مقتول کی کسی خامی یا خرابی کا تعلق ہے تو وہ خالصتاً فیملی میٹر ہے۔ میں اس معاملے کو یہاں زیر بحث

نہیں لانا چاہتا۔''

''فیملی میٹر کے الفاظ استعمال کر کے تم سچویشن سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔''

وکیل استغاثہ نے جارحانہ انداز میں کہا۔''صاف الفاظ میں یہ اقرار کیوں نہیں کرتے کہ مقتول کی آمد کے بعد تمہیں اپنے منصوبے کی ناکامیابی کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا، جب ہی تم نے پہلے مقتول کے ساتھ دنگا فساد کیا اور اس لڑائی میں دانستہ پٹے تاکہ لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹ سکو......اور ایسا ہوا بھی۔'' وہ لمحے بھر کے لیے تھما، ایک گہری سانس خارج کی اور بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔''جب تم نے اپنے منصوبے کے پہلے حصے میں کامیابی حاصل کر لی تو پھر وقوعہ کی رات، ادھر یونیورسٹی روڈ پر......''

وہ معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ ملزم پوچھے بنا نہ رہ سکا۔''آپ میرے کون سے منصوبے کا ذکر کر رہے ہیں؟''

''سسرال کی جائداد وغیرہ پر قبضہ کرنے کا منصوبہ......!'' وکیل استغاثہ انکشاف انگیز انداز میں بولا۔

''جی......'' ملزم حیرت بھری نظر سے اسے دیکھنے لگا۔''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میں یہ حقیقت سامنے لانے کی کوشش کر رہا ہوں......'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔''تم شادی کے فوراً بعد اپنی سسرال میں رہائش پذیر ہو گئے تھے بلکہ اگر تمہارے لیے ''گھر جمائی'' کے الفاظ استعمال کیے جائیں تو زیادہ مناسب ہوگا!'' وکیل استغاثہ نے لمحاتی توقف کر کے تمسخرانہ نظر سے ملزم کی طرف دیکھا پھر اس تفصیل کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''تم بہت ہی چالاک اور کائیاں شخص ہو۔ چند روز ہی میں تمہیں اندازہ ہو گیا کہ امینہ بیگم کی جان رابعہ کے اندر ہے۔ تم نے رابعہ کا بھرپور خیال رکھنے کے ساتھ ہی اپنی خوبصورت اداکاری کے بل پر امینہ بیگم کو بھی اپنی مٹھی میں لے لیا۔ وہ ہر طرف تمہارے ہی گن گاتی تھی۔ اپنے چھوٹے داماد کی تعریف کرتے ہوئے اس کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ ایک دو ماہ کے اندر ہی تم نے امینہ کے دل و دماغ پر ایک جادو سا کر دیا۔ وہ یہی سمجھتی تھی کہ تم واقعتاً دنیا کے عظیم ترین شوہر اور بے مثال داماد ہو۔ وہ تمہارے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہوتی تھی۔ تم نے اسے ویسا ہی بنا دیا تھا جیسا کہ تم چاہتے تھے......'' وہ ایک مرتبہ پھر متوقف ہوا۔ بڑی گہری نظر سے ملزم کی آنکھوں میں دیکھا اور اپنی بات کو

مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اگلے مرحلے پر تمہیں اپنے منصوبے کو فائنل ٹچ دینا تھا۔ تم جانتے تھے کہ امینہ بیگم پچاس کا ہندسہ عبور کر چکی ہے۔ تمہیں چند سال اسی طرح اداکاری کرتے ہوئے گزارنا تھے اور اس دوران میں......میرا خیال ہے، تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو......فیصل کی آمد نے تمہارا منصوبہ کھٹائی میں ڈال دیا تھا۔ تمہیں اندازہ تھا کہ اگر فیصل کچھ عرصہ اور وہاں رک گیا تو پھر تمہارے لیے امینہ بیگم کے مال و جائداد کو ہڑپ کرنا آسان نہیں ہوگا جب ہی تم نے اس کے خلاف محاذ بنایا اور اپنی کوششوں کے نتیجے میں بالآخر اسے سسرال سے نکال کر ہی رہے۔''

''یہ بالکل غلط ہے۔'' ملزم نے احتجاجی لہجے میں کہا۔''میں نے کبھی ایسے منفی انداز میں سوچا بھی نہیں تھا۔ پتا نہیں، یہ فلسفہ آپ کہاں سے لائے ہیں؟''

اس موقع پر میں نے اپنے موکل کی حمایت بے حد ضروری جانی اور بہ آواز بلند کہا۔

''آبجیکشن یور آنر......!''

جج نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا۔ مطلب یہی تھا کہ میں اپنے اعتراض کی وضاحت کروں۔ میں وکیل استغاثہ کی جانب متوجہ ہو گیا اور سنسناتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''میرے فاضل دوست! کیا آپ نیتوں کا احوال جاننے کے دعویدار ہیں یا آپ کو ٹیلی پیتھی آتی ہے؟''

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟''

''میں نے جو کچھ بھی آپ سے پوچھا، اس میں کہیں الفاظ یا معانی کا کوئی گھماؤ پھراؤ نہیں ہے۔'' میں نے چوٹ کرنے والے انداز میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔''آپ نے ملزم کے گھناؤنے منصوبے کا جو نقشہ معزز عدالت کے سامنے کھینچا ہے اس سے دو ہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ یا تو انسان کی نیت کا احوال جانتے ہیں یا پھر ٹیلی پیتھی کی صلاحیت کے بل بوتے پر آپ نے ملزم کا دماغ پڑھ لیا تھا اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر......'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر اپنی لگائی ہوئی چوٹ کو مزید گہرا کرتے ہوئے کہا۔''تو پھر آپ کو اپنے دعوے کی سچائی ثابت کرنے کے لیے معزز عدالت کو وہ ٹھوس ثبوت فراہم کرنا ہوں گے جن سے، آپ کے بیان کردہ ملزم کے منصوبے کی واقعاتی تصدیق ہوتی ہو......؟''

وکیل استغاثہ کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ وہ جلدی سے سنبھالا لیتے ہوئے بولا۔ ''ضرورت پڑنے پر ایسے ثبوت عدالت میں پیش کر دیے جائیں گے۔''

اس نے میرے سوال کا جواب تو دے دیا تھا لیکن الفاظ کا کھوکھلا پن صاف جھلک رہا تھا۔ میرے اس حملے کے بعد اس نے چند سرسری اور بے معنی سوالات کر کے ملزم کو فارغ کر دیا۔

لگے ہاتھوں میں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور جج کی اجازت حاصل کر کے ملزم والے کٹہرے کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہا۔

''تھوڑی دیر پہلے تم نے وکیل استغاثہ کے سوالات کے جواب میں، مقتول سے اپنی نفرت کا سبب فیملی میٹر بیان کیا ہے۔ میرے فاضل دوست نے اس ''فیملی میٹر'' کی تفصیل میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن میں اس اہم حقیقت کو معزز عدالت کے ریکارڈ پر لانا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ تمہاری پوزیشن واضح ہو سکے۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی اور اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ معاملہ اس لیے بھی زیر بحث آنا ضروری ہے کہ وقوعہ سے چند روز قبل تمہارے اور مقتول کے بیچ جو دنگا فساد ہوا تھا اس کا پس منظر واضح ہو سکے کیونکہ......وکیل استغاثہ کا یہ خیال ہے کہ وہ لڑائی جھگڑا تم نے محض لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے کیا تھا تاکہ تمہیں اپنے منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل کرنے میں آسانی رہے۔ میں چونکہ وکیل استغاثہ کی اس تھیوری سے متفق نہیں ہوں اس لیے بھی حقائق عدالت کے سامنے لانا ضروری ہے۔ تمہیں اس سلسلے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟''

ملزم کے جواب دینے سے پہلے جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ کوئی ایسا معاملہ ہے بیگ صاحب کہ جس پر ملزم اعتراض کر سکے؟''

''جی ہاں، جناب عالی!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ملزم نے اس معاملے کو ''فیملی میٹر'' کا نام دیا ہے لہٰذا اس کی اجازت لینا ضروری ہے۔''

جج نے کٹہرے میں کھڑے اس کیس کے ملزم اور میرے موکل سے پوچھا۔ ''تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''مجھے بیگ صاحب کے کسی سوال پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

''بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ۔'' جج نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

میں دوبارہ ملزم عمران کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا یہ درست ہے کہ مقتول نظر کا کوئی اچھا آدمی نہیں تھا؟''

''میں نے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ مرنے والے کی برائی نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''جب ہی میں نے اس سلسلے میں وکیل سرکار کے سوال کا بڑا گول مول جواب دیا تھا، یعنی اس معاملے کو ''فیملی میٹر'' کا نام دے کر جان چھڑائی تھی۔'' اس نے چند لمحات کے لیے توقف کیا پھر ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

''خدا گواہ ہے کہ مجھے ذاتی طور پر مقتول سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ وہ جب اپنی فیملی کے ساتھ امینہ بیگم کے گھر رہنے آیا تھا تو میں نے اس کی حمایت کی تھی حالانکہ امینہ بیگم اسے اپنے ہاں ٹھہرانے کو تیار نہیں تھی۔ مجھے بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ مقتول واقعی نظر کا اچھا نہیں تھا۔ اس کی نازیبا حرکتوں کی بنا پر ہی میرے دل میں اس کے لیے نفرت پیدا ہوئی تھی۔''

''مثلاً......کس قسم کی نازیبا حرکتیں؟'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''عدالت پر واضح ہو جانا چاہیے کہ تم مقتول سے نفرت کرنے پر کیوں مجبور ہوئے......آخر اس کی نیت اور نگاہ میں ایسی کون سی ٹیڑھ تھی جس نے تمہیں بے حد دل برداشتہ کر دیا تھا؟''

جواب دینے سے پہلے اس نے باری باری انکوائری آفیسر، وکیل استغاثہ اور جج کی جانب دیکھا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مقتول فیصل میری بیوی رابعہ کے لیے اپنے دل میں ہوس بھرے جذبات رکھتا تھا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے رابعہ کو بھوکی نگاہ سے دیکھا کرتا۔ آ۔ پ جانتے ہیں، ایسے معاملات میں عورتوں کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ وہ اپنی طرف اٹھنے والی نگاہ کی فطرت اور مزاج کو فوراً سے پیشتر بھانپ لیتی ہیں چنانچہ رابعہ کو بھی یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ فیصل اس کے لیے کس قسم کے خیالات رکھتا تھا۔ اس نے مجھ سے ذکر کیا اور پھر ہم دونوں نے اس گمبھیر معاملے کو امینہ بیگم کے سامنے رکھ دیا......!''

وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا تو میں نے فوراً پوچھ لیا۔ ''پھر امینہ بیگم نے اس سلسلے میں

کیا کہا؟

''انہوں نے بڑی توجہ سے ہمارا مسئلہ سنا۔'' عمران نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

''چند لمحات کے لیے سوچ میں پڑ گئیں پھر بڑے تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولیں، آپ لوگ خاموش رہو۔ میں دو چار دن نہایت ہوشیاری سے فیصل کی حرکات وسکنات کا جائزہ لوں گی۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔''

''پھر امینہ بیگم کی جانب سے کیا فیصلہ آیا تھا؟'' میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

''انہوں نے ہماری حمایت کرتے ہوئے اس امر کی تصدیق کی تھی کہ فیصل کے ارادے واقعی خطرناک ہیں پھر انہوں نے اس سلسلے میں فیصل کی بیوی ماریا سے بھی بات کی اور آخری مرحلے میں براہ راست، ہم سب فیصل کو لے کر بیٹھ گئے......''

''فیصل کو لے کر بیٹھنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''سیدھا سیدھا یہ ذمے داری مقتول کی بیوی ماریا کو سونپ دی جاتی کہ وہ اپنے شوہر کا چال چلن درست کرے۔ اللہ اللہ، خیر سلا!''

میں اس ایشو کی تمام تر تفصیلات سے واقف تھا، اس سلسلے میں میری رابعہ، ماریا اور امینہ بیگم سے کھل کر بات ہو چکی تھی اور انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ضرورت محسوس ہوئی تو وہ گواہی کے لیے عدالت میں آنے کو بھی تیار ہیں۔ میں اس وقت انجان بن کر ملزم سے جو سوال و جواب کر رہا تھا وہ عدالت کے ماحول کا حصہ تھا۔ اگر کسی واقعے کو ایک خاص انداز میں معزز عدالت کے سامنے پیش کیا جائے تو اس کے تاثر اور وزن میں نمایاں فرق پڑتا ہے۔ ملزم نے میرے اٹھائے ہوئے نکتے کے جواب میں بتایا۔

''ہم نے پہلے اسی فارمولے پر عمل کیا تھا۔ جب ماریا نے اس سلسلے میں فیصل سے بات کی تو وہ اپنی اصلاح کے بجائے فوراً بھڑک اٹھا۔ اس نے اس حقیقت کو سراسر الزام قرار دیتے ہوئے ایک ہنگامہ کر دیا۔ تین چار روز تک ہمارے گھر میں کچہری چلتی رہی۔ آس پڑوس والوں نے بھی اس فتنے کا شور شرابا سنا، سوال بھی اٹھائے گئے اور پھر......'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے تھما پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''پھر یہ ہنگامہ آئے روز بڑھتا چلا گیا اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ بلڈنگ کے باہر

ہمارے درمیان خوب مارا ماری ہوئی۔ اس واقعے نے امینہ بیگم کو بے حد پریشان کر دیا اور انہوں نے پہلی فرصت میں فیصل کے وہاں سے چلے جانے کے احکامات صادر کر دیے...... پھر وہ اپنی فیملی کو لے کر گلستان جوہر میں شفٹ ہو گیا۔'' وہ ایک مرتبہ پھر متوقف ہوا اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اس دن کے بعد سے اپنی گرفتاری تک، مجھے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں رہا اور کیا کرتا رہا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔''

جج نے روئے سخن میری جانب موڑتے ہوئے پوچھا۔ ''بیگ صاحب! کیا آپ امینہ بیگم اور ملزم کی بیوی رابعہ کو اس سلسلے میں گواہی کے لیے عدالت میں پیش کر سکتے ہیں؟''

''جب حکم ہو جناب!'' میں نے فرماں برداری سے کہا۔ ''استغاثہ نے میرے موکل کو مقتول کا قاتل ثابت کرنے کے لیے اس جھگڑے کو بنیاد بنایا ہے۔ میں اس فساد کی حقیقت کو آشکار کرنے کے لیے امینہ بیگم، رابعہ اور ماریا کو عدالت میں لا سکتا ہوں اور...... ان کے علاوہ صفدر علی و حفیظ اللہ کو بھی......!''

میں نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو جج نے مجھ سے پوچھا۔ ''یہ صفدر علی اور حفیظ اللہ کون ہیں؟''

''یہ دونوں شریف النفس انسان ہیں اور پیشے کے اعتبار سے ٹیکسی ڈرائیور ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ان کی رہائش رنچھوڑ لائن کے علاقے میں ہے۔''

''اور آپ انہیں کس سلسلے میں یہاں لانا چاہتے ہیں؟'' جج نے خاصے چونکتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ دونوں اس بات کی گواہی دیں گے کہ وقوعہ کے روز ملزم ان اوقات کے دوران میں ان کے ساتھ موجود تھا، جو مقتول کی موت کا ممکنہ وقت بتایا گیا ہے یعنی...... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب نو اور دس بجے کے درمیان۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''صفدر اور حفیظ کی گواہی میرے موکل کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے کافی ہوگی جناب عالی!''

"اوہ......" جج نے ایک پُرمعنی سانس خارج کرنے کے بعد کہا۔ "پھر تو ان دونوں افراد کو جلد از جلد عدالت میں پیش کیا جائے تا کہ یہ کیس کسی کنارے لگ سکے۔"

"میں انشاء اللہ آئندہ پیشی پر انہیں عدالت میں پیش کر دوں گا۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا پھر طنزیہ انداز میں وکیل مخالف کی طرف دیکھنے لگا۔

ان لمحات میں وہ مجھے بڑی الجھن میں گرفتار دکھائی دیا۔ صفدر علی اور حفیظ اللہ کے تذکرے نے اسے پریشانی میں ڈال دیا تھا۔ ظاہر ہے، اگر صفدر اور حفیظ صفائی کے گواہوں کی حیثیت سے عدالت میں آ کر یہ بیان دے دیتے کہ میرا موکل وقوعہ کی رات نو اور دس بجے کے دوران میں جائے وقوعہ سے میلوں دور، رنچھوڑ لائن کے علاقے میں ان کے پاس تھا تو پھر کسی بھی صورت میں میرے موکل کو مجرم ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس صورت میں عمران کو باعزت بری کر دیا جاتا اور میں بھی اسی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

اسی لمحے جج کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "بیگ صاحب! آپ ملزم سے کوئی اور سوال کرنا چاہتے ہیں یا کارروائی کو ختم کر دیا جائے؟"

میں نے جلدی سے کہا۔ "بس، دو تین سوالات جناب عالی!"

میں جانتا تھا کہ عدالت کا مخصوص وقت ختم ہونے میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں جلدی سے اپنے موکل کی جانب متوجہ ہو گیا تا کہ صفائی کے گواہوں کے لیے راہ ہموار کی جا سکے۔ میں نے ملزم کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔

"تم جامع کلاتھ میں جس دکان پر کام کرتے ہو وہاں سے عموماً کتنے بجے چھٹی ہو جاتی ہے؟"

"رات نو بجے۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا وقوعہ کے روز بھی تم نے نو بجے ہی چھٹی کی تھی؟"

"جی ہاں!" اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"روزانہ چھٹی کے بعد تم سیدھے اپنے گھر جایا کرتے تھے۔" میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن واقعات و شواہد کے مطابق، وقوعہ کی رات تم لگ بھگ گیارہ بجے رات اپنے گھر میں داخل ہوئے تھے اور پھر رات ایک بجے کے قریب پولیس نے تمہیں اپنے

ہم زلف کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ تم معزز عدالت کو بتانے کے پابند ہو کہ رات نو بجے سے لے کر گیارہ بجے تک کا وقت تم نے کہاں گزارا......!"

"جیسا کہ میں نے اپنے بیان میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ چھٹی کے دن یعنی اتوار کو میں طارق روڈ جا کر بند دکانوں کے سامنے کپڑا فروخت کرتا ہوں۔" وہ نہایت ہی پُرسکون انداز میں بتانے لگا۔ "اس مقصد کے لیے میں نے مستقلاً ایک ٹیکسی والے کو لگا رکھا ہے جو رنچھوڑ لائن میں رہتا ہے۔ صفدر علی نامی یہ شخص اتوار کی صبح میرے گھر پہنچ جاتا ہے۔ ہم دونوں کپڑوں کے تھان ٹیکسی میں ڈال کر طارق روڈ پہنچ جاتے ہیں۔ صفدر مجھے وہاں پہنچانے کے بعد اپنے دھندے پر نکل جاتا ہے۔ شام میں وہ دوبارہ میرے پاس آتا ہے اور پھر ہم سارا مال ٹیکسی میں ڈال کر واپس آ جاتے ہیں۔ میں نے صفدر علی کے لیے اس کام کا مخصوص معاوضہ باندھ رکھا ہے اور کافی عرصے سے وہ اسی انداز میں میرے لیے اپنی ٹیکسی کی سروس دے رہا ہے۔" اتنا بیان کرنے کے بعد وہ چند لمحات کے لیے متوقف ہوا، پھر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"وقوعہ کے روز یعنی جمعہ کے دن صفدر نے مجھے فون کر کے بتایا کہ اسے ایمرجنسی میں اپنی ماں کو دیکھنے کے لیے گاؤں جانا ہے اور واپسی میں پندرہ دن یا ایک ماہ بھی لگ سکتا ہے۔ وہ ہری پور ہزارہ کا رہنے والا ہے۔ اس نے مجھے رات میں رنچھوڑ لائن بلایا تا کہ ایک دوسرے ٹیکسی والے حفیظ اللہ سے میری ملاقات کروا سکے۔ صفدر علی نے مجھے بتایا کہ اس نے حفیظ اللہ کو میرے کام کے سلسلے میں بتا دیا ہے چنانچہ وقوعہ کے روز میں دکان سے چھٹی کر کے سیدھا رنچھوڑ لائن کی طرف چلا گیا تھا۔ پہلے میں صفدر سے ملا۔ صفدر نے مجھے اپنے پٹھے یعنی ٹیکسی بھائی حفیظ اللہ سے ملوایا۔ ہمارے درمیان گپ شپ ہوتی رہی پھر میں حفیظ ہی کی ٹیکسی میں اپنے گھر آیا تھا تا کہ وہ میری بلڈنگ کی لوکیشن وغیرہ دیکھ لے۔"

"ہوں......!" میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور کہا۔ "اس کا مطلب ہے، تم رات نو، سوا نو بجے سے لے کر گیارہ بجے تک صفدر علی اور حفیظ اللہ کے ساتھ موجود تھے اور ایک لمحے کے لیے بھی یونیورسٹی کی طرف نہیں گئے؟"

"بالکل نہیں جناب!" وہ قطعیت سے بولا۔ "اور فیصل کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔ مجھے کسی سازش کے تحت اس معاملے میں گھسیٹا گیا ہے......!"

میں ایک جھٹکے سے جج کی طرف گھوما اور بہ آواز بلند کہا۔ ''جناب عالی! اپنی گرفتاری کے وقت اور بعدازاں بھی ملزم نے پولیس کو یہی بیان دیا تھا کہ وہ وقوعہ کے وقت صفدر اور حفیظ کے ساتھ رنچھوڑ لائن کے علاقے میں تھا لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ پولیس نے ملزم کے بیان کی تصدیق کے لیے صفدر اور حفیظ کو شامل تفتیش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ استغاثہ کی یہ بے خبری...... بلکہ کوتاہی سمجھ سے بالاتر ہے۔ ویٹس آل یور آنر!''

جج تھوڑی دیر تک، اپنے سامنے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کا جائزہ لیتا رہا پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ آئندہ پیشی پر صفدر اور حفیظ کو گواہی کے لیے عدالت میں لے آئیں......''

''اوکے یور آنر!'' میں نے گردن کو تھوڑا خم دیتے ہوئے کہا۔

پھر جج نے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''استغاثہ کے مزید کتنے گواہوں کے بیانات باقی ہیں؟''

''اس سلسلے میں صرف دو گواہ بچے ہیں جناب عالی!'' وکیل استغاثہ نے جواب دیا۔

''مقتول کا باپ کفیل احمد اور موقع کا گواہ اسلم۔''

''ٹھیک ہے، آپ اگلی پیشی پر ان دونوں افراد کی گواہی کو بھی یقینی بنائیں۔'' جج نے حتمی انداز میں کہا پھر وہ پیش کار کی جانب مڑتے ہوئے بولا۔

''آئندہ پیشی پر اس کیس کو سب سے پہلے لگایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت میں اسے کوئی حتمی شکل دی جاسکے۔''

''یس سر!'' پیش کار نے فرماں برداری سے کہا۔

اس کے ساتھ ہی، دس دن بعد کی تاریخ دے کر جج نے عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

✠ ✠ ✠

اس پیشی پر میں مکمل طور پر وکیل استغاثہ جزوی طور پر جج کی ہدایات پر عمل کرنے میں کامیابی حاصل کر سکے یعنی...... میں نے تو صفدر اور حفیظ کو گواہی کے لیے عدالت میں پیش کر دیا تھا

لیکن وکیل استغاثہ صرف کفیل احمد ہی کو عدالت کے کمرے تک لا سکا تھا۔ استغاثہ کے سب سے اہم گواہ اسلم کی طرف سے بیماری کا سرٹیفکیٹ آ گیا تھا۔

پہلے مقتول کے والد کفیل احمد کو گواہی کے لیے وٹنس باکس میں لایا گیا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا اور اپنا بیان ریکارڈ کروا دیا۔ اس کے بعد وکیل استغاثہ مختلف زاویوں سے سوالات کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہا کہ مقتول کی ساس کوئی اچھی اور معقول عورت نہیں تھی لہٰذا اس نے اپنی بیٹیوں کی بھی مناسب دیکھ بھال اور تربیت نہیں کی تھی۔ ماریا جب سے بیاہ کر کفیل احمد کی بہو بنی تھی، ان کا گھر ایک بہت بڑی مصیبت کی زد میں آ گیا تھا کیونکہ اندرون خانہ آئے روز لڑائی جھگڑے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس کی ساس اور نند سے تو بالکل نہیں بنتی تھی۔ علاوہ ازیں وہ کفیل احمد اور اپنے دیور کامران کو بھی کھری کھری سنا دیا کرتی تھی۔ اس نے اپنے شوہر فیصل کو پوری طرح مٹھی میں لے رکھا تھا اور اسے گھر والوں سے دور کرنے کی منصوبہ بندی میں لگی رہتی تھی۔ اس کوشش میں بالآخر ایک دن اسے کامیابی حاصل ہو گئی اور وہ فیصل کو اپنے ساتھ لے کر مائیکے چلی گئی۔ الغرض، کفیل احمد ماریا سے فیصل کی شادی کرا کے بے حد پچھتا رہا تھا۔

اس کے علاوہ وکیل استغاثہ نے گواہ پر جرح کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی کہ فیصل کا گھر چھوڑ کر جانا، امینہ بیگم کی سازش کا نتیجہ تھا لیکن وہ عورت نہیں جانتی تھی کہ اس نے گھر میں پہلے ہی ایک سانپ پال رکھا ہے جس نے سب کو ڈس کر ہر شے کو ہڑپ کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے لہٰذا اس سانپ یعنی ملزم عمران نے مضبوط پلاننگ کر کے پہلے مقتول کو اس گھر سے نکلوایا پھر اپنی راہ کا کانٹا سمجھتے ہوئے ہمیشہ کے لیے ہٹا دیا۔

میں نے اپنی باری پر استغاثہ کے گواہ کفیل احمد سے چند سوالات کیے۔ اس پر لمبی چوڑی جرح کا مطلب عدالت کا قیمتی وقت برباد کرنا تھا کیونکہ اس نے اپنے بیان میں اور وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں جو کچھ اگلا تھا وہ سراسر اس کے ذاتی احساسات اور جذبات تھے۔ ان معاملات کا میرے موکل کے قصوروار یا بے گناہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ فیصل کے گھر چھوڑ کر چلے جانے سے اس کے دل و دماغ میں جو غبار بھرا ہوا تھا، اس نے وہی نکالنے کی کوشش کی تھی لہٰذا میں نے بھی اسے دو چار سرسری سے سوالات کی مار مار کر ٹرخا دیا۔ میں نے معزز عدالت کے سامنے اسے ایک انتہائی نامعقول اور غیر ذمے دار باپ ثابت کر دیا تھا کیونکہ جب فیصل اپنا گھر چھوڑ کر امینہ بیگم

کے یہاں اٹھ آیا تھا تو کفیل کا فرض بنتا تھا کہ وہ امینہ بیگم سے مل کر اس قضیے کو نمٹانے کی کوشش کرتا حالانکہ امینہ بیگم نے اسے یہ اطلاع بھی پہنچائی تھی لیکن فیصل کے گھر والوں میں سے کسی نے پلٹ کر ادھر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب فیصل، امینہ بیگم کے گھر سے نکل کر گلستان جوہر میں شفٹ ہوا تو پھر بھی اس کے بہن بھائی اور ماں باپ کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ اس کے گھر میں جھانکنے چلے جاتے۔ میں نے بھری عدالت میں، طنزیہ سوالات کے تیر برسا کر بہ قول شخصے، کفیل احمد کو ڈیفالٹر ثابت کر دیا تھا۔ وہ وٹنس باکس سے نکلتے وقت ندامت بھری نظر سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ مقتول کا باپ ہونے کے ناتے جن لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے ہم دردی کے جذبات موجود تھے وہ بھی اب شاکی انداز میں اسے گھور رہے تھے۔

کفیل احمد کی گواہی کے بعد جج کی اجازت حاصل کر کے میں نے باری باری صفائی کے گواہان کو پیش کر دیا۔ پہلے صفدر علی اور بعد ازاں حفیظ اللہ نے بڑے اعتماد سے معزز عدالت کے روبرو اس بات کی تصدیق کی کہ وقوعہ کی رات ملزم نو بجے سے گیارہ بجے تک ان کے ساتھ تھا، یعنی، اس وقت کو اگر کلوز بھی کر دیا جاتا تو سوا نو بجے سے لے کر پونے گیارہ بجے کا وقت بنتا تھا جبکہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق، فیصل کی موت رات نو اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ گویا ان کی شہادت سے یہ ثابت ہو گیا کہ جب مقتول فیصل کو فائرنگ کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تو میرا موکل جائے واردات سے کئی کلومیٹر دور دو جیتے جاگتے معتبر کرداروں کے ساتھ موجود تھا۔ جائے وقوعہ سے عدم موجودی میرے موکل کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی لہٰذا جیسے ہی صفائی کے گواہان فارغ ہوئے، میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! اب اس امر میں کسی شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں کہ میرے موکل کو قتل کی اس واردات میں ملوث کرنا سراسر استغاثہ کی بدنیتی پر مبنی ہے۔ مجھے تو استغاثہ کی رپورٹ کے بعض حصوں پر حیرت ہوتی ہے کہ پولیس نے کس قسم کی کارکردگی دکھائی ہے مثلاً......!'' میں نے ڈرامائی توقف کر کے ایک اطمینان بھری سانس لی پھر ملزم کی ٹھوس حمایت جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''رات کو نو اور دس بجے کے درمیان، یونیورسٹی روڈ پر قتل کی ایک واردات ہوتی ہے۔ اس واردات کا ذمے دار ایک ایسے شخص کو قرار دیا جاتا ہے جو انہی لمحات میں جائے وقوعہ سے میلوں دور ہے۔ پھر حیران ہونے کی بات یہ بھی ہے کہ پولیس تفتیشی مدت کے دوران میں نہ تو آلہ قتل

برآمد کر پاتی ہے اور نہ ہی وہ رقم بازیاب ہوتی ہے جو قاتل، مقتول سے چھین کر لے گیا تھا۔ میں مذکورہ رقم کو افسانہ نہیں کہوں گا اور نہ ہی اسے رپورٹ کی بھرتی کے زمرے میں لاؤں گا۔ پچیس ہزار کی رقم تو بہرحال گئی ہے کیونکہ اس کی تصدیق استغاثہ کا گواہ اور اس رقم کا مالک فرید خان معزز عدالت کے سامنے کر چکا ہے...... بس یہ پتا نہیں چل سکا کہ رقم گئی کہاں ہے......؟''

میں نے ایک مرتبہ پھر توقف کیا، حاضرین عدالت پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی، وکیل استغاثہ کو نظر انداز کرنے والے انداز میں دیکھا اور دوبارہ جج کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ وقوعہ کی رات نو اور دس بجے کے درمیان یونیورسٹی روڈ پر قتل کی واردات تو ہوئی ہے اور اغلب امکان بھی یہی ہے کہ پچیس ہزار کی رقم قاتل اپنے ساتھ لے گیا ہے لیکن اس ڈکیت قاتل کو تاحال گرفتار نہیں کیا گیا۔ اس کی گرفتاری تو رہی ایک طرف، ابھی تک تو اسے تلاش کرنے کے بارے میں بھی نہیں سوچا لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ آج کے بعد استغاثہ اور پولیس مل کر اصل قاتل کی تلاش میں مصروف ہو جائیں گے کیونکہ...... میرا موکل تو بے گناہ ثابت ہو چکا۔ اسے اس کیس میں اب مزید نہیں گھسیٹا جا سکتا۔'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! معزز عدالت سے میری پُر زور اپیل ہے کہ میرے موکل اور اس کیس کے ملزم عمران کو باعزت بری کرنے کے احکامات صادر کیے جائیں...... مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اصل مجرم کون ہے لیکن بہرحال...... استغاثہ کو اس سے ضرور غرض ہونا چاہیے...... دیٹس آل یور آنر!''

جج نے پہلے تو خفگی آمیز نظر سے تفتیشی افسر کو دیکھا پھر وہ وکیل استغاثہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''وکیل صاحب! استغاثہ کا جو آخری گواہ باقی رہ گیا ہے، اسے ہر حال میں آئندہ پیشی پر عدالت کے کمرے میں موجود ہونا چاہیے تاکہ ڈیفنس کونسلر اپنی جرح سے اس کی زبان سے یہ اگلوا سکیں کہ وقوعہ پر اس نے کس شخص کو قتل اور ڈکیتی کی واردات کرتے دیکھا تھا۔ واقعات و حالات، شواہد اور صفائی کے گواہان سے تو یہی نظر آ رہا ہے کہ ملزم عمران اس سنگین واردات میں ملوث نہیں......'' پھر وہ دوبارہ انکوائری آفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''اس واردات کے اصل ذمے دار کو بہت جلد قانون کی تحویل میں ہونا چاہیے۔''

آئی او منہ سے کچھ نہیں بولا محض اثبات میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

✠ ✠ ✠

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں وہ شخص دکھائی نہیں دے رہا تھا جس کی دھلائی کے لیے میں خصوصی تیاری کر کے آیا تھا۔ میرا اشارہ استغاثہ کے سب سے اہم گواہ اسلم کی جانب ہے۔ اس کی غیر موجودی نے وکیل استغاثہ کے چہرے پر بھی پژمردگی طاری کر دی تھی۔

جج نے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''آپ کا گواہ نظر نہیں آ رہا وکیل صاحب؟''

''وہ آج بھی غیر حاضر ہے جناب عالی!'' وکیل استغاثہ نے مریل سی آواز میں جواب دیا۔

''اس غیر حاضری کا سبب کیا ہے؟''

''جناب عالی! اس کی بیماری نے سنگین صورت اختیار کر لی ہے۔'' وکیل استغاثہ لنگڑی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''پچھلے دو دن سے وہ ایک اسپتال میں داخل ہے۔''

بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ ''اس کا مطلب ہے، اس نے ہوا کا رخ دیکھ لیا ہے۔ یہ رخ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یا اس کے سرپرستوں نے دکھایا ہو...... اس سے کیا فرق پڑتا ہے!''

گواہ کے سرپرستوں سے میری مراد استغاثہ اور پولیس تھی۔ میرا اشارہ جج کے علاوہ وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر بھی بہ خوبی سمجھ گیا تھا جب ہی وہ دونوں ناپسندیدہ اور معاندانہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ جج وکیل استغاثہ سے کچھ کہتا، میں نے جلدی سے اسے مخاطب کر لیا۔

''جناب عالی! جیسا کہ معزز عدالت سب کچھ جان چکی ہے، حقائق اپنی تمام تر سچائی کے ساتھ منظر عام پر آ چکے ہیں۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس واردات سے میرے موکل کا کوئی تعلق واسطہ نہیں لہٰذا میں ایک مرتبہ پھر معزز عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ عدالتی

کارروائی کو مکمل کرنے کے لیے استغاثہ کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ اگلی پیشی پر ہر صورت اپنے آخری گواہ کو پیش کرے تاکہ میرے موکل کی باعزت بریت کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔''

جج خود بھی یہی چاہتا تھا کیونکہ اب کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں رہا تھا۔ یہ بات کھل گئی تھی کہ میرا موکل بے گناہ ہے۔ حالات و واقعات کی روشنی میں جج نے سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے وکیل استغاثہ کو ہدایت کی۔

''عدالت آئندہ پیشی کے لیے دو دن بعد کی تاریخ دے رہی ہے۔ اس پیشی پر یا تو استغاثہ کے گواہ کو عدالت میں پیش کیا جائے اور اگر وہ یہاں آنے کے قابل نہیں تو پھر اس ڈاکٹر کو یہاں آنے کی زحمت دی جائے جس کے وہ زیر علاج ہے تاکہ وکیل صفائی اس سے سوال جواب کر کے یہ جان سکیں کہ استغاثہ کے گواہ کو کون سا سنگین مرض لاحق ہے؟''

''مجھے اس تشخیص میں بہت لطف آئے گا جناب عالی!'' میں نے قدرے شوخ لہجے میں کہا۔ ''لیکن اس تشخیص سے پہلے ہی میں جان چکا ہوں کہ استغاثہ کے گواہ کو کون سے ڈاکٹر کے زیر علاج آنا چاہیے......!''

میں نے معنی خیز انداز میں جملہ نامکمل چھوڑا تو جج نے اضطراری اور پراز دلچسپ لہجے میں پوچھا۔ ''بیگ صاحب! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور نہایت ہی سنجیدگی سے کہا۔ ''استغاثہ کے گواہ...... بلکہ چشم دید گواہ کو روایتی ڈاکٹر اور روایتی اسپتال کی ضرورت نہیں۔ اگر انکوائری آفیسر صاحب ڈاکٹر کا رول ادا کرتے ہوئے اسے اپنے تھانے کے ٹرائل روم اسپتال میں ایڈمٹ کر کے خصوصی نوعیت کے انجکشن لگائیں اور کیپسول کھلائیں تو مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے کہ نہ صرف مریض بلکہ مرض کو بھی بڑی کامل شفا ملے گی۔''

جج نے میرے اس معنی خیز مشورے پر زیر لب مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی اور وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''وکیل صاحب! بہتر یہی ہوگا کہ آپ میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دو روز بعد گواہ یا اس کے معالج کو عدالت میں پیش کر دیں!''

وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے موکل کو باعزت بری کر دیا۔

استغاثہ کے ''بیمار'' گواہ اور اس کے ''خصوصی'' معالج کو عدالت میں پیش کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ انکوائری آفیسر صورت حال کی سنگینی اور اس کی سنگینی میں اپنی نازک پوزیشن کو اچھی طرح بھانپ گیا تھا لہٰذا اس نے اپنی جان بچانے کے لیے اسی شام استغاثہ کے ''معزز گواہ'' اسلم کو اسپتال سے تھانے میں ''شفٹ'' کر کے اس کا شافی ''علاج'' شروع کر دیا لہٰذا اس معالجے کی ''تاب'' نہ لاتے ہوئے اسلم نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔

اسلم چونکہ فیصل کے ساتھ ہی کام کرتا تھا لہٰذا وہ اس کے گھریلو حالات سے بھی اچھی طرح واقف تھا پھر جب وہ عمران سے سنگین جھگڑے کے بعد گلستان جوہر منتقل ہوا تو اسلم کے شیطانی ذہن میں ایک خطرناک منصوبے نے سر اٹھایا۔ یہ بات اس کے علم میں تھی کہ فیصل ریکوری کا کام کرتا ہے لہٰذا اس کے پاس اچھی خاصی رقم موجود رہتی ہے۔ اندر کے شیطان نے اسے ایک ایسا سنگین قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا جس کے نتیجے میں فیصل کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ جب اسلم نے فیصل کے قتل اور رقم کے خرد برد کا اقرار کر لیا تو میرے موکل کی بے گناہی کو سند مل گئی پھر عدالت کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اس کی باعزت بریت کے احکام صادر کر دے۔

عمران کی بریت کی جتنی خوشی رابعہ کو تھی اتنی ہی ماریا کو بھی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ فیصل، ایک شیطانی منصوبے کی بھینٹ چڑھ کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا لیکن اگر فیصل کے قتل کے الزام میں عمران کو عدالت سے سزا ہو جاتی تو امینہ بیگم کا خاندان اجڑ کر رہ جاتا۔

قدرت کو اس چمن کی شادابی اور خوبصورتی مقصود تھی لہٰذا عدالت میں عمران کی بے گناہی ثابت ہو گئی۔ شاید ایسے ہی معاملات کے لیے کہا جاتا ہے......

جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے!

مصیبت کا مارا

میں ایک عدالت سے نکل کر دوسری کی طرف جا رہا تھا کہ ایک شناسا چہرے کو دیکھ کر رکنا پڑا۔ قربان شاہ نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور میری جانب ہی بڑھ رہا تھا۔ اس وقت وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ہمراہ ایک برقع پوش عورت بھی تھی۔

قریب آنے پر ہم نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ قربان شاہ نے مجھ سے بڑا گرم جوش مصافحہ کیا تھا جبکہ مذکورہ برقع پوش عورت نے سر کی اثباتی جنبش پر ہی اکتفا کیا تھا۔ میں نے قربان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اور شاہ جی...... کیا حال چال ہے، آج عدالت میں...... خیریت تو ہے نا؟''

بات ختم کرتے ہی میں نے برقع پوش خاتون کا سرتاپا تنقیدی جائزہ لیا۔ قربان شاہ میرے سوال کے جواب میں بولا۔

''بیگ صاحب! میں کافی دیر سے آپ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے، آپ نظر آ گئے......!''

''خیریت تو ہے نا......؟'' میں نے ایک مرتبہ پھر مذکورہ خاتون پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد قربان شاہ سے پوچھا۔

''خیریت نہیں ہے جناب......!'' وہ اپنی ہمراہی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''لیکن اس وقت آپ بڑی جلدی میں نظر آ رہے ہیں، یہاں کھڑے کھڑے تفصیلی بات نہیں ہو سکے گی۔''

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''شاہ جی! آپ کا اندازہ بالکل درست

ہے، میں واقعی بہت جلدی میں ہوں۔'' پھر میں نے برقع پوش خاتون کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''غالباً آپ اس بی بی کا کوئی مسئلہ لے کر میرے پاس آئے ہیں؟''

''جی......جی ہاں۔'' قربان شاہ نے جلدی سے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''اس بے چاری، دکھ کی ماری کا نام آمنہ ہے......!''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے ایک مرتبہ پھر رسٹ واچ کا جائزہ لیا اور قربان شاہ سے پوچھا۔ ''آپ نے یقیناً میرا دفتر تو دیکھ رکھا ہے؟''

''جی بیگ صاحب! میں وہاں کئی بار آپ سے ملنے آ چکا ہوں۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''وہ یہاں قریب ہی تو ہے۔''

''بس......تو پھر آپ گھنٹے، ڈیڑھ گھنٹے کے بعد میرے دفتر آ جائیں۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''میں بھی ایک آدھ ضروری کام نمٹانے کے بعد دفتر پہنچ رہا ہوں۔''

وہ مجھے سلام کر کے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ میں تیز قدموں سے چلتے ہوئے متعلقہ عدالت کی جانب بڑھ گیا۔

✠ ✠ ✠

قربان شاہ سے میری شناسائی کو لگ بھگ آٹھ سال گزر گئے تھے۔ وہ ایک ہمہ گیر شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو بہ یک وقت کئی کاموں میں ٹانگ پھنسائے رکھتے ہیں۔ قربان شاہ بنیادی طور پر ایک ایسے محکمے میں ملازم تھا جہاں وہ اپنی مرضی اور سہولت سے جایا کرتا تھا البتہ اپنے اثر و رسوخ کے طفیل وہ پورے مہینے کی تنخواہ اٹھا لیا کرتا تھا۔ اس ''شاہی نوکری'' کے علاوہ وہ اسٹیٹ کے کاروبار میں بھی گھٹنے گھٹنے گھسا ہوا تھا۔ اس نے باقاعدہ کوئی اسٹیٹ ایجنسی نہیں بنا رکھی تھی بلکہ مختلف ایجنسیوں کے لیے وہ چلتے پھرتے ''بزنس'' لایا کرتا تھا اور پارٹیوں کو ملانے کے بعد اپنا کمیشن کھرا کر کے ایک طرف ہو جایا کرتا تھا۔

قربان شاہ کا پسندیدہ شوق سماجی سرگرمیاں تھیں۔ آج کی طرح چالیس سال پہلے ''این جی اوز'' وغیرہ کا اتنا عام رواج نہیں تھا لیکن بعض لوگ سماج سدھار کے نام پر اسی نوعیت کے کام تب بھی کرتے رہتے تھے۔ قربان شاہ کو آپ ایک سماجی کارکن بھی سمجھ سکتے ہیں۔

جب کا یہ واقعہ ہے، اس سے سال، دو سال پہلے قربان شاہ نے کونسلر کا الیکشن لڑا تھا اور شومئی قسمت کہ اس انتخاب میں اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی تاہم اس تجربے سے قربان شاہ نے ہمت نہیں ہاری تھی اور مسلسل اسی تگ و دو میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح ایک مرتبہ وہ کونسلر منتخب ہو جائے۔ اس کا خیال تھا، ایک مرتبہ وہ کونسلر بن گیا تو بہت سے فلاحی منصوبے جو ابھی تک صرف اس کے ذہن میں ہیں، انہیں عملی شکل دینا آسانی سے ممکن ہو جائے گا۔ اس کی یہ سوچ کچھ غلط بھی نہیں تھی!......جو لوگ پچھلے چالیس پچاس سال سے اورنگی کے علاقے میں رہ رہے ہیں وہ قربان شاہ کو اچھی طرح جانتے ہوں گے۔

میں جلدی سے اپنی مطلوبہ عدالت میں پہنچا تو وہاں کے حالات میری توقع کے عین مطابق تھے۔ یہ جائداد کے حوالے سے ایک کیس تھا۔ والد کے انتقال کے بعد چار بھائیوں کے بیچ ایک عظیم الشان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ چاروں اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے دکھائی دیتے تھے۔ اپنے اختتامی مراحل میں یہ کیس بری طرح الجھ گیا تھا اور کسی نہ کسی سبب بغیر کسی عدالتی کارروائی کے، جج کو اگلی تاریخ کا اعلان کرنا پڑتا تھا۔ میں آج کے لیے بھی ایسی ہی امید کر رہا تھا اور جب میں عدالت کے کمرے میں پہنچا تو ہوا بھی ایسا ہی۔ جس فریق کی آج عدالت میں موجودی ناگزیر تھی وہی غائب تھا۔ جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

آپ سے یہ میرا وعدہ ہے کہ آنے والے کسی ماہ میں آپ کو اس دلچسپ کیس کا قصہ ضرور سناؤں گا۔ اس کیس نے میرے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں......!

عدالتی بکھیڑوں سے فارغ ہونے کے بعد میں عموماً ایک مخصوص ریسٹورنٹ میں لنچ کے لیے جاتا تھا اور پھر وہاں سے اٹھ کر میں اپنے دفتر پہنچ جاتا تھا۔ بیشتر قارئین کو یہ بات معلوم ہے کہ میرا آفس سٹی کورٹ ہی کے علاقے میں، ایک کثیر المنزلہ عمارت میں ہے۔ مذکورہ عمارت میں زیادہ تر وکلا اور قانون سے متعلق لوگوں کے دفاتر ہیں۔ آپ اس بلڈنگ کو ایڈووکیٹس کی سپر مارکیٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔

✠ ✠ ✠

میں کھا پی کر اپنے دفتر پہنچا تو قربان شاہ، آمنہ کے ساتھ پہلے سے وہاں موجود تھا۔ میں

نے فوراً انہیں اپنے چیمبر میں بلالیا۔ رسمی علیک سلیک تو عدالت کے برآمدے میں ہو چکی تھی۔ میں نے براہ راست اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"فرمائیں شاہ جی...... ٹھنڈا چلے گا یا گرم؟"

"نہ ٹھنڈا اور نہ ہی گرم بیگ صاحب۔" وہ سادگی سے بولا۔ "بس، آپ میرے حق میں دعا کر دیں کہ اس بار میں الیکشن میں ضرور کامیاب ہو جاؤں۔"

"آپ کے حق میں یہ دعا تو میں آپ کے کہے بغیر بھی کرتا رہتا ہوں شاہ جی۔" میں نے معتدل انداز میں کہا۔ "لیکن آپ کو کچھ نہ کچھ تو لینا ہی پڑے گا......!"

"آپ یقین کریں، آپ کے دفتر میں قدم رکھنے سے پہلے ہم نے ایک ریسٹورنٹ میں لائٹ ریفریشمنٹ کیا ہے۔" وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "اب بالکل گنجائش نہیں ہے...... ورنہ میں کبھی انکار نہ کرتا۔"

"او کے...... آپ نے کہا اور میں نے آپ کی بات کا یقین کر لیا۔" میں نے سرسری انداز میں کہا، پھر آمنہ کی طرف دیکھتے ہوئے قربان شاہ سے استفسار کیا۔

"اس بی بی کا کیا مسئلہ ہے؟"

آمنہ نامی وہ عورت جب عدالت کے برآمدے میں مجھ سے ملی تھی تو وہ مکمل برقع کے اندر چھپی ہوئی تھی لیکن اب اس نے نقاب الٹ دیا تھا اور بڑی امید بھری نظر سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

قربان شاہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ "آمنہ کے شوہر ریاض کو پولیس نے پکڑ کر تھانے میں بند کر رکھا ہے اور یہ اسی کی رہائی کے سلسلے میں آپ سے ملنے آئی ہے......" وہ لمحے بھر کے لیے تھما پھر اپنے مخصوص انداز میں بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"یہ بے چاری کیا آئی ہے بلکہ میں اسے پکڑ کر آپ کے پاس لایا ہوں، اس کو تو یہ بھی پتا نہیں کہ اس قسم کے معاملات میں کسی قابل وکیل کی کیا اہمیت ہوتی ہے، آمنہ ادھر میرے ہی علاقے یعنی اورنگی میں رہتی ہے۔ میرے پاس فریاد لے کر پہنچی تھی، میں نے اس کی بپتا سنی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کا شوہر ریاض ایک سنگین نوعیت کے معاملے میں پھنس چکا ہے جس کو چھڑانے کے لیے کسی ماہر وکیل کو ہاتھ پاؤں مارنا ہوں گے سو...... میں آمنہ کو لے کر آپ کے پاس آ گیا ہوں، اب آپ جانیں اور آپ کا کام......!"

آمنہ نامی اس مصیبت زدہ عورت کی عمر لگ بھگ تیس سال رہی ہوگی۔ صحت اور ناک نقشہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا عموماً غریب گھرانوں کی عورتوں کا ہوتا ہے۔ شوہر کی گرفتاری نے اسے بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے ویرانی جھلکتی تھی۔ میں نے براہ راست اسے مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔

"آمنہ! پولیس نے تمہارے شوہر کو کب گرفتار کیا ہے؟"

"جی...... چار دن پہلے۔" وہ کمزور سی آواز میں بولی۔

"چار دن پہلے۔" میں نے اسی کے الفاظ کو دہراتے ہوئے ٹیبل کیلنڈر کی طرف دیکھا۔ آج سترہ اکتوبر کی تاریخ تھی۔ اس کا مطلب تھا، پولیس نے ریاض کو تیرہ اکتوبر کو گرفتار کیا تھا۔ "تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تیرہ اکتوبر جمعرات کو......؟"

"جی......!" اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "جمعرات کو...... شام میں۔"

"پولیس نے تمہارے شوہر کو کس چکر میں گرفتار کیا ہے۔" میں نے پوچھا۔ "میرا یہ مطلب ہے کہ ریاض پر کیا الزام عائد کیا گیا ہے؟"

آمنہ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے قربان شاہ کی طرف دیکھنے لگی اور اس دیکھنے میں امداد طلبی کے تاثرات نمایاں تھے چنانچہ قربان شاہ فوراً اس کی مدد کو لپکا۔

"میں آپ کو بتاتا ہوں بیگ صاحب!" اس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "آمنہ کا شوہر ریاض ایک ڈرائیور ہے اور وہ ایک مزدا (ویگن) چلاتا ہے۔ تیرہ اکتوبر کی دوپہر میں اس مزدا نے ایک موٹر سائیکل سوار کو بری طرح کچل ڈالا تھا۔ موٹر سائیکل کا تو جو حشر ہونا تھا سو ہوا لیکن اس ایکسیڈنٹ کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ موٹر سائیکل پر سوار نوجوان موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تھا۔ وہ ہیلمٹ کے بغیر موٹر سائیکل چلا رہا تھا، اس کی کھوپڑی سڑک سے ٹکرا کر اس بری طرح چٹخی کہ بھیجا اندر سے نکل کر سڑک پر پھیل گیا تھا......!"

"اس مزدا کو چونکہ ریاض چلا رہا تھا اس لیے نوجوان کے قتل کے الزام میں پولیس نے ریاض کو گرفتار کر لیا۔" قربان شاہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ "اگلے روز پولیس نے ریاض کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ حاصل کر لیا اور اب وہ پولیس کسٹڈی میں ہے......" میں نے لمحاتی توقف کر کے سانس کو ہموار کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے

استفسار کیا۔

"ہے نا یہی بات؟"

"آپ کا اندازہ کافی حد تک درست ہے بیگ صاحب!" قربان شاہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کافی حد تک؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا مطلب ہے آپ کا شاہ جی!"

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میں نے کافی حد تک" کے الفاظ اس لیے استعمال کیے ہیں کہ آپ کے قائم کردہ اندازے میں ایک بات درست نہیں!"

"کون سی بات؟" میری دلچسپی دوچند ہوگئی۔

"یہ کہ ایکسیڈنٹ کے وقت ریاض وہ مزدا چلا رہا تھا......!" قربان شاہ نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔

"کیا......؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ "اگر ریاض حادثے کے وقت وہ ویگن نہیں چلا رہا تھا تو پھر پولیس نے اسے نوجوان کی موت کا ذمے دار ٹھہراتے ہوئے گرفتار کیوں کیا؟"

"یہی تو اس کیس کا پیچ ہے بیگ صاحب!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "جسے کھول کر آپ نے آمنہ کے شوہر کو اس مصیبت سے نجات دلانا ہے۔"

"ہوں......" میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور گمبھیر لہجے میں کہا۔ "میں تو اس پیچ کو کھولنے کے لیے اسکریو ڈرائیور بعد میں اٹھاؤں گا...... پہلے آپ بیان کریں کہ اس کیس کے حوالے سے آپ کو کیا کچھ معلوم ہے......؟"

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور مجھے بتانے لگا......!

✠ ✠ ✠

قربان شاہ اور ملزم ریاض کی بیوی کی زبانی مجھے جو معلومات حاصل ہوئیں، میں یہاں پر ان کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں تا کہ آگے بڑھنے سے پہلے آپ اس کیس کے پس منظر سے اچھی طرح

واقف ہو جائیں اور عدالتی کارروائی کے دوران آپ کا ذہن کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔ ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ ان میں سے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو مجھے بعد میں مختلف ذرائع سے معلوم ہوئی تھیں۔ میں نے واقعات کے تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے انہیں بھی شامل کر لیا ہے۔ اسی طرح بعض غیر ضروری باتوں کو میں نے اس داستان سے حذف بھی کر دیا ہے تا کہ قارئین پر اضافی بوجھ نہ پڑے۔ علاوہ ازیں چند سنسنی خیز باتوں کا ذکر میں نے دانستہ گول کر دیا ہے۔ یہ کہانی کا تقاضا ہے، بعد ازاں عدالتی کارروائی کے دوران میں ان اہم نکات کو اٹھایا جائے گا۔

اس کیس کا ملزم ریاض ڈرائیور اپنی فیملی کے ساتھ اورنگی کے علاقے میں رہائش پذیر تھا۔ اس کی اور آمنہ کی صرف ایک ہی اولاد تھی...... چھ سالہ بیٹا، فیاض جو کلاس نو میں پڑھتا تھا۔ ڈرائیونگ ریاض کا پیشہ تھا اور ان دنوں وہ ایک ایسی مزدا (ویگن) چلا رہا تھا جو نارتھ کراچی سے ٹاور تک چلتی تھی۔ اس مزدا کا نمبر وغیرہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس روٹ پر ریاض کے ساتھ دوسرا ڈرائیور داؤد چلا کرتا تھا جس کی رہائش گرنالا کے قریب تھی۔ صبح پانچ بجے سے لے کر سہ پہر دو بجے تک ریاض کو ویگن چلانا ہوتی تھی اور سہ پہر دو بجے سے رات ایک ڈیڑھ بجے تک داؤد ویگن ڈرائیو کرتا تھا۔ اس کے بعد لگ بھگ چار گھنٹے مزدا کو ریسٹ دیا جاتا تھا۔ ڈرائیوروں کی طرح کنڈیکٹر وغیرہ کی بھی دو شفٹ تھیں جن کی ٹائمنگ ان کی سہولت کے مطابق سیٹ تھیں۔ ریاض کے ساتھ عموماً مصدق اور داؤد کے ساتھ امیر جان ہوا کرتا تھا۔ ان لوگوں میں ڈیوٹی کی تبدیلی بھی انہی کی سہولت سے طے تھی۔ ویگن کے مالک کو صرف اس بات سے غرض تھی کہ صبح پانچ بجے سے آدھی رات تک ویگن کو سڑک پر موجود رہ کر سواریاں ڈھونا ہے اور نوٹ جمع کرنا ہے۔ لگ بھگ چالیس سال پہلے آج کی طرح سڑکوں پر اتنا زیادہ رش نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہی مسافر بردار گاڑیوں اور ویگنوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھنے کو ملتی تھی۔ آج کل تو بعض روٹ کی ویگنیں پوری رات بھی سڑکوں پر رواں دواں رہتی ہیں۔

جن دنوں کا یہ واقعہ ہے، ریاض کی ڈیوٹی دن کی ہوا کرتی تھی۔ وہ صبح پانچ بجے ویگن کی سیٹ پر بیٹھتا اور سہ پہر دو بجے داؤد اس کی ڈیوٹی سنبھال لیا کرتا۔ ایک بات ذہن میں رہے کہ یہ "پانچ بجے اور دو بجے وغیرہ" کوئی بلٹ ٹرین والی ٹائمنگ نہیں ہیں بلکہ ان میں پندرہ بیس منٹ یا کبھی کبھی آدھے پونے گھنٹے کا فرق بھی آ جاتا تھا۔ وہ چاروں انڈر اسٹینڈنگ سے چلتے تھے اور ان

کے کام میں کبھی پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

وقوعہ کے روز یعنی تیرہ اکتوبر کی سہ پہر دو بجے، ریاض نے پیٹرول پمپ کے اسٹاپ پر مزدا داؤد کے حوالے کی اور ایک گاڑی میں بیٹھ کر اپنے گھر اورنگی کی جانب روانہ ہوگیا۔ داؤد کا گھر جیسا کہ میں نے اوپر بتایا ہے، گجر نالے کے قریب ہی تھا۔ وہ پیدل چلتے ہوئے پیٹرول پمپ کے اسٹاپ تک آجاتا اور عموماً وہ یہیں سے ریاض سے ویگن لے لیا کرتا تھا۔ ریاض نے گھر پہنچ کر کھانا کھایا اور تھوڑی دیر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گیا۔ یہ اس کا معمول تھا۔ وہ گھنٹا، ڈیڑھ گھنٹا آرام کرنے کے بعد اٹھتا۔ اپنے بیٹے سے تھوڑی گپ شپ لگاتا۔ اس کے بعد بیوی کا بتایا ہوا سودا سلف لینے اٹھ کھڑا ہوتا۔ ریاض کے زیادہ دوست نہیں تھے اور نہ ہی وہ دوستیاں پالنے کا عادی تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک سیدھا سادا انسان تھا۔ وہ رات کو جلد سو جانے کا بھی عادی تھا تاکہ صبح جلد اٹھ سکے اور ڈیوٹی کا آغاز کر سکے۔

تیرہ اکتوبر کو ریاض نے سودا سلف بیوی کے حوالے کرنے کے بعد کہا۔ ''آمنہ! ابھی سورج غروب ہونے میں کافی ٹائم ہے، مجھے بال کٹوانا ہیں۔ حجام کی دکان تک جا رہا ہوں، نمبر میں آتے ہوئے لے آیا تھا۔''

''ٹھیک ہے..... جاؤ۔'' آمنہ نے سرسری انداز میں کہا۔ ''تمہیں آ کر نہانا بھی ہوگا، جب تک میں کھانا بناتی ہوں۔''

ریاض گھر سے نکل کر حجام کی دکان کی جانب روانہ ہوگیا۔ ریاض کو گھر سے نکلے ابھی دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''پتا نہیں، کون ہے۔'' آمنہ نے بڑبڑاہٹ آمیز انداز میں کہا پھر اپنے بیٹے کو آواز دی۔ ''فیاض! دیکھو ذرا، باہر کون آیا ہے..... کتنی زور زور سے دروازہ بجا رہا ہے.....!''

وہ دستک واقعی اتنی تیز تھی کہ آمنہ کو عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ پھر دروازہ کھٹکھٹایا جا چکا تھا۔ وہ کام چھوڑ کر کچن سے باہر نکل آئی اور ایک مرتبہ پھر بیٹے کو آواز دی۔

''فیاض.....!''

فیاض گھر کے اندر موجود نہیں تھا ورنہ اب تک وہ لپک کر جاتا اور دروازہ کھول چکا ہوتا۔ وہ غالباً کھیلنے کودنے کے لیے ادھر ادھر نکل گیا تھا۔ جب تک آمنہ دروازے پر پہنچ کر اسے کھولتی،

ایک مرتبہ پھر بڑے وحشیانہ انداز میں دروازہ دھڑ دھڑایا جا چکا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ محسوس کر چکی تھی کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ کیا گڑبڑ.....؟ وہ اس تک نہیں پہنچ پائی تھی۔ دروازہ کھولا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ دو وردی پوش افراد دروازے کے باہر موجود تھے، ان کے عقب میں چند محلے والے بھی نظر آ رہے تھے۔

''پولیس.....!'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''ریاض ڈرائیور کو باہر بھیجو.....!'' ان دونوں میں سے نسبتاً سینئر پولیس والے نے درشت لہجے میں کہا۔

پولیس والوں کو بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر آمنہ خوف زدہ ہوگئی تھی۔ اس نے ڈری سہمی آواز میں پوچھا۔ ''ر..... ریاض سے آپ کو..... کیا کام ہے.....؟'' آج تک پولیس ان کے دروازے پر نہیں آئی تھی۔ اس صورت حال نے اس کا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔ اس کے لنگڑے استفسار پر پولیس والے نے پہلے سے بھی زیادہ سخت لہجے میں کہا۔

''کام اسی کو بتائیں گے..... تم اسے باہر بھیجتی ہو یا ہم اندر آئیں.....؟''

''ریاض اس وقت گھر میں نہیں ہے.....!'' آمنہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

دونوں پولیس والوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر سینئر جو کہ ایک سب انسپکٹر تھا، اس نے آمنہ سے پوچھا۔ ''تم اس کی کیا لگتی ہو.....؟''

وہاں موجود لوگوں میں سے ایک بول اٹھا۔ ''صاحب..... یہ آمنہ، ریاض کی بیوی ہے!''

''ہاں آمنہ.....؟'' سب انسپکٹر نے براہ راست آمنہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''تمہارا شوہر گھر میں نہیں تو کہاں ہے، کدھر گیا ہے؟''

''وہ بال کٹوانے نائی کی دکان تک گیا ہے۔'' آمنہ نے بتایا۔

''ہمیں چکر دینے کی کوشش تو نہیں کر رہی ہو.....؟'' سب انسپکٹر کے ساتھ کانسٹیبل نے گھور کر آمنہ کی طرف دیکھا۔

''میں چکر کیوں دوں گی۔'' آمنہ نے کمزور سی آواز میں کہا۔ ''اگر آپ لوگوں کو میری

بات کا یقین نہیں آ رہا تو گھر کی تلاشی لے لیں۔"

آمنہ کی پیشکش پر ایک مرتبہ پھر دونوں پولیس والوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا پھر سب انسپکٹر نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"اگر ضرورت پڑی تو گھر کے ایک ایک چپے کی تلاشی بھی لے لیں گے...... پہلے ذرا ہم اس بھگوڑے کو حجام کی دکان پر تو دیکھ لیں......!"

"بھگوڑے کو......!" آمنہ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ "ریاض نے ایسا کیا کر دیا ہے آخر......؟"

"اس نے قتل کیا ہے!" سب انسپکٹر نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "وہ ایک بندے کو مار کر بھاگا ہے۔"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" آمنہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "پتا نہیں، آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں، ریاض کسی کو کیوں قتل کرے گا۔"

سب انسپکٹر نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔ "اس نے ادھر بورڈ آفس کے قریب ایک موٹر سائیکل والے کو کچل ڈالا ہے، ایکسیڈنٹ کے بعد وہ اور اس کا کنڈیکٹر مسافروں سے بھری ویگن کو جائے وقوعہ پر چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔ ہم نے کنڈیکٹر امیر جان کو حراست میں لے لیا ہے۔ اسی کی نشاندہی پر ہم ریاض کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔" وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"تمہاری سمجھ میں آیا کہ ہم ریاض کو کیوں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں یا کسی اور طریقے سے سمجھائیں......؟"

آمنہ کی پریشانی عروج پر پہنچ گئی۔ اس نے تشویش بھری آواز میں کہا۔ "لیکن...... ریاض کے ساتھ تو دوسرا کنڈیکٹر...... مصدق ہوتا ہے......؟"

"اس کے ساتھ پہلا، دوسرا یا تیسرا کنڈیکٹر ہوتا ہے...... یہ ہمارا مسئلہ نہیں۔" سب انسپکٹر نے مڑتے ہوئے کہا۔ "ہمیں فی الحال تمہارے شوہر ریاض کی تلاش ہے......!"

اسی وقت گلی میں موجود لوگوں میں سے کسی نے بہ آواز بلند کہا۔ "لو جی، وہ دیکھو...... ریاض بھی آ گیا......!"

پولیس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ...... ریاض کو گرفتار کیا اور گاڑی میں ڈال کر اپنے ساتھ لے گئے۔

✠ ✠ ✠

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے چالان عدالت میں پیش کر دیا۔

اس دوران میں میری آمنہ اور ریاض سے ایک ایک ملاقات ہو چکی تھی۔ ریاض سے ملنے کے لیے میں خصوصاً تھانے گیا تھا۔ یہ کیس جب میرے ہاتھ میں آیا تو ریاض عدالتی ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں تھا۔ ریاض سے بھی مجھے کافی اہم معلومات حاصل ہوئی تھیں لیکن سر دست وہ میں آپ کے سامنے بیان نہیں کروں گا۔ عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب موقع پر ان کا ذکر کیا جائے گا۔ ان چند دنوں میں، میں نے اپنے طور پر بھی کوشش کر کے بہت سارے شواہد جمع کر لیے تھے جو میں اپنے موکل کی حمایت میں استعمال کر سکتا تھا۔ الغرض، میں یہ کیس لڑنے کے لیے ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔

میں نے اپنے وکالت نامے کے ساتھ ہی ملزم کی...... ضمانت کے کاغذات عدالت میں دائر کر دیے تھے۔ عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا تو میں نے اپنے موکل کی ضمانت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی! میرا موکل اور اس کیس کا ملزم ڈرائیور ریاض علی ایک معصوم اور بے گناہ شخص ہے۔ اسے ایک گہری سازش کے تحت اس سنگین مقدمے میں ملوث کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے لہٰذا میری معزز عدالت سے التماس ہے کہ اس کی درخواست ضمانت پر ہمدردانہ غور کرتے ہوئے اسے ضمانت پر رہا کرنے کے احکام جاری کیے جائیں۔"

"یور آنر......!" میرے خاموش ہوتے ہی وکیل استغاثہ بول اٹھا۔ "یہ شخص......!" اس نے اپنی انگلی سے کٹہرے میں کھڑے ہوئے ملزم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ نہ تو معصوم ہے اور نہ ہی بے گناہ بلکہ میرے نزدیک تو یہ ایک انتہائی چالاک اور عیار شخص ہے۔ اس کا چہرہ ایک دھوکا ہے، ایک فریب ہے۔ یہ یتیموں والی صورت بنا کر کمینوں والے کام کرتا ہے۔ میں پرزور اپیل کرتا ہوں کہ کسی بھی قیمت پر اس کی ضمانت کو منظور نہ کیا جائے۔" وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''ایسے سفاک اور بے رحم لوگوں کو تو ایسی سخت سزا ملنی چاہیے کہ دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بن جائے......!''

''جناب عالی! اس امر میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں کہ میرا موکل بے گناہ ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس کی شرافت کے ثبوت کے طور پر میں درجنوں افراد کو یہاں پیش کرسکتا ہوں......''

''اس کی شرافت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ یہ ایک نوجوان کی جان لینے کے بعد جائے وقوعہ سے فرار ہوگیا۔'' میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ایسے بے حس قاتل کو اس کی شرافت کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دینا چاہیے۔''

''جناب عالی!'' میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''استغاثہ کی جانب سے حالات کا جو نقشہ کھینچا جا رہا ہے، حقیقت اس کے برعکس ہے۔ میرے موکل نے کسی بھی نوجوان موٹر سائیکل سوار کو ویگن کے نیچے نہیں روندا بلکہ میں تو یہ تک کہوں گا کہ جب مزدا کا ایکسیڈنٹ ہوا، ملزم ریاض ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ہی نہیں تھا۔''

''واہ وا...... سبحان اللہ......!'' وکیل استغاثہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''ملزم ویگن کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود نہیں تھا...... اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ویگن خود بخود چل رہی تھی، کوئی نادیدہ قوت...... کوئی جن بھوت وغیرہ اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔ میرے فاضل دوست!'' اس نے انگلی سے میری جانب اشارہ کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''یہ عدالت کا کمرا ہے، ناول کے صفحات نہیں...... یہاں آپ کے جو جی میں آئے، وہ نہیں بول سکتے۔ آپ جو بھی بولیں گے اس کا باقاعدہ ثبوت پیش کرنا ہوگا۔''

''یہ بات مجھے بھی اچھی طرح معلوم ہے مائی ڈیئر!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''میں معزز عدالت کے روبرو جو کچھ بھی کہوں گا اس کا ثبوت فراہم کرنا میری ذمے داری ہوگی۔''

''اچھا......!'' وکیل استغاثہ نے آنکھیں پھیلا کر مجھے دیکھا اور حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔ ''تو کیا آپ اس بات کا ثبوت فراہم کر سکتے ہیں کہ وقوعہ کے روز جس مزدا کی ٹکر سے ایک نوجوان موٹر سائیکل سوار موت کے منہ میں چلا گیا، حادثے کے وقت مزدا کی ڈرائیونگ سیٹ پر

کوئی جن یا بھوت یا کوئی نادیدہ مخلوق براجمان تھی......؟''

میں نے وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پراعتماد لہجے میں کہا۔ ''ان تمام امور کا ثبوت فراہم کرنا آپ کی ذمے داری ہے!''

''میری ذمے داری؟'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور قدرے تیز لہجے میں بولا۔

''میری ذمے داری کیوں؟''

''آپ کی ذمے داری اس لیے میرے فاضل دوست......!'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''کہ جن بھوت اور نادیدہ مخلوق وغیرہ کے الفاظ آپ نے ادا کیے ہیں۔ میرا ان سے کوئی تعلق واسطہ نہیں لہٰذا ان کے حوالے سے تمام تر ثبوت بھی آپ ہی کو فراہم کرنا ہوں گے میں نے تو صرف اتنا عرض کیا تھا......!'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''جب مزدا اور موٹر سائیکل کا ٹکراؤ ہوا اس وقت میرا موکل مذکورہ مزدا کو ڈرائیو نہیں کر رہا تھا۔ وہ اپنی شفٹ مکمل کر کے جا چکا تھا۔''

''آپ کا خیال ہے، ویگن کا کنڈیکٹر امیر جان جھوٹ بول رہا ہے۔'' وکیل استغاثہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ایکسیڈنٹ کے بعد امیر جان اور ملزم ایک ساتھ ہی فرار ہوئے تھے۔ پولیس نے پہلے امیر جان کو تلاش کیا پھر اس کی نشاندہی پر ملزم کو اس کے گھر سے گرفتار کیا۔''

''ایک منٹ مائی ڈیئر......!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر قطع کلامی کی اور بہ آواز بلند کہا۔ ''کون کتنا سچ بول رہا ہے اور کتنا جھوٹ، اس بات کا فیصلہ معزز عدالت خود کرے گی۔ ابھی تو اس کیس کی عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا ہے۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا......'' پھر میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میرا موکل بے گناہ و بے قصور ہے، ایک گہری سازش کے تحت، موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اس سنگین معاملے میں پھنسایا گیا ہے، وقت آنے پر میں ثابت کر دوں گا کہ حادثے کے وقت ملزم ویگن ڈرائیو نہیں کر رہا تھا۔''

''وہ وقت کب آئے گا؟'' وکیل استغاثہ نے تیز آواز میں استفسار کیا۔ ''آپ ابھی

کیوں نہیں بتا دیتے......؟''

جج نے میری طرف دیکھا اور پوچھا۔''بیگ صاحب! آپ اپنے موکل کی صفائی میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، اسے سردست سامنے لانے میں کوئی قباحت ہے؟''

''قباحت کوئی نہیں، بدنظمی ہے جناب عالی!'' میں نے شائستہ انداز میں کہا۔''میں چاہتا ہوں، عدالت کی باقاعدہ کارروائی کے دوران مناسب مقامات پر ان نکات کا اظہار کیا جائے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حادثے کے وقت میرا موکل جائے وقوعہ سے کئی کلومیٹر دور اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھا۔''

''میرے فاضل دوست!'' وکیل استغاثہ نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔''میں مانتا ہوں کہ آپ ایک بہت اچھے رائٹر ہیں، آپ کی کہانیاں ناول کی صورت میں چھپتی ہیں، آپ الفاظ سے کھیلنے کا ہنر جانتے ہیں لیکن یہ عدالت کا کمرا ہے۔''قباحت'' اور ''بدنظمی'' ایسے الفاظ کے استعمال سے بات نہیں بنے گی۔ آپ کو اپنا موقف منوانے کے لیے ٹھوس ثبوت فراہم کرنا پڑیں گے۔''

میں نے ایک طنزیہ نظر وکیل استغاثہ پر ڈالی پھر جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! میں اپنے فاضل دوست سے الجھ کر خوامخواہ معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد نہیں کروں گا۔ اس بے چارے کو تو اتنا بھی معلوم نہیں کہ میں کوئی رائٹر نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی ناول چھاپتا ہوں۔ وہ واقعات درحقیقت میرے کامیاب کیسز کی روداد ہوتے ہیں جنہیں میں نوٹس کی شکل میں ادارے کے حوالے کرتا ہوں، پھر وہ اپنے ایک مخصوص رائٹر سے ان واقعات کو کہانی کی شکل میں لکھوا کر شائع کرتے ہیں۔ بہر حال......!'' میں نے ایک طویل سانس خارج کی اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ میرے موکل کی درخواست ضمانت کو منظور کرتے ہوئے اس کی رہائی کے احکامات صادر کیے جائیں۔ وِتھ آل یور آنر......!''

''یور آنر......!'' وکیل استغاثہ نے کڑک دار آواز میں کہا۔''ملزم کو ضمانت پر رہا کرنا انصاف کے اصولوں کے منافی ہوگا۔ یہ کوئی معمولی مار پیٹ یا چوری چکاری کا کیس نہیں، ایک نوجوان اس وحشیانہ واقعے میں اپنی جان گنوا بیٹھا ہے، میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ ملزم

کو جیل بھیج دیا جائے۔''

میں عدالت کے کمرے سے نکل کر باہر آیا تو آمنہ میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے اس سرکاری گاڑی کے قریب پہنچے جو ملزم ریاض کو اپنے ساتھ لے کر جیل جانے والی تھی۔ ہتھکڑی لگا ریاض گاڑی کے پاس ہی کھڑا تھا۔ مذکورہ ہتھکڑی کا دوسرا سرا ایک پولیس والے کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اس پولیس والے سے بات کر کے آمنہ اور ریاض کی مختصر ملاقات کا ''بندوبست'' کر دیا۔ جب وہ میاں بیوی چند جذباتی مکالمات کے بعد فارغ ہوئے تو جیل کی گاڑی ملزم ریاض کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔

میں پارکنگ لاٹ کی سمت بڑھا تو آمنہ نے میرے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

''وکیل صاحب! عدالت نے تو ریاض کی ضمانت قبول نہیں کی، اب کیا ہوگا؟''

''وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا......!'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''جی......کیا مطلب؟'' وہ رک کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے کہا۔''رکو نہیں آمنہ......آگے بڑھتی رہو۔''

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں نے بدستور قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔''کیا تمہیں خدا کے کیے کا بھروسا نہیں ہے؟''

''یہ بات نہیں ہے وکیل صاحب......!'' وہ بری طرح گڑبڑا گئی۔''خدا تو جو بھی کرتا ہے، ہمارے فائدے کے لیے ہی کرتا ہے۔ مجھے خدا پر پورا بھروسا ہے۔''

''بس تو پھر ذہن میں بٹھا لو کہ خدا کسی کا بھروسا نہیں توڑتا۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔''اگر میں نے کہا ہے......وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا تمہارے اور تمہارے شوہر کے لیے جو اچھا سمجھتا ہے وہی ہوگا۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر آمنہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''کیوں آمنہ! کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں وکیل صاحب......!'' وہ جلدی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں دراصل......الجھ کر رہ گئی تھی۔''

''کیسی الجھن؟'' باتیں کرتے ہوئے ہم پارکنگ لاٹ تک پہنچ گئے۔

اس نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''اصل میں، میں امید کر رہی تھی کہ عدالت ریاض کو ضمانت پر رہا کر دے گی!''

''دل چھوٹا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا پھر مختصر الفاظ میں اسے سمجھایا کہ قتل کے ملزم کی ضمانت میں کس قسم کی رکاوٹیں ہوتی ہیں۔

وہ پوری توجہ سے میری بات سنتی رہی اور میرے خاموش ہونے پر اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ''وکیل صاحب! آپ کو یقین ہے نا، ریاض اس کیس سے باعزت بری ہو جائے گا......؟''

''انشاء اللہ!'' میں نے تہ دل سے کہا۔ ''مجھے ریاض کی باعزت رہائی کی پوری امید ہے۔''

''اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔'' وہ جذبات سے مغلوب آواز میں بولی۔ ''شاہ صاحب نے آپ کی بہت تعریف کی ہے۔''

''شاہ صاحب'' سے اس کی مراد قربان شاہ تھی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سب تعریفیں اس ذات پاک کے لیے ہیں جس نے مجھے، تمہیں، شاہ صاحب اور کل جہان کو پیدا کیا ہے۔ شاہ صاحب چونکہ خود بہت اچھے انسان ہیں اس لیے وہ میری بھی تعریف کر دیتے ہیں۔''

''وکیل صاحب! آپ نے حوصلہ دلایا ہے تو میری جان میں جان آئی ہے۔'' وہ اطمینان بھری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھے یقین ہے، آپ میرے شوہر کی باعزت رہائی کے لیے پورا زور لگا دیں گے۔''

''میں اپنے ہر کلائنٹ کے معاملے میں پورا زور ہی لگاتا ہوں آمنہ۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''پھر فیصلہ اپنے مالک پر چھوڑ دیتا ہوں اور......'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے مالک نے کبھی مجھے مایوس نہیں کیا، اسی لیے تمہارے شوہر کے کیس میں بھی پرامید ہوں۔''

''اب میں آپ کے پاس کب آؤں وکیل صاحب؟'' اس نے تشکر آمیز نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اگلی پیشی پندرہ دن بعد کی ہے۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہماری آئندہ

ملاقات عدالت کے کمرے میں ہی ہو گی۔''

''ٹھیک ہے وکیل صاحب!'' اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

میں نے کہا۔ ''لیکن ان پندرہ دنوں کے دوران اگر تمہیں اس کیس کے حوالے سے اہم بات یاد آ جائے یا کہیں سے کوئی ایسی بات پتا چلے جو تمہارے شوہر کی رہائی کے لیے ثابت ہو سکتی ہو تو تم پندرہ دن گزرنے کا انتظار نہیں کرو گی۔ تم ایسی صورت میں کسی بھی وقت مجھ سے ملنے آ سکتی ہو یا کم از کم فون پر مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے پوچھا۔

''میرا وزیٹنگ کارڈ تو تم نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے نا؟''

''جی وکیل صاحب!'' وہ اپنے پرس کو تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ ''وہ میرے پاس محفوظ ہے۔''

''اس کارڈ پر میرے آفس اور گھر کے ٹیلی فون نمبر موجود ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ضرورت پڑنے پر تم فوراً مجھ سے رابطہ کرنا۔''

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے رخصت ہو گئی۔

میں اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

✠ ✠ ✠

عدالت کی ابتدائی کارروائی خاصی بور اور ٹیکنیکل ہوتی ہے لہٰذا میں نے اس کی تفصیل میں جانے سے ہمیشہ گریز کیا ہے تاکہ آپ کے قیمتی وقت کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔ لگ بھگ دو ماہ کے بعد عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے گمبھیر انداز میں فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ملزم کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ میرے موکل نے نہایت ہی مختصر اور جامع بیان ریکارڈ کرایا تھا۔ بیان مکمل ہوا تو وکیل استغاثہ کسی بھوت کے مانند اس سے لپٹ گیا۔

کم و بیش بیس منٹ تک وکیل استغاثہ، ملزم پر جرح کرتا رہا۔ اس نے مختلف زاویوں سے کم از کم دو درجن سوال کیے ہوں گے۔ میری ہدایات کی روشنی میں، ریاض نے گہری سنجیدگی سے دوٹوک اور مختصر جواب دیے۔ وکیل استغاثہ کی جرح مکمل ہوئی تو میں اکیوزڈ باکس کے قریب چلا

گیا۔

میں نے کھنکار کا گلا صاف کیا اور اپنے مؤکل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر ریاض! تمہیں ڈرائیونگ کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''جناب! یوں سمجھیں کہ اس کام میں ساری عمر ہی گزر گئی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''تمہاری عمر اس وقت کتنی ہوگی؟''

ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے بتایا۔ ''لگ بھگ پینتیس سال!''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم پچھلے پینتیس سال سے ویگن چلا رہے ہو......؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے میں نے گہری سنجیدگی سے سوال کیا۔

''جی......!'' وہ ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گیا پھر جلدی سے سنبھلتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے میری بات کا کوئی اور مطلب نکال لیا ہے......اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ انسان پیدائش کے فوراً بعد کام دھندے پر لگ جائے۔''

''ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔'' میں نے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''واقعی یہ ممکن نہیں کہ ایک دن کا بچہ ویگن ڈرائیو کرنے لگے۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں مزدا وغیرہ کی ڈرائیونگ کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''میرا اندازہ ہے کہ کم از کم پندرہ سال۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے، اس کام میں تمہیں اچھی خاصی مہارت ہوگئی ہوگی؟''

''جی بالکل......'' وہ جلدی سے بولا۔ ''اس میں کیا شک ہے!''

''کوئی شک نہیں۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''جس مزدا نے نوجوان موٹر سائیکل سوار کو ٹکر مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا اس کی ڈرائیونگ تم کتنے عرصے سے کر رہے تھے؟''

میں یہ تمام تر سوالات ایک خاص مقصد کے تحت کر رہا تھا۔ مجھے کچھ چیزیں رجسٹر کرانا تھیں جو میں رفتہ رفتہ غیر محسوس انداز میں اسٹیبلش کرتا چلا جا رہا تھا۔ وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر میری ان حرکات پر خاصے بے چین دکھائی دیتے تھے۔ ان کی اس بے چینی میں برہمی کی

جھلک تھی لیکن مجھے ان کے جذبات اور احساسات کی قطعاً کوئی پروا نہیں تھی۔ ملزم ریاض نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

''میں اس مزدا پر پچھلے ایک سال سے ڈیوٹی دے رہا تھا۔''

''پچھلے ایک سال سے......!'' میں نے سوچتے ہوئے دہرایا پھر کہا۔ ''اس سے ظاہر ہوتا ہے، باقی کے چودہ سال تم دوسری ویگنیں اور بسیں چلاتے رہے ہو؟''

''بسیں نہیں جناب، صرف مزدا۔'' وہ تصحیح کرنے والے انداز میں بولا۔ ''میں نے ان پندرہ سالوں میں لگ بھگ ہر روٹ کی مزدا چلائی ہے۔''

''ویری گڈ......!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''پھر تو آپ تمام ویگن مالکان کو جانتے ہوگے؟''

''بہت اچھی طرح......!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''نہ صرف مزدا مالکان کو بلکہ میں کراچی کے تمام ہی ڈرائیوروں اور کنڈیکٹروں کو بھی جانتا پہچانتا ہوں۔''

''کیا وہ لوگ بھی تمہیں جانتے اور پہچانتے ہیں؟''

''جی جناب عالی!'' اس نے اقرار کیا۔

میں نے جرح کے دائرے کو بتدریج تنگ کرتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو تمہارے بڑے مزے ہوں گے، تم جس بھی مزدا میں قدم رکھتے ہوگے وہ تم سے کرایہ وغیرہ نہیں لیتے ہوں گے......!''

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ!'' وہ تصدیقی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں کراچی کی کسی بھی ویگن میں سوار ہو جاؤں، کرایہ بھاڑا دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مزدا کا کنڈیکٹر کوئی نیا ہو تو ڈرائیونگ سیٹ سے فوراً آواز آ جاتی ہے، بچے! استاد ریاض سے کرایہ نہیں لینا......!'' وہ اتنا بتا کر لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر ایک اطمینان بھری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

''ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے، ورنہ ڈرائیور کو آواز لگانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اللہ کا بڑا کرم ہے، سب کنڈیکٹرز اچھی طرح مجھے جانتے ہیں۔''

''میری دعا ہے کہ اللہ کا یہ کرم ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے

میں کہا، پھر سوالات کے زاویے کو یکسر تبدیل کرتے ہوئے اس کیس کے ملزم اور اپنے موکل سے پوچھا۔

''قاتل مزدا پر تمہاری ڈیوٹی کے اوقات کیا تھے؟''

''ڈیوٹی کے اوقات بدلتے رہتے تھے۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''جس دن یہ حادثہ پیش آیا، میں صبح کی ڈیوٹی میں چل رہا تھا۔''

''صبح کی ڈیوٹی میں......!'' میں نے زیرلب دہرایا۔ ''مثلاً...... کب سے کب تک؟''

''صبح کے پانچ بجے سے لے کر دن کے دو بجے تک۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''صبح پانچ بجے تم مزدا کو کہاں سے پکڑتے تھے؟''

''اس کے اڈے سے۔'' ملزم نے بتایا۔

''اور دوپہر دو بجے کہاں چھوڑتے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ناظم آباد میں......!''

''لیکن......'' میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔

''ناظم آباد میں کس جگہ......؟''

''پیٹرول پمپ کے اسٹاپ پر۔'' اس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''پیٹرول پمپ کے اسٹاپ پر۔'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں دہرایا۔ ''پیٹرول پمپ کے آس پاس تو کوئی بھی ویگن اڈا نہیں ہے؟''

''ہاں، وہاں واقعی ویگن کا اڈا وغیرہ نہیں ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں اپنی اور داؤد کی آسانی کے لیے پیٹرول پمپ کے اسٹاپ پر مزدا چھوڑ دیتا تھا۔''

''داؤد......!'' میں نے زیرلب دہرایا۔ ''داؤد وہی ڈرائیور ہے نا جو تمہارے بعد مزدا کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لیتا تھا؟''

''جی ہاں...... میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔'' میں نے الجھن میں مبتلا ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ پیٹرول پمپ کے اسٹاپ پر ڈیوٹی تبدیل کرنے میں تمہاری اور داؤد کی کون سی سہولت چھپی ہوئی تھی؟'' بعض اوقات جرح کے دوران کٹہرے میں کھڑے ہوئے شخص سے بہت

سے ایسے سوالات بھی کرنا پڑتے ہیں جو بادی النظر میں انتہائی سادہ اور عام سے ہوتے ہیں۔ ڈیوٹی کی تبدیلی والا سوال بھی کچھ اسی نوعیت کا تھا۔ میں اس حوالے سے پوری تفصیل سے آگاہ نہ ا لیکن یہاں ملزم کی زبان سے یہ حقائق کہلوانے کا ایک خاص مقصد تھا۔ میں دراصل چند اہم پوائنٹس عدالت کے ریکارڈ پر رجسٹر کرانا چاہتا تھا جن کی مدد سے میں، بعد میں وکیل استغاثہ سے بہ آسانی کھیل سکتا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں ملزم نے بتایا۔

''دیکھیں جی......'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''دراصل داؤد کی رہائش گجر نالے کے علاقے میں ہے۔ وہ بہ آسانی ٹہلتے ہوئے اپنے گھر سے پیٹرول پمپ کے اسٹاپ تک آجاتا تھا اور جہاں تک میرا تعلق ہے......'' اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''جناب! مجھے پیٹرول پمپ کے اسٹاپ سے اپنے گھر اورنگی جانے کے لیے بالکل سیدھی مزدا مل جاتی تھی۔''

''اوہ......!'' میں نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''یہ سہولت تھی تم دونوں کی...... بھئی بہت زبردست......!''

ملزم کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ میرے اس تبصرے پر کس قسم کے ردعمل کا اظہار کرے۔ وہ محض اثبات میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے ''مزدا ایکسیڈنٹ'' کیس کے ملزم سے پوچھا۔

''ذرا سوچ کر بتاؤ، وقوعہ کے روز تم نے کتنے بجے مزدا کی ڈرائیونگ سیٹ چھوڑی تھی؟''

''ٹھیک دو بجے!'' اس نے ٹھوس انداز میں جواب دیا۔

''تمہیں اورنگی کی مزدا پکڑنے کے لیے پیٹرول پمپ کے اسٹاپ پر کتنی دیر انتظار کرنا پڑا تھا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ایک سیکنڈ بھی نہیں۔'' وہ ترت سے بولا۔ ''ادھر میں نے اپنی مزدا داؤد کے حوالے کی، ادھر اورنگی جانے والی دو مزدا بس اسٹاپ پر کھڑی تھیں۔ میں فوراً ایک مزدا پر سوار ہوا اور گھر کی جانب چل پڑا۔'' وہ سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''بعض اوقات تو اس پٹی پر میرے روٹ کی چار چار مزدا کھڑی مل جاتی ہیں اور ان میں

خاصی ریس وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ لانڈھی سے اورنگی تک جیسے وہ کسی مقابلے میں دوڑ رہی ہوتی ہیں۔''

''تم وقوعہ کے روز دو میں سے ایک مزدا پر فوراً سوار ہو گئے۔'' میں نے ملزم کو اصل موضوع کی طرف لاتے ہوئے کہا۔ ''ذرا سوچ کر بتاؤ، تم جس مزدا میں بیٹھ کر اس روز اپنے گھر پہنچے تھے اس کا ڈرائیور تمہیں پہچانتا ہے؟''

''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے جناب!'' وہ حیرت آمیز لہجے میں بولا۔ ''میں استاد رفیق کی مزدا میں بیٹھ کر گھر گیا تھا۔''

''کیا استاد رفیق کو اس بات کا پتا چل گیا تھا کہ تم اس کی مزدا میں موجود ہو؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''ہمارے درمیان تھوڑی گپ شپ بھی ہوئی تھی۔''

میں نے جرح کے زاویے کو قدرے تبدیل کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''استغاثہ کی رپورٹ کے مطابق، مزدا اور موٹر سائیکل کا ایکسیڈنٹ تیرہ اکتوبر کی سہ پہر لگ بھگ سوا دو بجے بمقام بورڈ آفس پیش آیا تھا۔ مذکورہ مزدا ٹاور سے نارتھ کراچی کی طرف جا رہی تھی۔ علاوہ ازیں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بتاتی ہے کہ موٹر سائیکل پر سوار نوجوان ناصر محمود کی موت تیرہ اکتوبر کی سہ پہر دو اور ڈھائی بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اگر اس وقت کو فکس کرنے کی کوشش کریں تو لامحالہ یہ وقت ''سوا دو بجے سہ پہر'' ہی قرار پائے گا یعنی عین حادثے کے وقت۔ جس انداز میں ناصر محمود کو حادثہ پیش آیا تھا، اس میں کسی زندگی کو موت میں بدلتے ہوئے محض دو تین سیکنڈ ہی لگتے ہیں.....''

میں نے تھوڑا توقف کر کے ایک سکون بھری سانس خارج کی پھر ملزم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اچھی طرح سوچ کر بتاؤ.....وقوعہ کے روز ٹھیک سوا دو بجے سہ پہر تم کہاں تھے؟''

''دیکھیں جناب.....!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میں ٹھیک دو بجے پیٹرول پمپ کے اسٹاپ سے اورنگی جانے والی مزدا پر سوار ہوا اور پھر ٹھیک ڈھائی بجے میں اپنے گھر کے اسٹاپ پر اترا تھا یعنی دو سے ڈھائی بجے تک کا ٹائم میں نے سفر میں گزارا تھا۔ جہاں تک سوا دو بجے کے وقت

کا تعلق ہے.....'' اس نے پرسوچ انداز میں لمحاتی توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اس وقت شاید مزدا میٹرو ول والی چڑھائی پر تھی.....!''

''یعنی.....تم سوا دو بجے اس مزدا کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود نہیں تھے جس نے بدنصیب موٹر سائیکل سوار ناصر محمود کی بائیک کو ٹکر ماری اور آناً فاناً.....اسے موت کے منہ میں دھکیل دیا؟''

''نہیں جناب.....بالکل نہیں۔'' اس نے بڑی شدت سے گردن کو منفی انداز میں جھٹکا۔

''میں تو اس وقت جائے وقوعہ سے کئی میل دور تھا۔''

''کیا تم اپنے اس بیان کو ثابت کر سکتے ہو؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''جی ہاں.....بالکل ثابت کر سکتا ہوں۔'' اس نے مضبوط انداز میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کس طرح ثابت کرو گے؟''

''استاد رفیق کی گواہی سے جس کی مزدا میں، میں موجود تھا۔''

''کیا تمہاری خاطر استاد رفیق عدالت میں آ کر بیان دینے پر تیار ہو جائے گا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ پرجوش لہجے میں بولا۔ ''مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے جناب!''

''مجھے ملزم سے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!'' میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے جرح موقوف کر دی۔

عدالت کا وقت ختم ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ جج نے دونوں وکلا، تفتیشی افسر، ملزم اور حاضرین عدالت کو بڑی گہری نظر سے باری باری دیکھا پھر دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈ جارنڈ.....!''

✠ ✠ ✠

اگلی پیشی پر میں نے عدالت سے درخواست کی کہ استغاثہ کے گواہوں کے بیانات سے

پہلے، میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ جج نے فوراً میری یہ فرمائش پوری کر دی۔ انکوائری آفیسر عہدے کے اعتبار سے ایک......ایس آئی یعنی سب انسپکٹر تھا۔ جج کے اشارے پر وہ وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور آئی او سے پوچھا۔

''سب انسپکٹر صاحب! کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟''

''اشفاق حسین......!'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''آپ کو اس حادثے کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟''

اس نے ایک لمحہ سوچا پھر جواب دیا۔ ''ایک ٹریفک سارجنٹ جائے وقوعہ کے قریب ہی موجود تھا۔ اسی سارجنٹ نے وائرلیس پر فون کر کے ہمیں اس واقعے کی اطلاع دی تھی۔'' وہ سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''میرے خیال میں اس وقت سہ پہر کے ڈھائی بجے تھے۔''

''اور آپ جائے وقوعہ پر کب پہنچے تھے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''اس نے جواب دیا۔ ''تین بجے......''

''اور آپ جب جائے وقوعہ پر پہنچے تو مذکورہ مزدا کے ڈرائیور اور کنڈیکٹر غائب ہو چکے تھے......!'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''جی......جی ہاں!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جائے وقوعہ پر پہنچ کر آپ نے کیا کیا تھا؟''

''جناب!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اس قسم کے خطرناک حادثات میں سب سے پہلے حادثے کا شکار ہونے والے شخص کی پروا کی جاتی ہے، میں نے سب سے پہلے زخمی نوجوان ناصر محمود کو دیکھا اور پہلی فرصت میں اس کو اسپتال پہنچانے کا بندوبست کیا۔ اس کے بعد معمول کی تفتیش میں مصروف ہو گیا تھا۔''

''زخمی نوجوان!'' میں نے زہر خند لہجے میں انکوائری آفیسر کے الفاظ کو دہرایا۔ ''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق، اس بدقسمت نوجوان کی موت دو اور ڈھائی بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ آپ نے بتایا ہے کہ آپ لگ بھگ تین بجے جائے حادثے پر پہنچے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا

کہ جب آپ وقوعہ پر پہنچے تو وہ نوجوان اس دنیا سے اس دنیا میں منتقل ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی کھوپڑی کا جو حشر ہوا تھا اس میں زندہ بچ جانے کے امکانات صفر کے برابر ہوتے ہیں لہٰذا......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''لہٰذا اس بدنصیب نوجوان کے لیے 'زخمی نوجوان' کے الفاظ استعمال کرنا اس کے جسد خاکی کے ساتھ سراسر ناانصافی ہو گی۔ آئی او صاحب! آپ کا کیا خیال ہے، بیچ اس مسئلے کے؟''

''میں آپ کے خیال سے مکمل اتفاق کرتا ہوں وکیل صاحب!'' وہ معقولیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''کیا آپ میرے اس خیال سے بھی اتفاق کرتے ہیں کہ اس حادثے میں سراسر مزدا ڈرائیور کا قصور تھا؟''

''جی ہاں!'' اس نے بڑے اعتماد سے سر کو اثباتی جنبش دی اور بتانے لگا۔ ''جب ہی تو ایکسیڈنٹ کی سنگینی کو بھانپتے ہی اس مزدا کا ڈرائیور اور کنڈیکٹر فوراً وقوعہ سے فرار ہو گئے تھے۔ اس نوعیت کی حادثاتی اموات کے بعد یہ لوگ پلک جھپکتے میں نہایت ہوشیاری کے ساتھ اڑن چھو ہو جاتے ہیں۔''

''لیکن جناب......!'' میں نے آئی او کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کوئی مجرم چاہے کہیں بھی جا چھپے مگر پولیس کی نظر سے وہ خود کو مخفی نہیں رکھ سکتا۔ آپ موت کے مانند تعاقب کرتے ہوئے اس کی شہ رگ تک پہنچ جاتے ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''بالکل درست فرمایا آپ نے۔'' وہ فخریہ انداز میں سینہ پھلاتے ہوئے بولا۔ ''ہماری پھرتیوں کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ ہم نے پانچ بجے مزدا کے کنڈیکٹر امیر جان کو گرفتار کیا اور پھر اس کی نشاندہی اور راہنمائی پر چھ بجے ملزم ریاض بھی ہمارے قبضے میں تھا۔''

''تھوڑی دیر پہلے میں نے ایک ٹریفک سارجنٹ کا ذکر کیا ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس سلسلے میں اس سارجنٹ نے ہم سے بہت تعاون کیا تھا۔ مذکورہ سارجنٹ کا قاتل مزدا اور اس کے ڈرائیور کنڈیکٹر سے پہلے بھی کئی بار واسطہ پڑ چکا تھا۔ وہ اس ٹرانسپورٹر کو بھی جانتا تھا......قاتل مزدا جس کی ملکیت تھی۔ ڈرائیور اور کنڈیکٹر موقع پر سے فرار ہو چکے تھے لہٰذا سارجنٹ کی نشاندہی پر ہم نے مذکورہ ٹرانسپورٹر سے رابطہ کر لیا۔'' وہ چند لمحات کے لیے متوقف ہوا، ایک گہری

سانس خارج کی پھر اپنے بیان کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''مزدا کے مالک نجیب آفریدی نے ہمیں کنڈیکٹر امیر جان کے گھر کا پتا بتا دیا اور کہا کہ ہم ڈرائیور ریاض کے بارے میں کنڈیکٹر ہی سے پوچھیں۔ وہ ملزم کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ یہ معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ہی نجیب آفریدی نے اپنے بندوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ہم سے ''جوڑ توڑ'' بھی شروع کر دیا لیکن ہم نے اس کی ایک نہ سنی اور پہلی فرصت میں امیر جان کے گھر پہنچ گئے۔''

''کیا امیر جان وقوعہ سے فرار ہونے کے بعد اپنے گھر میں جا چھپا تھا؟'' میں نے آئی او سے استفسار کیا۔

''نہیں جناب! امیر جان کو پکڑنے کے لیے ہمیں بہت بھاگ دوڑ کرنا پڑی تھی۔'' وہ اپنے کارناموں کی کہانی سناتے ہوئے بڑا خوش دکھائی دیتا تھا۔ ''امیر جان کی رہائش ادھر بنارس میں ہے۔ جب ہم اس کے گھر پہنچے تو وہ وہاں نہیں ملا۔ ادھر ادھر سے پوچھ گچھ کی تو ایک آدمی نے بتایا کہ وہ سہراب گوٹھ میں اپنے ایک دوست کے پاس مل سکتا ہے۔ ہم آناً فاناً...... سہراب گوٹھ پہنچ گئے۔ وہاں گل داد نامی ایک شخص کا کھانے اور چائے کا ہوٹل ہے۔ ہم نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ ہوٹل پر چھاپا مارا اور ٹھیک پانچ بجے مزدا کا کنڈیکٹر امیر جان ہماری حراست میں تھا، پھر اس کی نشاندہی پر ہم نے چھ بجے کے قریب ملزم ریاض کو بھی گرفتار کر لیا۔''

''گرفتار شدہ ریاض اس وقت ملزموں والے کٹہرے میں کھڑا ہے جبکہ امیر جان کی گلو خلاصی کے بعد آپ نے اسے استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔'' میں نے تفتیشی افسر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا؟''

''نہیں جناب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''امیر جان کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ حادثے کے بعد جائے وقوعہ سے فرار ہو گیا تھا۔ اس ایکسیڈنٹ میں اس بے چارے کا کوئی ہاتھ نہیں تھا لہٰذا ہم نے اسے استغاثہ کا گواہ بنا لیا......''

''میرے موکل اور اس کیس کے ملزم ریاض کو آپ نے اس لیے نہیں چھوڑا کہ آپ کے خیال میں وہ حادثے کا ذمے دار ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس کی غلطی یا بے پروائی کے سبب نوجوان موٹر سائیکل سوار موت کے منہ میں چلا گیا تھا...... یہی بات ہے نا؟''

''جی ہاں...... یہی بات ہے۔'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔

میں نے کڑے لہجے میں دریافت کیا۔ ''آئی او صاحب! آپ نے موقع کی تفتیش کے دوران میں مزدا کے اسٹیئرنگ پر سے ڈرائیور کے فنگر پرنٹس تو ضرور اٹھائے ہوں گے لیکن استغاثہ کے موٹے تازے پلندے میں مجھے فنگر پرنٹس کی رپورٹ کہیں دکھائی نہیں دی؟''

''یہ رپورٹ آپ کو اس لیے کہیں نظر نہیں آئی کہ ہم نے فنگر پرنٹس نہیں اٹھائے تھے۔'' اس نے بڑے ریلیکس انداز میں جواب دیا۔

''کیوں؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''اس لیے کہ ہم نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔

''ٹریفک سارجنٹ کی مدد سے ہمیں مزدا کے مالک کا سراغ مل گیا تھا اور پھر جب امیر جان ہمارے ہتھے چڑھا تو اس نے بتایا کہ اس کے ساتھ ہی ملزم بھی مزدا چھوڑ کر جائے وقوعہ سے فرار ہو گیا تھا۔ ہمارے لیے امیر جان کی گواہی بڑی معتبر ہے کہ حادثے کے وقت ملزم مزدا ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس گواہی کے بعد کسی فنگر پرنٹس کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔''

''ویری گڈ......!'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''آئی او صاحب! یہ معلومات فراہم کرنے کا بے حد شکریہ......!'' پھر میں کرسی انصاف پر بیٹھے ہوئے جج کی جانب مڑا اور بہ آواز بلند کرارے لہجے میں کہا۔

''جناب عالی! تفتیشی افسر اشفاق حسین سب انسپکٹر کے دعوے نما بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ استغاثہ کی عمارت صرف اور صرف امیر جان کے بیان پر ایستادہ ہے یعنی اگر کسی بھی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ امیر جان سراسر غلط بیانی سے کام لے رہا ہے تو یہ کیس خود بخود خارج ہو جائے گا۔ ایم آئی رائٹ سر؟''

''بیگ صاحب! آپ نے جو نکتہ اٹھایا ہے اس میں بڑا وزن ہے۔'' جج نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ استغاثہ کے گواہ امیر جان کا بیان مبنی بر دروغ ہے؟''

''ایگزیکٹلی......!'' میں نے پُر وثوق انداز میں کہا۔ ''وقت آنے پر میں اپنی زبان سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ کو ثابت کر سکتا ہوں۔''

"آبجیکشن یور آنر......!" وکیل استغاثہ نے تیز آواز میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔ "صرف ایک امیر جان ہی کی گواہی پر موقوف نہیں جناب......استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں اس مزدا کے دو پسنجرز کے نام بھی شامل ہیں جو اس بات کی گواہی دیں گے کہ حادثے کے وقت ملزم ریاض ہی مزدا چلا رہا تھا۔"

انکوائری آفیسر نے اپنے حلیف اور اس کیس کے سرکاری وکیل کے بازو مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی! موقع کی کارروائی کے دوران میں نے دو مسافروں کے نام، پتے اور ٹیلی فون نمبرز نوٹ کر لیے تھے۔ میں نے انہیں اس بات کا پابند کر دیا تھا کہ بہ وقت ضرورت گواہی کے لیے انہیں عدالت میں آنا ہوگا۔ وکیل استغاثہ نے انہی دو افراد کا حوالہ دیا ہے۔ یہ دونوں گواہ ملزم کو، صورت دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔"

"بہت خوب!" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب ان مسافر گواہوں کو شہادت کے لیے عدالت میں پیش کیا جائے گا تو میں انہیں اچھی طرح دیکھ لوں گا۔" میں نے لفظ "دیکھ" پر اچھا خاصا زور ڈالا تھا پھر میرا روئے سخن جج کی جانب گھوم گیا۔

"جناب عالی! اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں انکوائری آفیسر سے چند نہایت ہی اہم سوالات کرنا چاہتا ہوں......!"

اس وقت اصولی طور پر میں انکوائری آفیسر پر جرح کر رہا تھا۔ اشفاق حسین وٹنس باکس میں کھڑا میرے سوالات کے جواب دے رہا تھا لہٰذا جج سے دوبارہ اجازت لینے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ میں نے محض زیب جرح کے لیے جج سے درخواست کی تھی۔ جج نے عدالت کے کمرے میں لگے ہوئے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا پھر بڑے فراخ دلانہ انداز میں بولا۔

"بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ......!"

میں انکوائری آفیسر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "آئی او صاحب! کیا آپ نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو اچھی طرح پڑھا ہے؟"

اس کے چہرے پر الجھن کی لکیریں نمودار ہوئیں۔ ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا۔ "جی ہاں......میں نے پوسٹ مارٹم رپورٹ کو اچھی طرح دیکھا ہے۔"

"اس رپورٹ کے مطابق مقتول نوجوان کی موت کا وقت کیا بتایا گیا ہے؟" میں نے

سوال کیا۔

"سہ پہر دو اور ڈھائی بجے کے درمیان......!" اس نے جواب دیا۔

"کیا آپ پچھلی پیشی پر عدالت میں موجود تھے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "جب میں نے ملزم پر تفصیلی جرح کی تھی؟"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں وکیل صاحب!"

وہ حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔ "کسی بھی کیس میں تفتیشی افسر کو تو ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔"

"تو آپ کا جواب اثبات میں ہے؟"

"جی ہاں......بالکل!"

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ اس وقت عدالت کے کمرے میں جسمانی طور پر موجود اور ذہنی طور پر حاضر تھے تو پھر آپ نے ملزم کو یہ بیان کرتے ہوئے بھی سنا ہوگا کہ وہ وقوعہ کی سہ پہر ٹھیک دو بجے استاد رفیق کی مزدا پر پیٹرول پمپ کے اسٹاپ سے سوار ہوا تھا اور ڈھائی بجے وہ اپنے گھر اورنگی ٹاؤن پہنچا تھا یعنی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق جس دوران نوجوان ناصر محمود کی موت واقع ہوئی وہ تمام وقت ملزم جائے وقوعہ سے میلوں دور ایک ویگن میں سفر کر رہا تھا لہٰذا آپ کی عقل کے مطابق......" میں سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر ڈرامائی انداز میں اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"آئی او صاحب! آپ کی عقل کے مطابق یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص پیٹرول پمپ ناظم آباد سے مزدا پر سوار ہو کر اورنگی کی طرف جا رہا ہو اور عین اسی وقت وہ ایک دوسری مزدا کو ڈرائیو کرتے ہوئے بورڈ آفس کے نزدیک ایک نوجوان موٹر سائیکل سوار کو بھی کچل ڈالے......کیا آپ ہمزاد وغیرہ کا کوئی چکر چلانے والے ہیں؟"

"اس قسم کے چکر چلانا آپ کے ہتھکنڈے ہیں وکیل صاحب!" وہ طنزیہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے اس حوالے سے آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔"

میں نے بڑے صبر سے اس حملے کو برداشت کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آئی او صاحب! میری نظر میں سب سے زیادہ اہمیت کیس نمٹانے کی ہوتی ہے۔ آپ نے جس کیس کا

حوالہ دیا ہے، وہ بہ طریق احسن نمٹا تھا یا نہیں......؟''

''بالکل نمٹ گیا تھا جناب۔'' وہ خندہ پیشانی سے اعترافِ حقیقت کرتے ہوئے بولا۔

''لیکن میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں زیرِ سماعت کیس کے حوالے سے کسی ہمزاد کے بارے میں بالکل نہیں سوچ رہا۔ ملزم نے عدالت میں جو بھی بیان دیا ہے، وہ اس کے پریشان ذہن کی کوئی کرشمہ سازی بھی ہوسکتی ہے۔ آپ اس کے وکیل ہیں لہٰذا اس کے بیان کو ثابت کرنا آپ پر لازم ہے۔''

''بے شک لازم ہے۔'' میں نے چٹانی لہجے میں کہا۔ ''اور میں اس ذمے داری کو نبھا کر دکھاؤں گا۔''

جج نے ایک مرتبہ پھر بے چین نظر سے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بیگ صاحب! آپ ملزم کے بیان کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیں گے؟''

''جنابِ عالی!'' میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت ہی احترام سے کہا۔ ''میرے موکل کے بیان کے مطابق وہ تیرہ اکتوبر کی سہ پہر دو اور ڈھائی بجے کے درمیان استاد رفیق کی مزدا پر سوار ہو کر پیٹرول پمپ ناظم آباد سے اورنگی اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ میں آئندہ پیشی پر استاد رفیق کو عدالت میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

''ویٹس گڈ......!'' جج نے گمبھیر آواز میں کہا۔ پھر اپنے سامنے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کے ساتھ ''کھیلنے'' لگا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہوگیا۔ جج نے پندرہ دن بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

✠ ✠ ✠

اگلی پیشی پر میں عدالت کی طرف جا رہا تھا کہ برآمدے میں سراج الدین سے ملاقات ہوگئی۔ سراج الدین اس بدنصیب نوجوان کا باپ تھا جو مزدا والے حادثے میں جاں بحق ہوا تھا۔ وہ

بھی کسی کسی پیشی پر عدالتی کارروائی دیکھنے اور سننے آ جایا کرتا تھا۔ مجھ پر نظر پڑی تو وہ میرے قریب آ گیا پھر مصافحے کے لیے میری جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے بہ آوازِ بلند بولا۔

''بیگ صاحب! السلام علیکم۔''

میں نے بڑی گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد پوچھا۔ ''سراج صاحب! کیسے مزاج ہیں؟''

''ہمارے مزاج کی آپ کو بھلا کیا فکر ہوگی بیگ صاحب!'' وہ شاکی لہجے میں بولا۔ ''آپ تو اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عدالتی کارروائی اور کارکردگی ہمارے ساتھ کیا کر رہی ہے، اس کا آپ کو کیا احساس۔ آپ تو بڑے مزے سے وکیل استغاثہ کے خلاف محاذ بنائے کھڑے ہیں۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''سراج صاحب! وکیل صفائی کا تو کام ہی یہی ہے کہ وہ وکیل استغاثہ کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑا رہے لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ کو مجھ سے کیا شکایت ہے، مجھے آپ کے لہجے میں ایک خاص شکوہ چھپا محسوس ہو رہا ہے......؟''

''آپ کو معلوم ہے نا، اس حادثے میں میرے جوان بیٹے کی موت واقع ہوئی ہے؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں مجھ سے مستفسر ہوا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''ہاں، میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں اور مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔''

''دلی ہمدردی ہے......!'' وہ میرے کہے ہوئے الفاظ کو طنزیہ انداز میں دہراتے ہوئے بولا۔ ''اس کے باوجود بھی آپ ناصر کے قاتل کو باعزت رہا کرانے کی کوشش میں مصروف ہیں؟''

''میں آپ کے زاویۂ نظر سے اتفاق نہیں کرتا سراج صاحب!'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''میں دراصل اپنے موکل کی باعزت بریت کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔''

وہ میری بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو کچھ اندازہ نہیں بیگ صاحب کہ ناصر کی موت نے اس کی ماں ناظمہ کے دل و دماغ کو کس بری طرح توڑ کر رکھ دیا ہے۔ ناصر سے

چھوٹی تین بیٹیاں ہیں میری۔ فرزانہ، عتیقہ اور عارفہ تینوں بہنوں کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ جوان اور اکلوتے بھائی کی ابدی جدائی نے ان کی آنکھوں میں ایسی ویرانی بھر دی ہے کہ دیکھ کر دل کٹتا ہے۔ مجھ پر جو بیت رہی ہے وہ میرا دل ہی جانتا ہے، میں اسے بیان کرنے سے قاصر ہوں۔"

"میں نے کہا ہے نا سراج صاحب......" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "اس صدمے نے جس طرح آپ کے پورے کنبے کو متاثر کیا ہے میں اسے اچھی طرح محسوس کر سکتا ہوں اور میری دعا ہے کہ اللہ کریم آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا کرے۔"

"آپ نے اکثر سڑکوں پر دیکھا ہوگا، یہ مزدا والے کس بے ہودہ انداز میں ریس لگاتے ہیں۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ "انہیں انسانی جان کی ذرا پروا نہیں ہوتی، بالکل جنگلی درندے بن جاتے ہیں یہ لوگ۔ میں تو کہتا ہوں، ایسے ڈرائیوروں کو کاٹ کر چیل کوؤں کے آگے ڈال دینا چاہیے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں سراج صاحب! میں آپ کی بات سے کسی حد تک اتفاق کرتا ہوں۔" میں نے ایک دکھی باپ کی اشک شوئی کرتے ہوئے کہا۔ "بعض مزدا کے ڈرائیور واقعی بڑے رف انداز میں گاڑی کو دوڑاتے ہیں۔ ایسے قانون شکن جنگلیوں کو قرار واقعی سزا ملنا چاہیے۔ میں یہ جدوجہد اسی سلسلے میں کر رہا ہوں سراج صاحب!"

وہ حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن آپ تو ملزم ریاض کو بری کرانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں؟"

"اس لیے کہ وہ ملزم ہے، مجرم نہیں!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے زیر لب مسکرا کر کہا۔ "میری نظر میں میرا موکل سراسر بے قصور ہے۔ میں اکیوزڈ باکس میں سے ملزم کو نکال کر وہاں مجرم کو فٹ کرنا چاہتا ہوں۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"اگر ریاض مجرم نہیں تو پھر آپ کے خیال میں مجرم کون ہے؟" اس نے گہری ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "سراج صاحب! آپ نہایت پابندی کے ساتھ ہر پیشی پر عدالت کے کمرے میں حاضر رہا کریں۔ بہت جلد اصل مجرم کا چہرہ آپ کے سامنے بے نقاب

ہو جائے گا۔"

وہ ہکا بکا ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں عدالت کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اس پیشی پر استغاثہ کی طرف سے ان دو مسافروں کو گواہی کے لیے پیش کیا گیا جو وقوعہ کے روز قاتل مزدا میں سوار تھے۔ انکوائری آفیسر کے مطابق پولیس نے ان کے نام پتے اور فون نمبرز وغیرہ نوٹ کر لیے تھے تاکہ بوقت ضرورت انہیں عدالت میں پیش کیا جا سکے۔ استغاثہ کے مطابق یہ دونوں مسافر گواہ ملزم کو دیکھ کر اس بات کی تصدیق کر سکتے تھے کہ ایکسیڈنٹ کے وقت وہی مزدا چلا رہا تھا۔

دونوں گواہوں نے باری باری سچ بولنے کا حلف اٹھایا پھر اپنے بیانات ریکارڈ کرا دیے۔ میں نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی کہ ان گواہوں کے چہروں پر اعتماد نام کی کوئی شے دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ خاصے گھبرائے ہوئے اور الجھن کا شکار نظر آتے تھے۔ یوں محسوس ہوا جیسے انہیں اچھی طرح پڑھا سکھا کر عدالت کے کمرے تک لایا گیا ہو۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی کہ وہ پولیس کے "تیار کردہ" گواہ تھے۔

وکیل استغاثہ نے لگ بھگ دس منٹ ان دونوں پر صرف کیے اور گھما پھرا کر مختلف سوالات کے ذریعے ان سے اس امر کی تصدیق کرتا رہا کہ اکیوزڈ باکس میں کھڑا ملزم ہی وقوعہ کے روز وہ مزدا چلا رہا تھا جس کی ٹکر سے نوجوان ناصر محمود موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ علاوہ ازیں وکیل استغاثہ نے ان دونوں کے اندر حوصلہ بھرنے کی کوشش بھی کی کہ وہ بہ آسانی میری جرح کا سامنا کر سکیں۔

وکیل استغاثہ کی یہ کوشش اس وقت ریت کی دیوار کے مانند "بیٹھ" گئی جب میں جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد ان سے سوال و جواب کرنے لگا۔ ان دونوں گواہوں پر ہونے والی جرح میں کوئی ایسی خاص بات موجود نہیں تھی جس کو یہاں بیان کیا جائے۔ بس یہ سمجھ لیں کہ جیسا کہ میں نے اوپر بتایا ہے، وہ دونوں "بنائے ہوئے گواہ" تھے جو استغاثہ کو مضبوط کرنے کے لیے عدالت میں پیش کیے گئے تھے۔ وہ نہ تو اس روز مزدا میں سوار تھے جب ایکسیڈنٹ ہوا اور نہ ہی وہ اس اندوہناک حادثے کی تفصیلات سے آگاہ تھے لہٰذا میں نے بہ آسانی انہیں اپنے جال میں پھانس لیا۔ وہ میرے کڑے سوالات کے جوابات نہ دے سکے اور شرمندگی سے بغلیں جھانکنے لگے۔ میں

نے ان دونوں جھوٹے گواہوں کی ''خاطر تواضع'' کے بعد جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! استغاثہ کے دو معتبر اور معزز گواہوں کی اصلیت عدالت کے ریکارڈ پر آ چکی ہے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ میرے موکل کو ایک گہری سازش کے تحت اس کیس میں پھانسنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ملزم اس سلسلے میں بے گناہ و بے قصور ہے۔ دیٹس آل یور آنر!''

جج نے گھور کر باری باری ان دونوں گواہوں کی طرف دیکھا اور سخت لہجے میں کہا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے، عدالت میں آ کر غلط بیانی کرنے یا حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے لیے بھی ایک سزا مقرر ہے؟''

ان دونوں نے نفی میں گردن ہلا دی پھر بیک زبان ہو کر بولے۔ ''سر! ہمیں اس بات کا علم نہیں تھا۔ آپ ہمیں معاف کر دیں، ہم آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ ہمارے باپ دادا کی توبہ......!''

اس معافی نامے کے اختتام پر انہوں نے باقاعدہ اپنے کانوں کو پکڑ لیا تھا اور چہرے سے بھی خاصے ڈرے سہمے نظر آ رہے تھے۔ میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ اس بات کی وضاحت کی ہے کہ عدالت میں، ایک وقت میں، صرف ایک گواہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ دیگر گواہ عدالت کے کمرے کے باہر برآمدے میں لائن حاضر رہتے ہیں۔ یہ اصول اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ ایک گواہ کا بیان دوسرے گواہ کی شہادت پر اثر انداز نہ ہو۔ استغاثہ کے مذکورہ دونوں گواہوں کو بھی باری باری اندر لایا گیا تھا۔ میں نے چونکہ دونوں کے معاملے کو ایک ساتھ نمٹایا ہے لہٰذا ان کا ذکر بھی ایک جگہ کر دیا ہے۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ جج نے ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کے لیے ان دونوں کو ایک ساتھ اپنے سامنے طلب کر لیا تھا جب ہی انہوں نے بیک زبان ہو کر معزز عدالت سے معافی کی مشترکہ درخواست کی تھی۔

اس صورت حال نے جج کا موڈ خراب کر دیا تھا۔ اس نے باری باری وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر کو خفگی آمیز نظر سے گھورا اور پوچھا۔ ''استغاثہ کے اور کتنے گواہ باقی ہیں؟''

وکیل استغاثہ نے جلدی سے جواب دیا۔ ''کنڈیکٹر امیر جان کی گواہی باقی ہے جناب!''

''کیا امیر جان اس وقت عدالت میں موجود ہے؟'' جج نے استفسار کیا۔

''نہیں جناب!'' وکیل استغاثہ نے نفی میں گردن ہلائی اور مودبانہ انداز میں بولا۔ ''امیر جان کو آئندہ پیشی پر حاضر کر دیا جائے گا۔''

جج نے روئے سخن میری جانب پھیرا اور پوچھا۔ ''بیگ صاحب! آپ اس پیشی پر صفائی کے کسی گواہ کو لانے والے تھے؟''

''جی......مزدا ڈرائیو استاد رفیق کو......!'' میں نے معتدل لہجے میں جواب دیا۔

جج نے پوچھا۔ ''کیا صفائی کا گواہ حاضر ہے؟''

''جناب عالی! وہ باہر برآمدے میں موجود ہے۔''

''استاد رفیق کو گواہی کے لیے پیش کیا جائے......!'' جج نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد، استاد رفیق وٹنس باکس میں کھڑا تھا۔

گواہ نے حلف اٹھانے کے بعد اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کرا دیا تو میں ہلکی پھلکی جرح کے لیے اس کے قریب چلا گیا۔ عدالت تک لانے سے پہلے میں دو مرتبہ استاد رفیق سے بات کر چکا تھا۔ وہ ملزم ریاض سے گہری ہمدردی رکھتا تھا اور اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ سچ کا ساتھ دینے کے لیے وہ دنیا کی ہر عدالت میں بیان دینے کو تیار ہے۔ وہ بھی میری طرح ملزم ریاض کو بے گناہ سمجھتا تھا اور اس امر کا عینی شاہد تھا کہ جب مزدا کو حادثہ پیش آیا، ملزم جائے وقوعہ سے میلوں دور اس کی مزدا میں سوار ہو کر اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے رفیق کو چند اہم پوائنٹس یاد کرا دیے تھے تاکہ وہ وکیل مخالف کے سوالات کے تسلی بخش جوابات دے سکے۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر جرح کا آغاز کرتے ہوئے استاد رفیق سے پوچھا۔

''استاد! آپ کو پتا ہے کہ آپ عدالت میں کس حیثیت سے آئے ہیں؟''

''جی ہاں!'' اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''میری حیثیت صفائی کے گواہ کی ہے۔''

''آپ کس کی صفائی پیش کرنے عدالت میں آئے ہیں؟''

''ملزم ریاض کی......'' جواب دیتے ہوئے اس نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی طرف دیکھا۔

میں نے پوچھا۔ ''پھر تو آپ کو یہ بھی پتا ہوگا کہ ملزم پر کس نوعیت کا الزام ہے؟''

"بڑی اچھی طرح پتا ہے جناب!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ملزم پر الزام ہے کہ اس نے ایک موٹر سائیکل سوار نوجوان کو بڑی بے دردی سے کچل کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔"

"اور آپ ایسا نہیں سمجھتے..... ہیں نا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"قطعی نہیں!" اس نے بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلائی۔ "اگر میں ریاض کو ملزم یا مجرم سمجھ رہا ہوتا تو اس کی صفائی کے لیے گواہی دینے عدالت میں ہرگز نہیں آتا۔ میں سمجھتا ہوں، اس بے چارے کو خوامخواہ اس کیس میں گھسیٹا جا رہا ہے۔"

"اس خوامخواہ 'گھسیٹنے' کا کوئی سبب بتا سکتے ہیں آپ؟" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

وہ ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولا۔ "ہوسکتا ہے، یہ ملزم کے کسی دشمن کا کام ہو۔"

"ہاں..... ایسا کام کوئی دوست تو نہیں کرسکتا!" میں خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا پھر گواہ، استاد رفیق کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "بالکل سچ سچ بتائیں، ملزم کے ساتھ آپ کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟"

"تعلقات کی نوعیت.....!" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

میں نے جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "میرے پوچھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ دونوں میں کتنے گہرے مراسم ہیں؟"

"میرا خیال ہے، ہمارے درمیان دوستانہ مراسم ہیں۔" وہ بڑے واضح انداز میں بولا۔ "ہم ایک دوسرے کے حالات و واقعات سے آگاہ رہتے ہیں جب بھی ہماری ملاقات ہوتی ہے ہم ایک دوسرے کے سامنے اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ "انسان کے پاس کوئی تو ایسا ہونا چاہیے جس کے سامنے وہ اپنے دل کا حال بیان کر سکے۔ اس حوالے سے آپ دونوں بڑے خوش قسمت انسان ہیں، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں جناب، آپ سو فیصد درست کہہ رہے ہیں۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے

ہوئے بولا۔ "میں واقعی خود کو اس حوالے سے بڑا خوش قسمت سمجھتا ہوں۔"

"ہم بیک گیئر لگا کر تھوڑا پیچھے جائیں گے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں استاد؟"

"جناب! میں اعتراض کرنے والا کون ہوتا ہوں۔" وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ "اس وقت جرح کی ڈرائیونگ سیٹ پر آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ گیئر، کلچ، ایکسلریٹر، بریک، ہارن..... سب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ جب چاہیں، جس کا جو بھی استعمال کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"اس مکینیکل تعاون کا بہت بہت شکریہ استاد!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "وقوعہ کے روز جب ملزم پیٹرول پمپ کے اسٹاپ سے آپ کے مزدا پر سوار ہوا تو آپ دونوں میں ہیلو ہائے کے علاوہ باقاعدہ بات چیت بھی ہوئی تھی؟"

"نہیں، باقاعدہ بات چیت نہیں ہوئی تھی۔" استاد رفیق نے جواب دیا۔ "یہ مزدا کے پچھلے حصے میں سوار ہوا تھا۔ جب کبھی وہ میرے برابر میں دائیں طرف بیٹھتا ہے تو پھر خوب گپ شپ ہوا کرتی تھی۔"

"آپ نے تھوڑی دیر پہلے میرے ایک سوال کی وضاحت میں بتایا ہے کہ آپ موقع ملنے پر ایک دوسرے کو اپنے دل کا احوال سنایا کرتے تھے۔" میں نے جرح کے سلسلے کو وائنڈ اپ کی طرف لاتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گے کہ ان دنوں ملزم کے ساتھ کون سی پریشانی چل رہی تھی؟"

ایک لمحہ سوچنے کے بعد استاد رفیق نے جواب دیا۔ "میں سمجھتا ہوں، ملزم اپنے ساتھی ڈرائیور کے رویے کی وجہ سے پریشان تھا۔"

"ساتھی ڈرائیور.....!" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔ "آپ کا مطلب ہے، استاد داؤد.....؟"

"جی، میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔" گواہ نے تصدیقی انداز میں جواب دیا۔ "آج کل اسکے ساتھ ڈرائیور داؤد ہی کا معاملہ چل رہا تھا۔"

"ملزم نے آپ کو پھر یہ بھی بتایا ہوگا کہ داؤد کا کون سا رویہ اس کے لیے پریشانی کا

باعث تھا؟''میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''جی ہاں...... بڑی وضاحت کے ساتھ بتایا تھا۔شاید آپ کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ ملزم پچھلے ایک سال سے وہ مزدا چلا رہا تھا۔اس سے پہلے وہ......''

''مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے۔''میں نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔''اس سے پہلے وہ کوئی اور مزدا چلایا کرتا تھا اور ڈرائیوری کی لائن میں وہ پچھلے پندرہ سال سے ہے۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے وکیل صاحب۔''وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔''آپ کی معلومات بالکل درست ہیں۔تو میں آپ کو بتا رہا تھا......''

''ملزم نے کئی مرتبہ مجھ سے اس امر کا ذکر کیا تھا کہ اس کا اس روٹ پر آنا استاد داؤد کو بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔وہ اندر ہی اندر اس کی کاٹ میں لگا رہتا تھا۔اس نے ملزم کی چھٹی کرانے کے لیے دو تین مرتبہ ٹرانسپورٹر نجیب آفریدی سے بھی اس کی الٹی سیدھی شکایت کی تھی لیکن چونکہ آفریدی صاحب کو ملزم سے کوئی شکایت نہیں تھی لہٰذا استاد داؤد کی خفیہ سازش کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔میں نے......''

''ایک منٹ استاد......!''میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید بولنے سے روک دیا پھر پوچھا۔''آپ نے کبھی ملزم سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ آخر استاد داؤد کو اس کی ذات سے تکلیف کیا تھی۔کیا ملزم نے کبھی غلطی سے اس کی مرغی چرالی تھی......؟''

''میں اسی طرف آ رہا تھا جناب!''وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''میں نے جب ملزم سے پوچھا کہ استاد داؤد ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے تو اس نے مجھے بتایا کہ داؤد اس کی جگہ اپنے کسی قریبی بندے کو لانا چاہتا ہے۔ملزم نے مجھے داؤد کے اس قریبی بندے کا نام بھی بتایا تھا......سلطان خان...... یہ داؤد کا رشتے دار بھی ہے۔''

''ایک آخری سوال......!''میں نے استاد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔''استاد داؤد اور کنڈیکٹر امیر جان کے درمیان کس نوعیت کے تعلقات ہیں،کبھی ملزم نے اس بارے میں بھی آپ کو بتایا تھا؟''

وٹنس باکس میں کھڑے استاد رفیق نے بڑے اعتماد سے سر کو اثباتی جنبش دی اور بتایا۔

''ان دونوں میں بڑی گہری دوستی ہے۔دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے ہیں۔''

''دیٹس آل یور آنر۔''میں نے اپنا روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔''مجھے گواہ سے اور کچھ بھی نہیں پوچھنا۔''

میں نے جرح موقوف کی تو وکیل استغاثہ وٹنس باکس کے نزدیک چلا گیا پھر کھنکار کر گلا صاف کرنے کے بعد اس نے اپنی جرح کا آغاز اس انداز میں کیا۔

''استاد رفیق! آپ کون سی کلاس کو پڑھاتے ہو......؟''

''میں تو خود کو ابھی شاگرد سمجھتا ہوں جناب۔کسی کلاس کو پڑھانے کا کیا سوال ہے۔''استاد رفیق نے عاجزی بھرے انداز میں جواب دیا۔''جب بھی موقع ملتا ہے،آپ جیسے لکھے پڑھے لوگوں سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔مجھے امید ہے،میری یہ کوشش آج بھی ضرور کامیاب ہو گی۔''

گواہ کے جواب نے وکیل استغاثہ کو گھما دیا۔جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں اس نے گواہ سے استفسار کیا۔''اگر آپ ابھی تک شاگرد ہو تو پھر اپنے نام کے ساتھ''استاد'' کا لفظ کیوں لگایا ہوا ہے؟''

''اس میں میرا کوئی قصور ہے اور نہ ہی میں نے استاد کے لفظ کو اپنے نام کے ساتھ جوڑا ہے۔''استاد رفیق نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔''یہ تو آپ جیسے تعلیم یافتہ لوگوں کی کرم فرمائی ہے ورنہ استاد کیا، میں تو شاگردوں کے بھی پاؤں کی دھول ہوں جناب!''

میری سکھائی ہوئی مت کی روشنی میں استاد رفیق نے پے در پے وکیل استغاثہ کو ایسے منہ توڑ جواب دیے کہ خود اس کی مت کہیں رخصت ہو گئی۔دس منٹ کے بعد اس نے جب جرح سے ہاتھ جھاڑے تو اس کی حالت دیدنی تھی۔مجھے اس کی بے بسی پر افسوس تو بہت ہوا لیکن میں مخالف پارٹی سے ہمدردی جتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا لہٰذا خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا۔

عدالت کا مقررہ وقت ختم ہوا تو جج نے وکیل استغاثہ کو ہدایت کی۔''وکیل صاحب! اگلی پیشی پر آپ اپنے آخری گواہ کو لے آئیں تا کہ جلد از جلد اس کیس کو نمٹایا جا سکے۔''

وکیل استغاثہ کی طبیعت خاصی ڈاؤن دکھائی دیتی تھی تاہم جج کو بھی جواب تو دینا ہی تھا۔

وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے بولا۔

''او کے یور آنر...... آئی ول ڈو...... آئندہ پیشی پر استغاثہ کا آخری گواہ امیر جان عدالت میں موجود ہوگا۔''

''آئی آبجیکٹ......!'' میں نے اپنی فائلوں پر ہاتھ مارتے ہوئے تیز آواز میں کہا۔

جج نے چشمے کے اوپر سے مجھے گھور کر دیکھا، پوچھا۔ ''بیگ صاحب! آپ کو امیر جان کے عدالت میں حاضر ہونے پر کیا اعتراض ہے؟''

''مجھے امیر جان کی حاضری پر کوئی اعتراض نہیں جناب عالی......!''

میرے اس جواب پر وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر ہکا بکا نظر سے مجھے دیکھنے لگے۔

جج نے بھی حیرت بھرے انداز میں استفسار کیا۔ ''اگر آپ کو گواہ کی حاضری پر کوئی اعتراض نہیں تو آپ نے آبجیکشن کیوں کیا؟''

''جناب عالی! مجھے صرف امیر جان کے اکیلے عدالت میں حاضر ہونے پر اعتراض ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اس کے عظیم دوست اور جوڑی دار ڈرائیور داؤد کو بھی اس کے ہمراہ آنا چاہیے۔'' میں ایک لمحے کے لیے متوقف ہوا، پھر ایک گہری سانس کھینچنے کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ استاد داؤد کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل کیوں نہیں کیا گیا۔ میرے خیال میں استاد داؤد استغاثہ کے لیے سب سے زیادہ مضبوط ثابت ہوسکتا تھا کیونکہ وقوعہ کے روز استغاثہ کے مطابق جب مرزا نے نوجوان موٹر سائیکل سوار کو ٹکر ماری تو ڈرائیونگ سیٹ پر ملزم بیٹھا ہوا تھا جبکہ ملزم کا دعویٰ ہے کہ وہ ٹھیک دو بجے سہ پہر مرزا کو داؤد کے حوالے کر کے اپنے گھر چلا گیا تھا۔ استاد رفیق کے بیان نے بڑے واضح انداز میں ملزم کے موقف کی تصدیق کر دی ہے۔ اگر استاد داؤد کو بھی استغاثہ کے گواہوں میں شامل کرلیا جاتا تو وہ عدالت میں آ کر ملزم کے بیان کو کاؤنٹر کرسکتا تھا...... پتا نہیں، استغاثہ نے استاد داؤد کو کس مقصد کے لیے کہاں چھپا کر رکھ دیا ہے!''

میری اس کاری ضرب پر وکیل استغاثہ تلملا کر رہ گیا تاہم اس نے جوابی حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس دوران میں جج باری باری وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر کے چہروں پر

ابھرنے والے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا اور خود جج کا چہرہ یہ بتاتا تھا کہ اسے استغاثہ کی دال میں کسی کالے کا احساس ہو چکا ہے۔ ''اس 'احساس' کے ساتھ ہی جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''آئندہ پیشی پر امیر جان کے ساتھ داؤد کو بھی عدالت میں حاضر کیا جائے......!''

پھر عدالت کا وقت ختم ہوگیا۔

✠ ✠ ✠

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں استاد داؤد کھڑا نظر آ رہا تھا۔

داؤد کی عمر لگ بھگ پینتالیس سال رہی ہوگی۔ وہ مضبوط کاٹھی اور درمیانے قد کا مالک تھا۔ سر کے بال آدھے سے زیادہ اڑ چکے تھے۔ اس کے ہاتھ پاؤں کسرتی اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ اس چمک کو عیاری اور مکاری کا نام دیا جا سکتا تھا۔ عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا تو میں نے وکیل مخالف سے برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔

''وکیل صاحب! امیر جان مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ نہ عدالت کے کمرے میں اور نہ ہی باہر کہیں خیریت تو ہے نا......؟''

میرے جملے کے آخری استفساریہ حصے پر وہ چونکا تاہم جلدی سے سنبھل کر بولا۔ ''امیر جان کی طرف سے بیماری کا سرٹیفکیٹ دائر کر دیا گیا ہے۔ وہ اگلی پیشی پر آسکے گا۔ آج آپ ایک گواہ ہی سے گزارہ کرلیں......'' وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگا۔

''گزارہ کرلیں گے نا......؟''

''اب آپ اتنی محبت سے گزارہ کرنے کو کہہ رہے ہیں تو آپ کا دل توڑنا مناسب نہیں ہوگا۔'' میں نے اس پر جوابی طنزیہ حملہ کر دیا۔ ''ویسے اگر آپ آج داؤد کو بھی بیمار کر دیتے تو بھی اس کیس پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔''

''جی...... کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ گھور کر مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا ڈرائیور داؤد کے جوڑی دار کنڈیکٹر امیر جان کو میں نے بیمار کیا ہے؟''

’’اگر آپ نے امیر جان کو بیمار نہیں کیا تو پھر پریشانی کی کوئی بات نہیں مائی ڈیئر۔‘‘ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ’’دراصل، میرا اشارہ آپ کی فرمائش ’’گزارہ کرنے‘‘ کی طرف تھا۔ پچھلی پیشی پر استاد رفیق کی گواہی میرے موکل کو اس کیس میں سے صاف نکالنے کے لیے کافی ہے۔ اب تک ہونے والی کارروائی کی روشنی میں بھی اگر عدالت کو فیصلہ دینا پڑے تو ملزم بڑی آسانی سے باعزت بری کر دیا جائے گا۔‘‘

وکیل استغاثہ نے برا سا منہ بنایا تاہم میری چوٹ کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔

عدالت کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ استغاثہ کے گواہوں میں شامل ہونے والے نئے پنچھی ڈرائیور داؤد نے حلف اٹھانے کے بعد اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کروایا۔ پھر وکیل استغاثہ جرح کے لیے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی کہ اگر ہنگامی بنیادوں پر ڈرائیور داؤد کو استغاثہ کا گواہ بنایا گیا تھا تو اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اسے اچھی طرح پڑھا سکھا کر عدالت کے کمرے تک لایا گیا ہوگا لیکن مجھے اس پڑھائی سکھائی کی قطعاً کوئی پروا نہیں تھی کیونکہ میں نے پچھلے چند ماہ میں داؤد اور امیر جان کے حوالے سے مکمل ری سرچ کر لی تھی۔ وہ کوئی بھی داؤ مارتے، میری جانب سے اس کا منہ توڑ جواب آتا۔

وکیل استغاثہ نے جرح کا آغاز کرتے ہوئے ڈرائیور داؤد سے پوچھا۔ ’’آپ کے گردوں کا آج کل کیا حال ہے؟‘‘

یہ ایک غیر متوقع اور غیر متعلق سوال تھا تاہم پڑھے سکھے ہوئے گواہ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ’’اللہ کا شکر ہے، پچھلے ایک ماہ سے مجھے درد نہیں ہوا۔‘‘

’’داؤد صاحب! آپ کو وہ دن تو اچھی طرح یاد ہوگا جب آپ کے مزدا کا ایک موٹر سائیکل سے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔‘‘ وکیل استغاثہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ’’اور آپ نے اس دن ڈیوٹی نہیں کی تھی؟‘‘

’’اس دن کو میں بھلا کیسے بھول سکتا ہوں جناب!‘‘ گواہ نے ایک جھرجھری لے کر جواب دیا۔

’’آپ کے چھٹی کرنے کا سبب کیا تھا؟‘‘ وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

’’اس دن میرے گردے میں شدید نوعیت کا درد اٹھا تھا۔‘‘ گواہ نے بتایا۔ ’’میں ڈیوٹی

کرنے کے قابل نہیں تھا اس لیے چھٹی کی تھی۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے، جب مزدا کا ایکسیڈنٹ ہوا، آپ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود نہیں تھے؟‘‘ وکیل استغاثہ نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

’’سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جناب!‘‘ وہ قطعیت سے بولا۔ ’’مجھے بعد میں پتا چلا تھا کہ لگ بھگ ڈھائی بجے یہ حادثہ پیش آیا تھا اور اس وقت تو میں اپنے گھر میں گہری نیند سو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے درد گردہ کے لیے جو انجکشن لگایا تھا اور دیگر دوائیں دی تھیں ان میں شاید کوئی سکون کی بھی دوا تھی۔ اس دن تو میں پورا دن گھر سے ہی نہیں نکلا تھا۔‘‘

’’یعنی آپ وہ پورا دن اپنے گھر ہی میں پڑے رہے تھے؟‘‘ وکیل استغاثہ نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔

’’جی ہاں...... بالکل!‘‘ گواہ نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

وکیل استغاثہ نے پہلے فخریہ انداز میں مجھے دیکھا پھر جج کی جانب مڑتے ہوئے بولا۔

’’مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!‘‘

جج نے پرمعنی نظر سے مجھے دیکھا۔ یہ گویا ایک اشارہ تھا کہ میں اپنی جرح کا آغاز کر سکتا ہوں۔ میں وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔ چند لمحات تک میں ٹٹولتی ہوئی نظر سے استغاثہ کے گواہ کی طرف دیکھتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے گھورنے نے اسے نروس کر دیا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ذہنی طور پر مجھ سے خائف ہے۔ اس کے اندر کہیں کوئی نہ کوئی ایسی خامی چھپی ہوئی ہے جس کے افشا ہونے کا اسے ڈر ہے۔ میں خاص طور پر اسے ڈیل کرنے کے لیے پکا انتظام کر کے آیا تھا۔ اب یہ دیکھنا تھا کہ وکیل استغاثہ نے اس غبارے میں جو ہوا بھری تھی وہ کتنی پنوں کے چبھونے سے نکلتی ہے۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور میٹھی چھری سے غیر محسوس انداز میں استغاثہ کے گواہ کو کاٹنا شروع کیا۔ ’’داؤد صاحب! آپ کے گردوں کی تکلیف کا سن کر مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ یہ بڑی اذیت ناک بیماری ہے۔ آپ کب سے اس مرض میں مبتلا ہیں؟‘‘

’’لگ بھگ دو سال ہو گئے ہیں۔‘‘ اس نے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھنے کے بعد محتاط انداز میں جواب دیا۔

"ایک گردہ یا دونوں......؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"د......دونوں!" ایک لمحہ اٹکنے کے بعد اس نے جواب دیا۔

میں آسانی سے اس کی جان چھوڑنے والا نہیں تھا۔ بظاہر ہمدردانہ انداز میں سوال کیا۔

"بیک وقت دونوں یا......؟"

"کبھی ایک......کبھی دوسرا......" اس نے الجھن زدہ لہجے میں بتایا۔ "اور کبھی بدقسمتی سے دونوں ایک ساتھ......!"

"داؤد صاحب!" میں نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔ "آپ گردوں کی سنگین بیماری میں مبتلا ہیں، اس کے باوجود آپ کو اپنی صحت کا ذرا خیال نہیں ہے؟"

"کیوں......!" اس نے حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "میں نے ایسا کیا کیا ہے؟"

"آپ بہت زیادہ بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں داؤد صاحب!" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اللہ کو مانیں اور اپنی بری عادت کو ترک کر دیں۔"

"لیکن......میں نے کیا کیا ہے، یہ تو بتا دیں؟" وہ سٹپٹائے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں اسے اسی کیفیت میں لانا چاہتا تھا لیکن اس مرحلے پر وکیل استغاثہ نے اپنی موجودی کا ثبوت دیتے ہوئے گواہ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ وہ جج سے مخاطب ہو کر تیز، چیخ سے مشابہ آواز میں بولا۔

"آبجیکشن یور آنر......!"

"آپ کو اچانک کیا ہو گیا مائی ڈیئر کونسلر؟" میں نے مرچیں چھڑکنے والے انداز میں کہا۔

وہ مجھے اور میرے تلخ تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے جج سے بولا۔ "جناب عالی! یہاں مرزا ایکسیڈنٹ کیس کی سماعت ہو رہی ہے اور وکیل صفائی، استغاثہ کے گواہ کی بیماری کو پکڑ کر بیٹھ گئے ہیں جس سے معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد ہو رہا ہے۔ عدالت سے میری استدعا ہے کہ فاضل وکیل کو ایسی حرکت سے باز رہنے کی تاکید کی جائے......"

جج نے میری طرف دیکھا اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "بیگ صاحب! گواہ کے درد

گردہ کا زیر سماعت کیس سے کوئی تعلق بنتا ہے؟"

"بالکل بنتا ہے جناب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "گواہ کی بیماری اور زیر سماعت کیس میں دہرا تعلق ہے......ایک رشتہ گواہ کے بیان اور کیس کی صحت کا ہے اور دوسرا رشتہ اس کیس کی حقیقت اور سچائی کا ہے۔ اگر مجھے موقع دیا جائے تو میں ان دونوں رشتوں کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔"

جج نے مجھے اجازت مرحمت کرتے ہوئے کہا۔ "بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ......"

میں نے فاتحانہ نظر سے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا۔ وہ اپنی تکلیف ظاہر کیے بنا نہ رہ سکا۔

"میرے فاضل دوست!" وہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "برائے مہربانی آپ گواہ کو یہ تو بتا دیں کہ اپنی بیماری کے سلسلے میں اس نے کون سی کوتاہی کی ہے؟"

"ضرور......!" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "یہ تو میرا فرض اور مجھ پر قرض ہے۔"

پھر میں استغاثہ کے گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا اور اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے سوال کیا۔ "داؤد صاحب! کیا آپ اسموکنگ کرتے ہیں؟"

"ہاں کرتا ہوں۔" اس نے بلاخوف وخطر جواب دیا۔

"آپ کون سا برانڈ خریدتے ہیں؟"

"جی کیا مطلب......؟" اس نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "میں پوچھ رہا ہوں، آپ جو سگریٹ پیتے ہیں اس کا نام کیا ہے؟"

"جی......میں کے ٹو پیتا ہوں۔" اس نے سکون کی سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ دن میں سگریٹ کی دو ڈبیا پھونک ڈالتے ہیں؟"

"دو نہیں......" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "ایک......یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ!"

"کیا آپ کے ڈاکٹر کو یہ بات معلوم ہے کہ آپ روزانہ ایک سے ڈیڑھ سگریٹ کی ڈبیا پھونک ڈالتے ہیں؟"

"جی ہاں، میں نے اپنے ڈاکٹر کو اس بارے میں بتا رکھا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اس میں آخر ایسی چھپانے والی کون سی بات ہے!"

"کیا آپ کے ڈاکٹر نے کبھی آپ کو سگریٹ نوشی سے منع نہیں کیا؟" میں جرح کا پھندا غیر محسوس انداز میں تنگ کرتا چلا جا رہا تھا۔

"نہیں جناب......!" اس نے متاملانہ لہجے میں کہا۔ "سگریٹ نوشی سے تو کینسر اور دل کی بیماریاں ہوتی ہیں۔ گردوں کے درد کا اس سے کیا تعلق؟"

"داؤد صاحب! آپ جس ڈاکٹر سے اپنے گردوں کا علاج کراتے ہیں اس کا نام کیا ہے؟" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

"ڈاکٹر ایوب!" اس نے کھنک سے جواب دیا۔

"کیا آپ ایک ہی ڈاکٹر سے علاج کراتے ہیں یا ہر دفعہ نئے ڈاکٹر کے کلینک کا رخ کرتے ہیں؟"

"میں ہر بار ایک ہی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہوں۔"

"یعنی ڈاکٹر ایوب کے پاس؟"

"جی ہاں!"

"ڈاکٹر ایوب کا کلینک کہاں پر واقع ہے؟"

"میرے گھر کے قریب۔" گواہ نے جواب دیا۔ "گجر نالا کے علاقے میں......"

میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "داؤد صاحب! اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں اگلی پیشی پر ڈاکٹر ایوب کو عدالت میں بلانا چاہتا ہوں۔"

"کیوں...... کس لیے؟" وہ بدک کر بولا۔

"کان کھینچنے کے لیے......!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں کہا۔

وہ آنکھیں سکیڑ کر بولا۔ "جی...... میں کچھ سمجھا نہیں؟"

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "میں ڈاکٹر ایوب کو عدالت میں بلا کر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے آپ کو سگریٹ نوشی ترک کرنے یا کم سے کم سگریٹ پینے کی تلقین کیوں نہیں کی۔ کیا اس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سگریٹ نوشی کینسر اور دل کی بیماریوں کے علاوہ گردے، جگر اور

معدے کا بھی سوا ستیاناس مار کر رکھ دیتی ہے؟"

"وہ جی...... ڈاکٹر صاحب کو...... یہاں بلانے کی ضرورت نہیں......" وہ سہمی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟" میں نے اسے گھورا۔ "کیا تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ ڈاکٹر عدالت میں آ کر تمہارے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ ڈالے گا؟"

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ اس وقت ایک مشکل میں گرفتار ہے۔ اس نے باری باری انکوائری آفیسر اور وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا پھر جلدی سے بات بناتے ہوئے بولا۔

"وہ بات دراصل یہ ہے جناب...... کہ ڈاکٹر صاحب نے تو مجھے سگریٹ نوشی کرنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے۔ یہ تو میں خود ہی باز نہیں آتا۔ میں نے بہت کوشش کی اس عادت کو چھوڑنے کی لیکن بس......!"

"چلو کوئی بات نہیں۔" میں نے اس کے ادھورے جملے کے جواب میں کہا۔ "تم نے سچ بول کر میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب میں ڈاکٹر ایوب کو گواہی کے لیے یہاں نہیں بلاؤں گا۔ میں جانتا ہوں، بری عادتیں آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ خیر......" میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"ایک معاملے میں، میں تمہاری بالکل نہیں سنوں گا!"

میری بات اس کے پلے نہ پڑی، متذبذب نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"کس معاملے میں بیگ صاحب!"

"امتیاز بھائی کے معاملے میں!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"امتیاز بھائی......!" وہ چونکے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوا۔ "یہ کون ہیں وکیل صاحب......؟"

"کمال ہے...... آپ امتیاز بھائی کو نہیں جانتے۔" میں دوبارہ "تم" سے آپ پر آ گیا اور ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "داؤد صاحب! یہ وہی امتیاز بھائی ہیں جن کی ادھر پیٹرول پمپ کے بس اسٹاپ پر پان سگریٹ کی دکان ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ......!" وہ بے ساختہ بولا۔ "آپ ان امتیاز بھائی کی بات کر رہے ہیں۔ پتا نہیں، میرا دھیان کہاں چلا گیا تھا......!"

"اگر آپ کا دھیان واپس نہ آتا تو میں اس کام کے لیے امتیاز بھائی کو آپ کے سامنے کھڑا کر دیتا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "امتیاز بھائی اس وقت عدالت کے باہر برآمدے میں موجود ہیں۔"

"امتیاز بھائی یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟" اس نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔

"اس بات کی گواہی دینے کہ آپ انہیں اور وہ آپ کو اچھی طرح جانتے ہیں۔" میں بڑی احتیاط کے ساتھ استغاثہ کے گواہ کی نفسیات سے کھیل رہا تھا۔

وہ جلدی سے بولا۔ "وکیل صاحب! اس گواہی کی بالکل ضرورت نہیں۔ میں امتیاز بھائی کو جانتا ہوں۔ اکثر میں سگریٹ انہی کی دکان سے خریدتا ہوں۔ وہ بہت نیک اور ایمان دار انسان ہیں۔ آج کل مارکیٹ میں دو نمبر سگریٹ بہت آئی ہوئی ہے لیکن امتیاز بھائی کے کیبن سے ایک دم اصلی مال ملتا ہے......!" وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر پریشانی سے بھرپور انداز میں اس نے مجھ سے پوچھا۔

"وکیل صاحب! بالکل سچ سچ بتائیں، کیا امتیاز بھائی باہر برآمدے میں موجود ہیں؟" اس کے استفسار میں گہری تشویش پائی جاتی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے "امتیاز بھائی" کے حوالے سے سراسر غلط بیانی سے کام لیا تھا محض استغاثہ کے گواہ کی زبان کھلوانے کے لیے ورنہ کمرے کے باہر کوئی امتیاز بھائی، وتیاز بھائی موجود نہیں تھا البتہ یہ ہے کہ امتیاز بھائی پان اینڈ سگریٹ فروش کی ذات اور کاروبار کے حوالے سے میں یہاں پر جو معلومات استعمال کر رہا تھا ان میں ذرہ برابر بھی نقص نہیں تھا۔ میں نے اس سلسلے میں مکمل ہوم ورک کر رکھا تھا۔

"تو کیا میں آپ سے جھوٹ بولوں گا داؤد صاحب!" میں نے اس کے استفسار کے جواب میں کہا۔ "میں کسی درد گردہ کے مریض سے غلط بیانی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "داؤد صاحب! آپ جانتے ہیں کہ امتیاز بھائی آپ کو اور آپ امتیاز بھائی کو اچھی طرح جانتے ہیں؟"

"جی ہاں اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش ہی نہیں۔"

"اور آپ نے مجھے بتایا ہے کہ امتیاز بھائی بہت ہی نیک اور ایمان دار انسان ہیں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"جی ہاں۔ یہ صرف میں ہی نہیں کہتا بلکہ ان کے بارے میں اکثر لوگوں کا یہی خیال ہے۔" گواہ نے جواب دیا۔

"نیک اور ایمان دار انسان کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا......!" میں نے الجھن میں مبتلا ہونے کی اداکاری کی۔

گواہ نے ترت پوچھا۔ "تو کیا امتیاز بھائی نے آپ سے کوئی جھوٹ بولا ہے؟"

میں نے بہ دستور الجھن زدہ لہجے میں کہا۔ "امتیاز بھائی کی ایک بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی......!"

وکیل استغاثہ، انکوائری آفیسر، جج اور حاضرین عدالت بڑی توجہ اور دلچسپی سے میری اور گواہ کی مکالمت دیکھ اور سن رہے تھے حتیٰ کہ ملزم بھی بڑے انہماک سے ہمیں دیکھ اور سن رہا تھا۔ اس انہماک، توجہ اور دلچسپی کے ساتھ ساتھ ان سب کی آنکھوں اور چہروں پر ایک واضح الجھن کے آثار بھی دیکھے جا سکتے تھے...... یہ الجھن تھی اس امر کی کہ آخر میں استغاثہ کے گواہ پر یہ کس قسم کی جرح کر رہا ہوں۔ داؤد نے میری الجھن کے جواب میں پوچھا۔

"وکیل صاحب! امتیاز بھائی کی کون سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی؟"

"امتیاز بھائی نے بڑے وثوق سے مجھے بتایا ہے کہ......" میں نے بھرپور ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "کہ وقوعہ کے روز سہ پہر دو بجے آپ نے ان سے دو پیکٹ "کے ٹو" سگریٹ کے خریدے تھے اور دعا سلام کے بعد اپنے گھر کی طرف چلے گئے تھے۔" گھر کی طرف چلے گئے...... کے الفاظ میں نے ایک خاص مقصد کے تحت بڑھائے تھے۔

"ہاں...... تو اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔" وہ رواداری میں کہہ گیا۔ "اگر امتیاز بھائی ایسا کہہ رہے ہیں تو یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔ میں تو اکثر ان سے دو پیکٹ سگریٹ ایک ساتھ خریدتا ہوں...... وہ بھلا جھوٹ کیوں بولیں گے؟"

"ہاں...... اب میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں کہ آپ نے وقوعہ کے روز دو بجے سہ پہر امتیاز بھائی سے دو پیکٹ سگریٹ خریدے تھے......!" میں نے گواہ کی آنکھوں میں بہت دور تک

جھانکتے ہوئے کہا۔ ''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی ہاں...... بالکل، بالکل۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

گواہ کے اس بے ساختہ جواب نے وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے لیکن میں نے انہیں کسی قسم کے وار یا حملے کی مہلت نہیں دی اور گواہ پر تابڑ توڑ اٹیک شروع کر دیا۔ میں نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا اور سخت لہجے میں کہا۔

''لیکن داؤد صاحب! اگر آپ امتیاز بھائی کے بیان کی تصدیق کرتے ہو تو پھر آپ کے لیے بڑی مصیبت کھڑی ہو جائے گی؟''

''کیسی مصیبت......؟'' وہ خوف زدہ انداز میں میری جانب دیکھتے ہوئے مستفسر ہوا۔ وہ وکیل استغاثہ کے چہرے پر ابھرنے والے، مایوسی بھرے سرزنشی تاثرات کو دیکھ کر ایک دم نروس ہو گیا تھا۔

میں نے فاتحانہ انداز میں جج کی طرف دیکھا پھر روئے سخن گواہ کی جانب موڑتے ہوئے، ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''داؤد صاحب! وقوعہ کے روز یعنی تیرہ اکتوبر، بروز جمعرات، سہ پہر دو بجے تو آپ گہری نیند میں تھے۔ اس روز بقول آپ کے...... درد گردہ نے آپ کی زندگی کو عذاب میں ڈال رکھا تھا۔ آپ ڈیوٹی کے بھی قابل نہیں رہے تھے اسی لیے مذکورہ روز آپ نے مزدا کی ڈرائیونگ سے بھی چھٹی کر لی تھی۔ درد گردہ رفع کرنے کے لیے ڈاکٹر نے آپ کو جو انجکشن اور دوائیں دی تھیں ان میں سکون آوری کا بھی بندوبست تھا لہٰذا آپ گھر پر پڑے پورا دن سوتے رہے۔ آپ نے وکیل استغاثہ کے سوالات کے جوابات میں بتایا ہے کہ وقوعہ کے روز آپ صرف ڈاکٹر کے پاس دوا لینے گئے تھے۔ علاوہ ازیں آپ ایک منٹ کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں گئے تھے اور خاص طور پر تو جس وقت مزدا اور موٹر سائیکل کا ایکسیڈنٹ ہوا، آپ اپنے گھر میں پڑے گہری نیند سو رہے تھے یعنی سہ پہر دو اور ڈھائی بجے کے دوران...... تو پھر......!''

میں لمحے بھر کے لیے تھما، ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''تو داؤد صاحب...... جس وقت آپ گہری نیند سو رہے تھے، عین اسی وقت آپ نے امتیاز بھائی سے سگریٹ کے دو پیکٹ کیسے خرید لیے...... مجھے تو لگتا ہے، امتیاز بھائی نے اس معاملے میں مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔ میں ابھی انہیں اندر بلاتا ہوں تاکہ آپ کے سامنے دودھ کا دودھ اور

پانی کا پانی الگ ہو جائے۔'' بات ختم کرتے ہی میں نے پُر اشتیاق نظر سے دروازے کی جانب دیکھا۔

میرا یہ نفسیاتی حربہ کارگر ثابت ہوا۔ یہ سنتے ہی کہ میں گواہی کے لئے امتیاز بھائی کو اندر بلانے کا ارادہ رکھتا ہوں، گواہ کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی۔ اس نے اضطراری لہجے میں بے ساختہ کہا۔

''میرا خیال ہے، امتیاز بھائی غلط نہیں کہہ رہے۔ میں نے اس روز ان سے دو پیکٹ کے ٹو سگریٹ خریدے تھے۔''

''میں وقوعہ کے روز کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے تصدیق طلب انداز میں کہا۔ ''یعنی تیرہ اکتوبر، بروز جمعرات، سہ پہر دو بجے......؟''

''جی...... جی ہاں......!'' وہ لکنت زدہ آواز میں بولا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وقوعہ کے روز آپ سہ پہر دو بجے پیٹرول پمپ کے بس اسٹاپ پر موجود تھے......؟''

''آبجیکشن یور آنر......!'' گواہ کے جواب دینے سے پہلے وکیل استغاثہ نے چلّا کر کہا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''میرے فاضل دوست! تیر کمان سے نکل چکا ہے......!''

پھر اس سے پہلے کہ جج، وکیل استغاثہ کے آبجیکشن پر اسے ''وضاحت'' کا موقع دیتا، میں کسی جن کے مانند گواہ سے لپٹ گیا۔ اب میں نے آپ جناب کا لحاظ لپیٹ کر ایک جانب رکھ دیا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

''وقوعہ کے روز تم پیٹرول پمپ کے اسٹاپ پر موجود تھے۔ تم نے امتیاز بھائی سے ''کے ٹو'' برانڈ کے دو پیکٹ سگریٹ خریدے اور گھر کی طرف چل پڑے۔ میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا......؟''

''نن...... نہیں......!'' وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''بالکل ایسا نہیں ہوا تھا...... میں نے سگریٹ کی پیکٹ خریدے اور...... اور...... اور......؟'' وہ بولتے بولتے یکدم رک گیا پھر متوحش نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''بالکل ایسا نہیں ہوا تھا تو پھر کیسا ہوا تھا...... کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ سگریٹ کے دو پیکٹ خریدنے کے بعد تم اپنے گھر کیطرف نہیں چل پڑے تھے بلکہ......؟''

''جج......'' وہ میرے ادھورے جملے کے جواب میں تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

''جی......!''

میں نے اٹیک جاری رکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''گھر کی سمت جانے کے بجائے تم مزدا کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھے تھے اور معمول کی ڈیوٹی سنبھال لی تھی......؟''

''جی ہاں......!'' اس نے مریل سی آواز میں کہا۔

میں نے اس انداز میں باندھ کر رکھ دیا تھا کہ اس کے پاس انکار کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے وار کے لیے ہتھوڑے کے وزن میں کئی گنا اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم روزانہ پیٹرول پمپ کے بس اسٹاپ پر ہی ملزم ریاض علی سے مزدا لیا کرتے تھے؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے سوال کیا۔

''جب ملزم نے وقوعہ کے روز مذکورہ مزدا تمہارے سپرد کر کے اپنے گھر کی راہ پکڑی تو تم مزدا کو لے کر نارتھ کی طرف چل پڑے تھے؟''

اس نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں گردن ہلائی۔

میں نے پوچھا۔ ''بورڈ آفس کے پاس جب مزدا نے بدنصیب نوجوان موٹر سائیکل سوار کو بری طرح کچل ڈالا، تم اور کنڈیکٹر امیر جان تپلی گلی سے فرار ہو گئے تھے تا کہ لوگوں کے غم وغصے اور جوتا کاری سے محفوظ رہ سکو...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں جناب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' گواہ نے جواب دیا۔ ''ایسے مواقع پر اگر مزدا کا ڈرائیور اور کنڈیکٹر مشتعل افراد کے ہتھے چڑھ جائیں تو وہ ان کی تکا بوٹی بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ اپنی جان بچانا تو ہر انسان پر فرض ہے نا......''

''تو تم معزز عدالت کے روبرو یہ حقیقت تسلیم کرتے ہو کہ جب تیرہ اکتوبر کی سہ پہر مزدا نے موٹر سائیکل سوار نوجوان کو موت کے گھاٹ اتارا، اس قاتل مزدا کی ڈرائیونگ سیٹ پر تم موجود

تھے؟''

''نہیں...... بالکل نہیں وکیل صاحب!'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

تھوڑی دیر پہلے وہ خاصا ڈرا سہا اور خوف زدہ دکھائی دے رہا تھا اور میں سمجھ رہا تھا کہ وہ بس اب اقبال جرم کرنے ہی والا ہے لیکن اس کے پُر اعتماد ''نہیں......!'' نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کیا مطلب...... اگر اس موقع پر تم مزدا ڈرائیو نہیں کر رہے تھے تو کیا کوئی بھوت اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا؟''

''نہ جن...... اور نہ ہی کوئی بھوت......!'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''پھر؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''اب میں کوئی جھوٹ نہیں بولوں گا سر'' داؤد براہ راست جج سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''معاملہ اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ میری زبان سے نکلنے والا کوئی بھی جھوٹ نہ تو چھپایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے نبھانا میرے لیے ممکن ہے۔''

''عدالت سچ بولنے والے انسان کو پسند کرتی ہے اور اسے ہر ممکن رعایت دینے کی کوشش کرتی ہے۔'' جج نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اور مسٹر داؤد! تم پر بھی اسی اصول کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا پوری دیانت داری سے بتا دو کہ حقیقت کیا ہے؟''

''سر...... حقیقت یہ ہے کہ جب حادثہ پیش آیا، مزدا کو میں نہیں، بلکہ کنڈیکٹر امیر جان چلا رہا تھا......!'' داؤد نے ٹھوس انداز میں اظہار حقیقت کر دیا۔

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے موکل اور اس کیس کے ملزم ریاض علی کو باعزت بری کر دیا۔

استاد رفیق کی شہادت نے میرے موکل کی پوزیشن اگر صاف کر دی تھی تو ڈرائیور داؤد کے بیان نے اس پوزیشن کو شفاف کر دیا۔ اگر کسی شخص کا کردار عدالت کے سامنے صاف اور شفاف ثابت ہو جائے تو پھر اس شخص کی باعزت رہائی لازمی ہو جاتی ہے۔

ڈرائیور داؤد نے معزز عدالت کے روبرو جو نیا بیان ریکارڈ کرایا وہ تو خاصا طولانی ہے۔ میں اسے من وعین یہاں درج کر کے آپ کو بور نہیں کروں گا البتہ اس کے اہم پوائنٹس آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔

داؤد اور امیر جان میں گاڑھی چھنتی تھی۔ وہ دونوں ریاض کو قطعی ناپسند کرتے تھے۔ داؤد، سلطان خان نامی جس ڈرائیور کو ریاض کی جگہ لانا چاہتا تھا وہ درحقیقت امیر جان کا رشتے دار تھا۔ داؤد سے محض اس کی یاری دوستی تھی۔ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ ان دنوں داؤد امیر جان کو ڈرائیونگ سکھا رہا تھا اور پریکٹس کے لیے وہ روٹ پر تھوڑی دیر کے لیے گاڑی ڈرائیو کرنے کے لیے اسے دے دیا کرتا تھا اور خود کنڈیکٹری کا ''عہدہ'' سنبھال لیتا تھا۔ وقوعہ کے روز، ریاض علی کے جانے کے بعد داؤد نے گاڑی امیر جان کے حوالے کر دی تھی اور کہا تھا کہ ناگن چورنگی تک وہ ڈرائیونگ کرے گا۔ امیر جان کی بدقسمتی اور کسی حد تک ناتجربہ کاری کہ بورڈ آفس کے مقام پر وہ خوفناک حادثہ پیش آ گیا جس میں نوجوان ناصر محمود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

حادثے کے فوراً بعد امیر جان اور داؤد جائے وقوعہ سے ایک ساتھ غائب ہو گئے تھے۔ اسی غیاب کے دورانی لمحات میں ان کے شیطانی ذہنوں نے مل کر یہ منصوبہ بنایا کہ اس معاملے میں ریاض علی کو پھنسا کر وہ صاف بچ سکتے ہیں۔ اس طرح بقول ان کے...... سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی محفوظ رہتی!

اس کے بعد جو کچھ ہوا ہو گا وہ سب آپ کے سامنے ہے، اس سلسلے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

جو انسان کسی دوسرے انسان کے لیے گڑھا کھودتا ہے، ایک روز وہ خود اسی گڑھے میں گرا دکھائی دیتا ہے۔ یہی قدرت کا اصول ہے اور...... قدرت کسی خاص و عام کے لیے اپنے اصولوں میں تبدیلی نہیں لاتی۔ جلد یا بہ دیر...... قانون قدرت اپنا رنگ دکھا کر ہی رہتا ہے۔ ریاض جیسے بے چارے، مصیبت کے مارے لوگوں کو قدرت ضرور نوازتی ہے...... صبر کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

مہنگی ہمدردی

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی چہرے کو دیکھ کر ہم چونک جاتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس شخص کو ہم نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ کہاں...... یہ یاد نہیں آتا لہٰذا ذہن الجھن کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

میں بھی اس وقت کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار تھا۔ میں ایک عدالت سے نکل کر دوسری عدالت کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک اس پر میری نگاہ پڑ گئی۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ یا تو مجھے پہچان چکا ہے یا پھر پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ بہرحال، لمحاتی تگ و دو کے بعد وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا اور سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''بیگ صاحب......!''

اس لمحے مجھے بھی یاد آ گیا کہ میں نے اس شخص کو پہلے کہاں دیکھا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی اس کا نام بھی میرے ذہن میں تازہ ہو گیا اور اس کی پکار کے جواب میں، میں نے پوچھا۔

''فیصل...... تم یہاں؟''

''تم یہاں'' کے الفاظ میں نے ایک خاص سچویشن کے پیش نظر استعمال کیے تھے۔ کیونکہ فیصل اس وقت دو پولیس والوں کی کسٹڈی میں تھا جو اسے جیل کی گاڑی کی طرف لے جا رہے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی سنگین جرم کے سلسلے میں، جیل میں بند تھا اور اسے پیشی پر عدالت میں لایا گیا تھا اور اب واپس جیل لے جایا جا رہا تھا۔ میرے استفسار کے جواب میں فیصل نے دکھی لہجے میں بتایا۔

"بیگ صاحب! میں پچھلے چھ ماہ سے جیل میں بند ہوں۔ مجھ پر قتل کا الزام ہے۔ یہ کیس عدالت میں چل رہا ہے لیکن ابھی تک کسی قسم کی کوئی پیش رفت دیکھنے میں نہیں آئی۔ مجھے جو وکیل میسر ہے وہ بہت ہی ڈھیلا ثابت ہو رہا ہے۔ لگتا ہے، وہ مخالف پارٹی سے جا ملا ہے اور......"

"او بس بھئی، لاٹ صاحب کی اولاد......!" جس پولیس والے کے ہاتھ میں ہتھکڑی کا دوسرا سرا تھا، اس نے ایک جھٹکا دیتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "ہمارے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے جو تمہیں ان فضول کہانیوں کا موقع دیں۔ چلو...... بیٹھو وین میں!"

"ایک منٹ......!" میں نے پولیس والے کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے ملزم سے ایک دو سوال کرنے دو، پھر تم اسے جہاں دل چاہے، لے جانا۔"

پولیس والے نے سر سے پاؤں تک گھور کر مجھے دیکھا۔ میں نے اسے اور اس کی نظر کو نظر انداز کرتے ہوئے فیصل سے پوچھا۔

"تم نے وکیل خود کیا ہے یا وہ وکیل سرکار نے تمہیں مہیا کیا ہے؟"

"وکیل تو پرائیویٹ ہے جناب!" اس نے جواب دیا۔ "میری بیوی نے باقاعدہ فیس دے کر میرے لیے اسے کھڑا کیا ہے لیکن اس عرصے کے دوران یہ ثابت ہوا ہے کہ میرا وکیل ایک بے ضمیر اور لالچی انسان ہے۔ مجھے شک ہے کہ وہ مخالف پارٹی کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا ہے جب ہی چھ ماہ گزر جانے کے باوجود کیس جوں کا توں ایک ہی جگہ کھڑا ہے۔"

"ہوں......!" میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔ "اس دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔"

"بیگ صاحب......!" وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اچھا ہوا، یہاں آپ سے ملاقات ہو گئی۔ میں چاہتا ہوں، آپ میرا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیں۔"

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "دوسری عدالت میں میرے کیس کی آواز پڑنے والی ہے، تم اپنی بیوی کو میرے آفس بھیجنا۔ میں دیکھتا ہوں، تمہارے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ بیگ صاحب!" وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولا۔

میں نے پوچھا۔ "اگلی پیشی کب ہے۔"

"پندرہ دن بعد۔"

"پھر تو کافی وقت ہے!" میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"آج فرزانہ مجھ سے ملنے آئے گی۔" فیصل نے بتایا۔ "میں اسے آپ سے ملنے کے لیے کہہ دوں گا۔ وہ کل آپ کے دفتر پہنچ جائے گی۔"

فرزانہ فیصل کی بیوی کا نام تھا۔ میں نے دائیں بائیں نگاہ دوڑانے کے بعد کہا۔ "کیا فرزانہ آج پیشی پر عدالت نہیں آئی؟"

"نہیں جناب......" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ آج کہیں اور مصروف ہے۔"

میں نے فرزانہ کی "مصروفیت" کے حوالے سے کوئی سوال نہیں کیا۔ اس طرح خوامخواہ بحث کا ایک نیا در کھل جاتا اور ایسے کسی کام کے لیے میرے پاس وقت بالکل نہیں تھا۔ دونوں پولیس والوں نے فیصل کو جیل وین کی جانب دھکیلا تو میں متعلقہ عدالت کی طرف بڑھ گیا۔

✠ ✠ ✠

فیصل سے میری پہلی ملاقات گلشن کی ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ میں ہوئی تھی۔ وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا ایک شریف النفس انسان تھا۔ دراصل، مذکورہ اپارٹمنٹس بلڈنگ میں میرا جانا ایک خاص مقصد سے تھا۔ وہاں میرا ایک دوست رہتا تھا۔ صفدر نامی وہ دوست بہت اچھا میوزیشن تھا لیکن پتا نہیں اچانک قدرت کس بات پر اس سے ناراض ہو گئی تھی۔ صفدر پر فالج کا ایسا خطرناک حملہ ہوا کہ وہ زندگی بھر کے لیے اپنے بستر تک محدود ہو کر رہ گیا۔ دھنیں کمپوز کرنا تو دور کی بات، وہ اپنی مرضی سے حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں رہا تھا۔ میں ہفتے دس دن میں صفدر کی دل جوئی کے لیے اس کے فلیٹ پر چلا جاتا تھا اور گھنٹہ، دو گھنٹہ بیٹھ کر واپس آ جاتا تھا۔ فیصل، صفدر کے سامنے والے فلیٹ میں رہتا تھا اور اکثر اس سے بھی میری ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ فیصل اور اس کی بیوی فرزانہ بہت اچھے لوگ تھے اور اپنے پڑوسی صفدر کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ صفدر اور اس کی بیوی شائستہ ان کی بہت تعریف کرتے تھے۔ کچھ عرصہ قبل صفدر کا انتقال ہو گیا تھا لہٰذا اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں اب میرا جانا نہیں ہوتا تھا۔ شائستہ کراچی سے لاہور شفٹ ہو گئی تھی جہاں اس کا میکا تھا۔

اگلے روز میں عدالتی بکھیڑوں سے فارغ ہو کر اپنے دفتر پہنچا تو فرزانہ کو وہاں موجود پایا۔

ں وقت وزیٹرز لابی میں زیادہ رش نہیں تھا لہٰذا میں نے فرزانہ کو فوراً اپنے چیمبر میں بلا لیا۔ رسمی یک سلیک کے بعد میں نے کہا۔

"جی فرزانہ! مجھے تفصیل سے بتائیں، آپ کا شوہر کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے؟"

فرزانہ کی عمر لگ بھگ تیس سال رہی ہوگی۔ وہ دبلی پتلی اور اسمارٹ عورت تھی۔ ان کی شادی کو میری معلومات کے مطابق آٹھ سال ہو گئے تھے۔ اس جوڑے کی صرف ایک اولاد تھی...... سات سالہ عظمیٰ جو کلاس ٹو کی اسٹوڈنٹ تھی۔ فرزانہ، اپنی بیٹی عظمیٰ کو گھر چھوڑ کر مجھ سے ملنے آئی تھی۔ آج کل فرزانہ کی چھوٹی بہن شبانہ اس کے گھر میں رہنے کے لیے آئی ہوئی تھی جو فرزانہ کی غیر موجودگی میں عظمیٰ کا خیال رکھتی تھی۔

میرے سوال کے جواب میں فرزانہ پانچ چھ منٹ تک مختلف زاویوں سے مجھے یہ بتانے کی کوشش کرتی رہی کہ فیصل کا وکیل کتنا بدنیت اور ہڈ حرام ہے۔ ابھی تک اس نے کوئی قابل ذکر یا ناقابل ذکر کارکردگی نہیں دکھائی اور...... یہ کہ وہ فیصل کی وجہ سے سخت پریشان ہے۔ وغیرہ وغیرہ......!

مجھے مجبوراً مداخلت کرنا پڑی کیونکہ اس کی فراہم کردہ معلومات میرے لیے کسی بھی کام کی نہیں تھیں۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔

"فرزانہ صاحبہ! آپ کے شوہر کا کیس اب میرے ہاتھ میں آنے والا ہے۔ اس لیے یہ قصہ تو بھول ہی جائیں کہ پہلے وکیل نے کیا کیا ہے۔ سمجھیں، آج سے اس وکیل کی چھٹی ہو گئی......!"

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ مجھے دیکھنے لگی تاہم زبان سے کچھ نہ بولی۔

میں نے کہا۔ "فرزانہ بی بی...... آپ مجھے اس کیس کے بارے میں بتاؤ......؟"

"جی...... کیس کے بارے میں تو میں کچھ نہیں جانتی......!" وہ بے بسی سے مجھے تکنے لگی۔

میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ "کچھ نہیں جانتی...... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ......" وہ متذبذب لہجے میں بولی۔ "حالات و واقعات اس طرح آپس میں گڈمڈ ہو گئے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آ رہا، کہاں سے شروع کروں...... اور کیا بتاؤں، کیا نہیں

بتاؤں......؟"

اچانک کوئی افتاد سر پر آن پڑے تو انسان بری طرح بوکھلا کر رہ جاتا ہے۔ فرزانہ بے چاری کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ میں اس کی پرابلم کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا لیکن میری یہ مجبوری تھی کہ جب تک مجھے اس کیس کے حوالے سے مناسب بنیادی معلومات حاصل نہ ہو جائیں، میں ہاتھ پاؤں ہلانے اور ذہن کے گھوڑے دوڑانے کی پوزیشن میں نہیں آ سکتا تھا۔ لہٰذا فرزانہ کی مدد کے خیال سے میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فرزانہ صاحبہ! مجھے آپ کی پریشانی کا بخوبی احساس ہے۔ ٹھہریں، اس سلسلے میں، میں آپ کے لیے آسانی پیدا کر دیتا ہوں......"

میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی تو فرزانہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"آپ کے شوہر فیصل پر کس کے قتل کا الزام ہے؟"

"اس بندے کا نام عدنان علی تھا......" اس نے جواب دیا۔

"کیا آپ مقتول کو جانتی ہیں؟" میں نے استفسار کیا۔

"صرف نام کی حد تک۔" اس نے بتایا۔ "اور وہ بھی میں نے فیصل ہی کی زبان سے سنا تھا کیونکہ فیصل اس شخص کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔"

"فیصل، مقتول کی وجہ سے کیوں پریشان تھا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔ یہ ایک اچھا زاویہ سامنے آیا تھا۔

فرزانہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے بتایا۔ "عدنان جب سے اس دفتر میں آیا تھا، اس نے فیصل کے خلاف سازشیں شروع کر دی تھیں۔ ہر روز کوئی نیا ایشو اٹھ کھڑا ہوتا اور فیصل کے لیے ٹینشن کا سامان ہو جاتا......"

"ایک منٹ......!" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "آپ نے بتایا ہے کہ جب سے عدنان...... فیصل کے دفتر میں آیا تھا، بدمزگی پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس کا مطلب ہے، مقتول کو اس آفس میں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا؟"

یہ بات مجھے پہلے سے معلوم تھی کہ فیصل کا شعبہ مارکیٹنگ تھا اور وہ ایک آئل بنانے والی

رم کے لیے کام کرتا تھا۔ مذکورہ فرم ایک مشہور 'ہیئر آئل' بناتی تھی جو اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک بھی فروخت کے لیے ایکسپورٹ کیا جاتا تھا۔ فرزانہ نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

"جی بیگ صاحب! جب یہ اندوہناک واقعہ پیش آیا، مقتول کو وہ دفتر جوائن کئے صرف چار ماہ ہوئے تھے۔ فیصل اور عدنان کے بیچ جو چپقلش چل رہی تھی، اسی کی بنا پر فیصل کو عدنان کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔"

"وقوعہ کب پیش آیا تھا؟" میں نے رف پیڈ پر قلم گھستے ہوئے پوچھا۔

"سترہ اپریل کی شام کو۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"اور فیصل کو کب گرفتار کیا گیا؟" میں نے سوال کیا۔

"اٹھارہ اپریل کی صبح۔"

"گھر سے......؟"

"نہیں!" اس نے قطعی انداز میں سر کو نفی میں جھٹکا اور کہا۔ "اگلے روز یعنی اٹھارہ اپریل کو جب فیصل حسب معمول دفتر پہنچا تو وہاں پولیس موجود تھی۔ انہیں فیصل کی آمد کا ہی انتظار تھا۔ اگر اس روز فیصل بروقت اپنے آفس نہ پہنچتا تو پولیس اسے گرفتار کرنے گھر کا رخ کرتی کیونکہ اس وقت تک پولیس نے یہ طے کرلیا تھا کہ عدنان کے قتل میں فیصل کا ہاتھ ہوسکتا ہے......"

"اور پولیس نے یقیناً مقتول اور ملزم کی باہمی چپقلش کی روشنی میں یہ بات طے کی تھی؟" فرزانہ سانس درست کرنے کے لیے تھمی تو میں نے ایک امکانی سوال کیا۔

"جی ہاں......!" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"اب آپ مجھے اس "چپقلش" کے بارے میں کچھ بتائیں؟" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

وہ چند لمحات تک خاموش رہ کر ذہن میں بکھرے ہوئے خیالات اور سوچوں کو ایک مقام پر مجتمع کرنے کی کوشش کرتی رہی پھر بتانے لگی۔

"بیگ صاحب! آپ کو یہ تو پتا ہی ہے کہ فیصل اپنی فرم کے لیے مارکیٹنگ کیا کرتا تھا اور فرم کا مالک اس کی کارکردگی سے بے انتہا خوش بھی تھا لیکن یہ کمبخت عدنان پتا نہیں، کہاں سے آن

ٹپکا تھا۔ عدنان کا تعلق بھی مارکیٹنگ ہی کے شعبے سے تھا۔ میں نہیں جانتی، وہ کس کے ریفرنس سے فرم میں ملازم ہوا تھا بہرحال عدنان کو فیصل کے ساتھ ہی نتھی کردیا گیا تھا لیکن چند دنوں بعد ہی اس نے پر پرزے نکالنا شروع کردیے......" وہ لمحے بھر کے لیے سانس لینے کو رکی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"عدنان نے بڑے غیر محسوس انداز میں فرم کے مالک کے کان بھرنا شروع کردیے۔ مثلاً یہ کہ فیصل جس کمیشن پر کام کررہا ہے وہ اس سے آدھے پر بھی کام کرنے کو تیار ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے فرم کے مالک کو یہ یقین بھی دلایا کہ اگر مارکیٹنگ کا شعبہ مکمل طور پر اس کے حوالے کردیا جائے تو وہ بزنس کو بڑی تیزی سے بڑھا کر دکھادے گا۔ وغیرہ وغیرہ......"

"اور اس نوعیت کی پرکشش باتیں ہر باس کو اچھی لگتی ہیں!" میں نے لقمہ دیا۔

"آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں بیگ صاحب!" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا۔ "عدنان کی پڑھائی ہوئی پٹی کے بعد فرم کے باس کا رویہ فیصل کے ساتھ خاصا بدل گیا ہوگا؟"

"خاصا نہیں بلکہ مکمل طور پر......!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "عدنان کی پھیلائی ہوئی سازش بڑی تیزی کے ساتھ کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور باس کو فیصل کے کام میں بہت زیادہ کیڑے نظر آنے لگے۔ وہ بات، بے بات فیصل کو اپنے کمرے میں بلا کر ٹوکنے لگا بلکہ بعض اوقات تو فیصل کے ساتھ باس کا رویہ بڑا تحقیر آمیز ہوجاتا تھا۔ اس صورت حال نے فیصل کا ذہنی سکون چھین لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ چڑچڑا اور بدمزاج ہوگیا۔ وہ مجھ پر غصہ ہوتا اور عظمیٰ پر بھی بسا اوقات برس پڑتا تھا۔ مجھے اس کے دفتری حالات کا چونکہ علم تھا لہٰذا اس کی چیخم دھاڑ کو برداشت کر لیتی تھی لیکن ایسے مواقع پر عظمیٰ بہت زیادہ پریشان اور خوفزدہ ہوجاتی تھی۔"

وہ اپنی بات مکمل کرچکی تو میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "ان دفتری کشیدہ حالات میں عدنان کا قتل ہوجاتا ہے اور فیصل کو اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ یہی بات ہے نا......؟"

"بالکل یہی بات ہے جناب!" وہ تائیدی انداز میں سر کو جنبش دیتے ہوئے بولی۔ "ہم ابھی ایک پریشانی سے نکلے نہیں تھے کہ یہ دوسری افتاد سر پر آن پڑی ہے۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا فیصل اور عدنان کی باہمی چپقلش اور عدنان کے قتل کے الزام میں فیصل کی گرفتاری سے پہلے بھی آپ لوگوں کے ساتھ کوئی پرابلم رہی ہے......؟''

''جی ہاں......وہ ایک الگ مصیبت تھی......'' فرزانہ نے جواب دیا۔

''اس مصیبت کو الگ نہیں رہنے دیں بلکہ میرے ساتھ شیئر کریں۔'' میں نے خصوصی دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ لوگ اس معاملے سے پہلے کس قسم کی پریشانی میں مبتلا تھے۔ ہو سکتا ہے، ان دونوں معاملات کے ڈانڈے آگے جا کر کہیں آپس میں مل جائیں!''

''مجھے تو ایسا نظر نہیں آ رہا، بہر حال آپ کو وہ قصہ سناتی ہوں......'' وہ بددلی سے بولی۔

''جی ضرور......'' میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

وہ بتانے لگی۔ ''بیگ صاحب! کچھ عرصہ پہلے فیصل نے انسانی ہمدردی کے ناتے ایک مجبور اور بے کس فیملی کی کچھ اخلاقی مدد کر دی تھی۔ یہ نیکی بعد میں فیصل کو بہت مہنگی پڑی۔''

''ذرا تفصیل سے بتائیں گی؟'' وہ خاموش ہوئی تو میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''مجھے اس بارے میں زیادہ تو معلوم نہیں لیکن اتنا جانتی ہوں کہ فیصل نے جس ضرورت مند فیملی کی اخلاقی مدد کی تھی ان کی ایک لڑکی بعد میں کسی پولیس کیس میں ملوث پائی گئی تھی اور اسی وجہ سے بعض خطرناک جرائم پیشہ لوگ فیصل کو طرح طرح کی خوفناک دھمکیاں دیتے رہے تھے لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ معاملہ دب دبا گیا اور ہم نے بھی سکون کی سانس لی۔'' ایک لمحے کو رک کر فرزانہ نے واقعتاً سکون کی سانس لی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''اور اب یہ مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی ہے!''

''میں فیصل کی اس انسانی ہمدردی کے بارے میں مزید جاننا چاہتا ہوں جو اس نے کسی مصیبت زدہ فیملی کے ساتھ کی تھی؟'' میں نے فرزانہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ فیملی لانڈھی کے علاقے میں رہتی تھی۔'' فرزانہ نے جواب میں بتانا شروع کیا۔ ''وہ عبدالغفور نامی کوئی بوڑھا شخص تھا۔ اس کی جوان بیٹی نورین کو بعض برے لوگ تنگ کرتے تھے۔ فیصل کا ایک دوست پولیس میں ہے۔ عبدالغفور نے فیصل سے مدد کی

درخواست کی۔ فیصل نے اپنے پولیس والے دوست کے تعاون سے جو ہو سکتا تھا وہ احسان عبدالغفور پر کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد نورین نامی وہی لڑکی یہاں ہمارے ہی علاقے میں کسی جرائم پیشہ شخص کے ساتھ ایک معاملے میں ملوث پائی گئی۔ اس مرحلے پر فیصل نے پولیس کی بھرپور مدد کی تھی جس کے نتیجے میں مذکورہ جرائم پیشہ شخص رنگے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس کی گرفتاری کے بعد، اس کے ساتھی فیصل کو الٹی سیدھی دھمکیاں دیتے رہے تاہم اس سلسلے میں انہوں نے کسی عملی کمینگی کا مظاہرہ نہیں کیا اور ہم بھی مطمئن ہو گئے......'' اس نے تھوڑا توقف کر کے بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

''میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتی۔ فیصل آپ کو اس بارے میں تفصیل سے بتا سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں کل کسی وقت جیل جا کر فیصل سے بھی ملاقات کروں گا۔'' میں نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔ ''تمام حالات کھل کر سامنے آئیں گے تو پھر ہی فیصل کی مدد کی کوئی صورت بنے گی۔''

''بیگ صاحب! آپ فیصل کو اس مصیبت سے نکال لیں گے نا؟'' وہ بڑی امید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔'' میں نے حوصلہ دینے والے انداز میں کہا۔ ''میں فیصل کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ وہ ایک شریف اور امن پسند شہری ہے۔ اس کے سینے میں انسانیت بھرا ایک ہمدرد اور حساس دل ہے۔ آپ لوگوں نے جس جذبے اور جاں فشانی سے میرے مفلوج دوست صفدر کا خیال رکھا وہ بھی میرے سامنے ہے۔ اگر فیصل نے عدنان کو قتل نہیں کیا تو اس کا مطلب ہے، وہ بے گناہ ہے......اور اگر وہ بے گناہ ہے تو اسے اس کیس سے باعزت بری ہونا چاہیے......بس' اتنی سی بات ہے!''

''بہت بہت شکریہ بیگ صاحب!'' وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔ ''آپ نے تو میری ہمت بندھا دی ہے۔'' پھر وہ اپنا پرس کھولتے ہوئے گویا ہوئی۔ ''میں رقم ساتھ لے کر آئی ہوں۔ آپ اپنی فیس تو مجھ سے ابھی لے لیں۔''

''فیس میں آپ سے لے لوں گا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''پہلے میں

ایک تفصیلی ملاقات فیصل سے کرلوں۔"

"فیصل سے آپ ضرور ملاقات کریں لیکن فیس آپ کو ابھی لینا پڑے گی۔" وہ اصراری لہجے میں بولی۔"اور اس کی ایک خاص وجہ ہے!"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔"کون سی وجہ؟"

"میں فیصل کو اس کیس میں بے گناہ سمجھتی ہوں اور آپ بھی میرے ہم خیال ہیں۔" وہ نپے تلے الفاظ میں وضاحت کرتے ہوئے بولی۔"جب وہ بے قصور ہے تو ہر صورت میں اس کا کیس آپ کو لینا ہے۔ جب کیس آپ کو لینا ہے تو پھر فیس بھی آپ کو لینا ہوگی۔ ابھی لیں یا بعد میں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... تو پھر کیوں نہ ابھی لے لیں......!"

فرزانہ نے دینے پر اصرار کیا تو میں انکار نہ کرسکا تاہم اس سلسلے میں، میں نے اس کے ساتھ خصوصی رعایت کردی تھی۔ وہ میری اس مہربانی پر بڑی مطمئن اور پرسکون ہوکر میرے دفتر سے رخصت ہوگئی۔

آئندہ روز جیل جاکر میں نے فیصل سے ایک بھرپور ملاقات کی اور بہت سی نئی باتیں میرے علم میں آئیں۔ خصوصاً اس لڑکی کے حوالے سے، فرزانہ نے جس کا نام نورین بتایا تھا۔ یہ بڑی سنسنی خیز اور انکشاف انگیز معلومات تھیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے میں اس کیس کا دلچسپ پس منظر آپ کو بتاتا ہوں جس میں سنسنی خیزی کے علاوہ بہت سا سامان عبرت بھی ہے۔ ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ میں جو کچھ آپ کی خدمت میں پیش کرنے جارہا ہوں اس میں سے بہت سی باتیں مجھے بعد میں پتا چلی تھیں تاہم واقعات کے تسلسل اور ترتیب کے پیش نظر انہیں یکجا کرکے تحریر کررہا ہوں تاکہ آگے چل کر عدالتی کارروائی کے دوران میں، کسی مرحلے پر آپ کا ذہن الجھن کا شکار نہ ہو......!

✠ ✠ ✠

فیصل کے بارے میں آپ کو بنیادی معلومات حاصل ہوچکی ہیں۔ اس تمام ترکھیڑے کی ابتدا اسی کی ذات سے ہوتی ہے۔ ایک روز وہ اپنے آفس سے نکل رہا تھا کہ عبدالغفور سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ مارکیٹنگ سے وابستہ افراد عموماً آؤٹ ڈور ہی رہتے ہیں۔ اپنے معمول کے

مطابق، وہ لوگ صبح آفس آکر حاضری لگاتے ہیں، مالکان کو اپنی شکل دکھاتے ہیں اور پھر فیلڈ میں نکل جاتے ہیں۔ آفس کلوز ہونے سے تھوڑی دیر پہلے ان کی واپسی ہوتی ہے پھر وہ گھنٹا، دو گھنٹا دفتر میں بیٹھ کر اپنا حساب کتاب کرتے ہیں اور بالآخر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوجاتے ہیں۔ فیصل کی روٹین بھی کچھ اسی نوعیت کی تھی۔ ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ مارکیٹنگ کے حوالے سے میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ کوئی فارمولا نہیں لیکن دیکھنے میں یہی آیا ہے۔ بہرحال، فیصل کی عبدالغفور سے ملاقات ہوگئی۔

اس وقت دن کے گیارہ، ساڑھے گیارہ بجے ہوں گے۔ فیصل دفتر سے نکل کر ایک کلائنٹ کی طرف جارہا تھا۔ فیصل جس فرم کے لیے کام کرتا تھا اس کا سیٹ اپ کورنگی انڈسٹریل ایریا میں تھا۔ وہ فرم کے دفتری حصے سے نکل کر جیسے ہی بائیک پر سوار ہوا، ایک باریش بزرگ صورت شخص اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ اس کی عمر ساٹھ سے متجاوز تھی۔ سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہوچکے تھے۔ متناسب قد اور دبلا پتلا جسم، رنگت گندمی تاہم وہ اس عمر میں بھی خاصا ہوشیار اور مستعد نظر آتا تھا۔ اس نے سفید شلوار سوٹ زیب تن کررکھا تھا۔ فیصل کی جیسے ہی اس پر نگاہ پڑی، وہ بڑی محبت سے بولا۔

"السلام علیکم بیٹا......!"

"وعلیکم السلام......!" فیصل نے عبدالغفور کے سلام کا جواب دیا پھر سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"فیصل بیٹا...... مجھے تم سے ایک بہت ضروری کام ہے!" عبدالغفور نے لجاجت بھرے انداز میں کہا۔

فیصل نے چونک کر اسے دیکھا اور پوچھا۔"آپ کون ہیں اور میرا نام کس طرح جانتے ہیں؟"

"میں عبدالغفور ہوں۔" عمر رسیدہ شخص نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا۔"بیٹا! تمہارے بارے میں میرے ایک جاننے والے نے بتایا تھا اور یہ بھی یقین دلایا تھا کہ تم میری مشکل کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال دو گے۔"

"آپ اس، اپنے جاننے والے کا نام بتائیں گے؟" فیصل نے الجھن زدہ لہجے میں

سوال کیا۔

عبدالغفور اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ فیصل کو یہ اندازہ قائم کرنے میں ذرا مشکل پیش نہ آئی کہ وہ مذکورہ بندے کا نام یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن باوجود سوچنے کے بھی جب عبدالغفور کو اپنی کوشش میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی تو اس کی آنکھوں میں بے بسی جھلکنے لگی۔ اس بے بسی میں ہلکی سی شرمندگی بھی شامل تھی۔

فیصل نے اس کی مجبوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔ ''انکل غفور! آپ چھوڑیں اس بندے کو...... یہ بتائیں، میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں؟''

''اللہ تمہارا بھلا کرے بیٹا۔'' وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا پھر تجویز پیش کرنے والے لہجے میں کہا۔ ''کیوں نہ ہم کہیں بیٹھ کر آرام سے بات کریں......!''

بے ساختہ فیصل کی نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ سامنے ہی چائے کا ایک ہوٹل تھا۔ فیصل کے پاس اتنا وقت تھا کہ وہ اس بے بس اور پریشان شخص کے ساتھ بیٹھ کر چائے کا ایک کپ ہی پی لے۔ فیصل بنیادی طور پر ایک ہمدرد اور حساس انسان تھا۔ میں نے اسے دوسروں کی مدد کرنے والا، دوسروں کا احساس کرنے والا پایا تھا۔ عبدالغفور کو پریشان حال دیکھ کر اس کے لیے فیصل کے دل میں ایک نرم گوشہ وا ہوگیا تھا لہٰذا اس نے عبدالغفور کی طرف دیکھتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔

''آؤ انکل...... اس ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔''

عبدالغفور نے اثبات میں گردن ہلائی اور فیصل کے ساتھ ہولیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مذکورہ ہوٹل میں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ناشتے کا وقت گزر چکا تھا اور لنچ کا وقت ابھی شروع نہیں ہوا تھا اس لیے ہوٹل میں رش نام کی کوئی شے نہیں تھی لہٰذا وہ دونوں وہاں بیٹھ کر بڑے اطمینان سے بات کرسکتے تھے۔ جلد ہی ویٹر نے ان کے سامنے دو چائے کے کپ لاکر رکھ دیے۔

فیصل نے چائے کی ایک چسکی لینے کے بعد عبدالغفور سے پوچھا۔ ''جی انکل! اب بتاؤ آپ کی کیا پرابلم ہے اور میں آپ کے لیے کیا کرسکتا ہوں؟''

''میں ادھر لانڈھی میں رہتا ہوں۔'' عبدالغفور نے شکستہ انداز میں بتانا شروع کیا۔

''میری دو اولادیں ہیں۔ بڑی بیٹی نورین اور چھوٹا بیٹا کامران......!''

اتنا بتانے کے بعد عبدالغفور خاموش ہوا تو فیصل نے کہا۔ ''جی...... آگے بتائیں، پھر کیا

ہوا؟''

''آگے یہ بیٹا......'' عبدالغفور نے زخمی لہجے میں کہا۔ ''میں نورین کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔''

''کیوں...... نورین کو کیا ہوا ہے؟'' بے ساختہ فیصل کے منہ سے نکلا۔

''وہ میرے قابو میں نہیں رہی......'' عبدالغفور نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''بڑی ضدی اور خودسر ہوگئی ہے۔''

فیصل کی سمجھ میں نہ آیا کہ عبدالغفور اسے اپنی بیٹی کے بارے میں کیا بتانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ متذبذب انداز میں اس نے پوچھ لیا۔ ''آپ کی بیٹی نورین کی عمر کیا ہے؟''

''وہ چوبیس سال کی ہوگئی ہے اور پچیسویں میں لگی ہے۔'' عبدالغفور نے اسے بتایا۔

اس کے جواب نے فیصل کی حیرت دوچند کردی، اس نے سوال کیا۔ ''آپ نے نورین کی شادی کردی ہے؟''

''شادی تو اس کی ابھی نہیں ہوئی۔'' وہ دکھی لہجے میں بولا۔ ''میری یہ خواہش ہے کہ جلد از جلد کہیں اس کی شادی ہوجائے لیکن......!''

''لیکن کیا؟'' اس کے ادھورے جملے کے جواب میں فیصل نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔

عبدالغفور نے جواب دیا۔ ''نورین شادی کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ میں نے دو تین اچھے اور معتدل لڑکوں کے رشتے اس کے سامنے رکھے مگر اس نے صاف انکار کردیا۔''

''کیا آپ نے نورین سے اس انکار کی وجہ دریافت نہیں کی؟''

''پوچھا ہے میں نے بیٹا...... بہت کرید کرید کر پوچھا ہے......!'

''پھر......؟'' فیصل نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''وہ کہتی ہے، ابھی شادی نہیں کروں گی۔''

''ہوسکتا ہے، اس کی نظر میں کوئی خاص لڑکا ہو؟'' فیصل نے ایک قوی امکان کی جانب اشارہ کیا۔

''میں نے اس حوالے سے بھی نورین سے بات کی ہے۔'' عبدالغفور نے بتایا پھر نفی میں

گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ ''وہ پاگل تو سرے سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتی......!''

''انکل غفور! میری بات دھیان سے سنو۔'' فیصل نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ کی بیٹی کسی بھی وجہ سے شادی کرنے کو تیار نہیں تو میں بھلا اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں......؟''

''فیصل بیٹا! کیا تمہاری شادی ہوگئی......؟''

یہ سوال اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ فیصل چند لمحات کے لیے تو بوکھلا کر ہی رہ گیا تاہم جلد ہی سنبھالا لیتے ہوئے اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

''الحمدللہ! میں شادی شدہ ہوں اور میری ایک بیٹی بھی ہے......''

''اوہ......!'' عبدالغفور ایک تھکی ہوئی سانس لے کر رہ گیا۔

فیصل نے واضح طور پر محسوس کیا کہ اسے فیصل کے شادی شدہ ہونے سے شدید دھچکا لگا تھا۔ اس ''دھچکے'' نے فیصل پر اس کی ''نیت اور خواہش'' کا حال بھی کھول دیا تھا۔ فیصل کو یقین تھا کہ اگر وہ کنوارا ہوتا تو عبدالغفور یہ خبر سن کر خوشی سے کھل اٹھتا۔ بہرحال...... عبدالغفور کی مایوسی اور دل شکستگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے پوچھ لیا۔

''انکل! میں ابھی تک سمجھ نہیں سکا ہوں کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں بیٹا......!'' وہ ایک افسردہ سی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''کہ تم...... کہ تم نورین کو سمجھاؤ......!''

''میں اسے کیا سمجھا سکتا ہوں انکل!'' فیصل نے بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''اس کی اپنی زندگی ہے...... وہ اگر شادی نہیں کرنا چاہتی تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔''

''وہ شادی نہ کرے لیکن......'' عبدالغفور جملہ نامکمل چھوڑ کر الجھن زدہ نظر سے فیصل کو دیکھنے لگا۔

''لیکن کیا انکل......؟'' فیصل پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

عبدالغفور کے چہرے پر ایک نامعلوم سا کرب نمودار ہوا پھر وہ بے حد مایوسانہ انداز میں بولا۔ ''بیٹا...... میں نورین کو برباد اور خراب ہوتے نہیں دیکھ سکتا!''

عبدالغفور کی حالیہ کیفیت کے پیش نظر فیصل کا دل اس کے لیے ہمدردی کے جذبات

سے بھر گیا۔ اس نے بڑے پرخلوص انداز میں پوچھا۔ ''انکل! یہ نورین کی تباہی بربادی اور خرابی کا کیا قصہ ہے؟''

''بتاتا ہوں...... میں تمہیں بتاتا ہوں فیصل بیٹا۔'' وہ چاروں جانب دیکھنے کے بعد قدرے دھیمے لہجے میں بولا۔ ''کیونکہ ایک تم ہی ہو جو میری مشکل کو آسان کرسکتے ہو۔''

فیصل پوری سنجیدگی کے ساتھ عبدالغفور کی طرف متوجہ ہوگیا۔

بولنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر عبدالغفور نے اپنے...... اردگرد کے ماحول پر ایک محتاط نگاہ ڈالی حالانکہ اتنی زیادہ احتیاط کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس ہوٹل میں برائے نام گاہک موجود تھے...... اور جو تھے بھی، ان کا دھیان ہماری جانب نہیں تھا۔ عبدالغفور کی محتاط روی سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے بارے میں کوئی سنسنی خیز انکشاف کرنے والا ہے۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے رازدارانہ انداز میں بتانا شروع کیا۔

''نورین ادھر ہی انڈسٹریل ایریا میں بسکٹ بنانے والی ایک فیکٹری میں کام کرتی ہے...... بلکہ کام کرتی تھی۔ وہ پیکنگ ڈیپارٹمنٹ میں تھی۔ اسے اس فیکٹری میں کام کرتے ہوئے لگ بھگ ایک سال ہوا تھا کہ......''

وہ سانس لینے کے لئے متوقف ہوا تو فیصل خاموش نظر سے اسے دیکھتا چلا گیا۔

عبدالغفور نے فیصل کو بسکٹ بنانے والی مذکورہ فیکٹری کا نام بھی بتایا تھا لیکن بہ وجوہ یہاں پر اس فیکٹری کا نام درج نہیں کیا جاسکتا، ویسے بھی زیرنظر کہانی...... یا کیس سے بلاواسطہ یا بالواسطہ اس فیکٹری کا کوئی تعلق نہیں۔

عبدالغفور نے فیصل کو بتایا۔ ''ابتدا میں نورین وقت پر گھر سے نکلتی تھی اور مقررہ وقت پر ہی وہ واپس بھی آجایا کرتی تھی۔ میں اس کے کام اور آمدورفت سے مطمئن تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے معمولات میں تبدیلی آنے لگی۔ وہ گھر سے تو اپنے وقت پر ہی نکلتی تھی لیکن اس کی واپسی میں تاخیر ہونے لگی اور یہ ''تاخیر'' بھی دھیرے دھیرے آگے بڑھتے ہوئے رات کے آٹھ، نو اور دس تک پہنچ گئی ورنہ ابتدا میں وہ مغرب کی اذان سے پہلے گھر میں ہوتی تھی......'' وہ ایک مرتبہ پھر سانس درست کرنے کے لیے تھما۔ فیصل نے اس بار بھی اسے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔

وہ دوبارہ بلکہ سہ بارہ گویا ہوا۔ ''میں نے نورین کے یہ تیور دیکھے تو مجھے گہری تشویش نے

آن گھیرا۔ میں نے اس کی، دیر دیر سے گھر آنے کی وجہ جاننا چاہی تو وہ اوور ٹائم وغیرہ کا بہانہ کرنے لگی۔ مجھے اس کی بات کا یقین نہ آیا تو میں نے اس کے علم میں لائے بغیر، ایک روز فیکٹری جا کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ میری اس کوشش کے نتیجے میں بہت سے انکشافات ہوئے۔ اوور ٹائم والی کہانی تو سرے سے جھوٹی نکلی۔ علاوہ ازیں چند افراد نے مجھے ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ بھی بتایا کہ نورین کا چال چلن ٹھیک نہیں۔ فیکٹری سے چھٹی کے بعد وہ کسی نہ کسی مرد کے ساتھ جاتی ہے۔ کبھی موٹر سائیکل پر اور کبھی کسی گاڑی وغیرہ میں۔ جب نورین سے اس کے چند قریبی ساتھیوں نے ان افراد کے بارے میں استفسار کیا جو چھٹی کے وقت فیکٹری سے اسے پک کیا کرتے تھے تو اس نے ''کزن، انکل...... وغیرہ'' کا بہانہ کر کے بات کو گھما دیا۔ پیکنگ ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ نے تو مجھے یہ بھی بتایا کہ نورین ہفتے میں ایک دو چھٹیاں بھی کرنے لگی ہے۔ میں نے یہ ساری تحقیق اس وقت کی تھی جب نورین فیکٹری میں موجود نہیں تھی۔ بہرحال، وہاں سے حاصل ہونے والی اذیت ناک معلومات نے میرے دماغ کا فیوز اڑا دیا اور اس روز میں نے گھر آ کر نورین سے سخت جھگڑا کیا......''

عبدالغفور چند لمحات کے لیے تھما تو فیصل اس کے درد کو محسوس کر کے خود بھی رنجیدہ ہو گیا لیکن اب بھی اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ ان حالات میں وہ عبدالغفور یا اس کی بیٹی نورین کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ ابھی تک تو وہ یہ بھی نہیں جان پایا تھا کہ کس شخص نے عبدالغفور کو اس کے پاس بھیجا تھا اور کیا سوچ کر بھیجا تھا۔ بہرحال، فیصل کی نگاہ میں اس ریفرنس کی اب کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی کیونکہ وہ عبدالغفور کی دکھ بھری کہانی کی گرفت میں آ چکا تھا۔ عبدالغفور کے خاموش ہونے پر اس نے پوچھ لیا۔

''ہاں انکل...... اس جھگڑے سے کوئی مثبت نتیجہ بھی برآمد ہوا یا......؟''

''نتیجہ تو برآمد ہوا......'' عبدالغفور نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''لیکن اسے مثبت نہیں کہا جا سکتا!''

''کیا مطلب؟'' فیصل نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''میرے ایک گھنٹے کے چیخنے چلانے کے بعد جو نتیجہ برآمد ہوا اسے ایک جملے میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ نورین نے بڑے واضح اور دوٹوک

الفاظ میں یہ فیصلہ سنا دیا تھا...... میں کچھ بھی غلط نہیں کر رہی ہوں اور جو بھی کر رہی ہوں اس گھر کی خوش حالی کے لیے کر رہی ہوں...... بس!''

''کیا اس موقع پر نورین کی ماں نے اسے کچھ نہیں سمجھایا؟'' فیصل نے پوچھا۔

''ماں......!'' عبدالغفور کے ہونٹوں پر بڑی کڑوی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''اگر شاہین گھر چھوڑ کر نہ چلی جاتی تو شاید آج میرے گھر میں امن و سکون کا راج ہوتا......!''

''کیا شاہین، نورین کی ماں...... گھر چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہے؟'' فیصل نے ہمدردی بھرے لہجے میں پوچھا۔

''چلی گئی ہے نہیں، چلی گئی تھی!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''لگ بھگ دس سال پہلے وہ ہمیں چھوڑ کر اپنے کسی آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی تھی۔ اس وقت نورین تیرہ چودہ سال کی ہو گی اور میرا بیٹا صرف دو، سوا دو سال کا تھا۔ اس ظالم عورت کو اس معصوم کا بھی خیال نہ آیا اور وہ اپنے ہنستے بستے گھر پر لات مار کر اپنی نئی دنیا بسانے چل نکلی۔ میں تو کہتا ہوں، نورین میں دودھ کا اثر آیا ہے۔ میں شاہین کے لچھنوں سے اچھی طرح واقف ہوں اسی لیے میں نے بھی صاف الفاظ میں نورین سے کہہ دیا ہے کہ اگر اس نے اپنی روش نہ بدلی تو اس کے فرار سے پہلے ہی میں اسے گھر سے نکال دوں گا حالانکہ میں جانتا ہوں کہ ایسا کرنا بہت خطرناک ہو گا۔ جب نورین کو گھر سے مکمل آزادی مل جائے گی تو پتا نہیں، پھر وہ کون کون سا گل کھلائے گی اسی لیے......''

وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اسی لیے فیصل بیٹا...... میں چاہتا ہوں کہ تم نورین کو سمجھاؤ۔ مجھے یقین ہے، تمہاری بات اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔''

''پتا نہیں، آپ کو کس بنا پر ایسا یقین ہے۔'' الجھن زدہ لہجے میں فیصل نے کہا۔ ''بہرحال...... آپ مجھے اپنے گھر کا ایڈریس نوٹ کروا دو، میں کسی وقت شام میں......''

''کسی وقت نہیں بیٹا، ابھی!'' وہ فیصل کی بات کاٹتے ہوئے اصراری لہجے میں بولا۔ ''تم ابھی میرے ساتھ چلو...... اس وقت نورین گھر میں ہے۔''

''کیا وہ آج فیکٹری نہیں گئی؟''

''نہیں!'' عبدالغفور نے نفی میں گردن ہلائی اور بتایا۔ ''وہ کچھ عرصہ پہلے تک جاتی رہی

ہے اور اب اس نے کئی دنوں سے فیکٹری جانا چھوڑ دیا ہے۔ بڑے دیر تک سوتی رہتی ہے اور دوپہر کے کھانے کے بعد گھر سے نکل جاتی ہے۔ کہاں...... یہ میں نہیں جانتا......اور اس سے پوچھتا ہوں تو کوئی نہ کوئی الٹا ہی جواب دیتی ہے۔ میں بڑی مصیبت میں ہوں بیٹا......" بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔ اپنی آنکھوں میں اتر آنے والی نمی کو صاف کرنے کے بعد اس نے منت ریز لہجے میں کہا۔

"دیکھو فیصل بیٹا! میں بڑی آس لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ میری امید نہ توڑنا۔ تم میرے ساتھ چلو گے تو تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن ہو سکتا ہے، تمہاری اس کوشش سے نورین کی زندگی سنور جائے۔ یہ ایک بوڑھے، مجبور اور بے بس باپ کی التجا ہے۔ اللہ تمہیں اس نیکی کا اجر عظیم دے گا......"

"وہ تو ٹھیک ہے انکل لیکن......" فیصل نے ہچکچاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔ "میں اس وقت کمپنی کے کام سے نکلا ہوں اور شام تک مصروفیت ہی مصروفیت ہے۔"

"کمپنی کا کام تو تم روزانہ ہی کرتے ہو......کرتے ہو کہ نہیں؟"

"بالکل کرتا ہوں۔" فیصل نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "کام نہیں کروں گا تو گھر کیسے چلے گا......!"

"اللہ تمہارا بھلا کرے اور تمہارے گھر کو ہمیشہ اچھی طرح چلاتا رہے۔" عبدالغفور نے دعائیہ انداز میں کہا۔ "بس، ایک آدھ گھنٹے کی بات ہے۔ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔"

عبدالغفور کی مجبوری اور منت خوشامد کو دیکھ کر فیصل کا دل پگھل گیا۔ اس نے ایک لمحہ سوچا پھر عبدالغفور کو اپنی بائیک پر سوار کر کے لانڈھی کی جانب روانہ ہو گیا۔ ویسے بھی لانڈھی کا علاقہ وہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور یہ مختصر سا فاصلہ طے کرتے ہوئے بھی وہ عجیب سی کشمکش میں مبتلا رہا تھا۔ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر عبدالغفور کی مدد کرنے کے لیے تو نکل کھڑا ہوا تھا لیکن دماغ مسلسل اسے ڈرا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کچھ اس قسم کی سوچیں ابھر رہی تھیں۔

"تم عبدالغفور سے آج پہلی مرتبہ ملے ہو۔ تم اسے جانتے ہو اور نہ ہی وہ تم سے واقف ہے۔ اس نے تم سے رابطے کا اگر کوئی ریفرنس بھی استعمال کیا ہے تو اس شخص کے بارے میں تمہارے پاس کوئی معلومات نہیں ہیں۔ ان حالات میں عبدالغفور کی ذات بے انتہا مشکوک ہو جاتی

ہے اور......اس نے اپنی بیٹی کے حوالے سے جو کچھ بھی تمہیں بتایا ہے، تم اس کی تصدیق کس طرح کرو گے؟ ہو سکتا ہے، یہ بڈھا کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تمہیں کسی مصیبت میں پھنسانے کا ارادہ رکھتا ہو اور تم......بغیر کسی تحقیق اور تصدیق کے، کسی گدھے کے مانند اس کے ساتھ چل پڑے ہو۔ اللہ تمہارے حال پر رحم کرے......اگرچہ ایسے آثار تو دور دور تک نظر نہیں آ رہے......!"

فیصل اپنے دماغ کی ان تلخ لیکن مبنی بر حقیقت باتوں کو رد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جو کچھ بھی سوچ رہا تھا، وہ عقل کا تقاضا تھا۔ واقعتاً اس صورت حال میں اسے چپ چاپ عبدالغفور کے ساتھ نہیں چلے جانا چاہیے تھا۔ وہ اپنی اسی بے خبری کے باعث کسی بہت بڑے وبال میں بھی آ سکتا تھا......!

چند لمحات تک وہ انہی متضاد اور ڈراؤنے خیالات میں گھرا رہا پھر اس کا جذبہ ہمدردی، اس کے دماغ کی دھمکی بھری سوچوں پر غالب آ گیا اور اس نے ان تمام تر خیالات کو اس عزم کی ٹھوکر سے رد کر دیا۔ "جب اوکھلی میں سر دے دیا تو پھر موسلوں سے کیا ڈرنا......!"

تھوڑی ہی دیر کے بعد، عبدالغفور کی راہنمائی اور ہدایت پر مختلف آڑی ٹیڑھی اور تنگ گلیوں میں مڑنے کے بعد وہ دونوں اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ گئے۔ یعنی عبدالغفور کے گھر۔ فیصل نے اپنی بائیک باہر گلی ہی میں کھڑی کی اور عبدالغفور کی تقلید میں اس کے گھر کے اندر پہنچ گیا۔

عبدالغفور نے فیصل کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود گھر کے اندرونی حصے میں چلا گیا۔ فیصل بغور ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگا۔ ڈرائنگ روم کی سجاوٹ اور سیٹنگ سے لگتا تھا، وہ کسی آسودہ حال فیملی کا گھر ہے۔ اس کا مطلب تھا، اس گھر میں آمدنی کے نام پر اچھی خاصی رقم آ رہی تھی۔ ابھی تک فیصل کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بڑے میاں یعنی عبدالغفور کیا کرتے ہیں اور اس کے چھوٹے بیٹے کامران کے کیا مشاغل ہیں۔ اگر اس گھر کے معاش کی گاڑی صرف نورین ہی چلا رہی تھی تو پھر اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان دنوں خوب کما رہی تھی، بہ الفاظ دیگر خوب جی بھر کے تباہ و برباد ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد عبدالغفور واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دو کولڈ ڈرنکس بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ فیصل کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا پھر ایک کولڈ ڈرنک فیصل کی طرف بڑھاتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بولا۔

''لو پیو بیٹا......آج تو اچھی خاصی گرمی ہے!'' دوسری کولڈ ڈرنک اس نے خود اپنے لیے اٹھالی تھی۔

فیصل نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔''آپ غالباً اندر نورین کو بلانے گئے تھے؟''

''ہاں......!'' عبدالغفور نے اثبات میں گردن ہلائی۔''میں نے اسے جگا دیا ہے۔ وہ تھوڑی دیر میں فریش ہو کر آ رہی ہے۔''

فیصل نے ایک اطمینان بھری سانس لی پھر کولڈ ڈرنک کا سپ لینے کے بعد عبدالغفور سے سوال کیا۔''آپ کا بیٹا کہیں نظر نہیں آ رہا۔ غالباً وہ اسکول گیا ہوگا!''

''اسکول......!'' عبدالغفور نے تلخ لہجے میں کہا۔''کامران کو پڑھنے لکھنے سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ نے اسے کسی کام وغیرہ پر لگا دیا ہوگا؟''

''میں نے کوشش تو کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔'' وہ بددلی سے بولا۔''کامران کی پڑھائی کی جانب سے مایوس ہونے کے بعد میں نے چاہا تو یہی تھا کہ وہ کوئی ہنر وغیرہ ہی سیکھ لے تاکہ کل کو کسی کی محتاجی نہ رہے لیکن اس نے میری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر طنزیہ انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''جب بیٹھے بٹھائے انسان کی ضرورت پوری ہوتی رہے تو پھر کس کم بخت کا کام کرنے کو جی چاہے گا!''

''ضرورت پوری ہوتی رہے کیا مطلب؟'' فیصل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ عبدالغفور کے گھریلو معاملات میں ہمدردی کے علاوہ اس کی دلچسپی بھی قائم ہوگئی تھی۔

''وہ ہے نا، حاتم طائی کی کچھ لگتی ہمارے گھر میں۔ میرا مطلب ہے، نورین!'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔''کامران کو جس شے کے لیے جتنی رقم کی ضرورت ہوتی ہے وہ نورین سے لے لیتا ہے۔ اس کا کام ہو جاتا ہے، ان حالات میں اس کی جوتی کام کرتی ہے۔ سارا سارا دن آوارہ گردی کرتا رہتا ہے......اس وقت بھی وہ آوارگی ہی کے کسی مشن پر ہوگا!''

فیصل نے فوری خیال کے تحت ایک نہایت ہی اہم سوال کیا۔''انکل! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ نے ہوٹل میں مجھے بتایا تھا کہ نورین سال بھر سے نوکری پر لگی تھی۔ میں یہ

جاننا چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے آپ کا گھر کس طرح چلتا تھا۔ اس گھر کے اخراجات کون اٹھاتا تھا؟''

''میں اٹھاتا تھا......اور کون اٹھاتا تھا!'' وہ فخریہ انداز میں سینہ تان کر بولا۔

''کیا آپ کوئی کاروبار وغیرہ کرتے تھے یا کہیں ملازمت تھی آپ کی؟''

''ملازمت تو نہیں، البتہ تم اسے کاروبار کہہ سکتے ہو۔'' عبدالغفور نے پُرسوچ انداز میں جواب دیا۔

فیصل نے پوچھا۔''آپ کس نوعیت کا کاروبار کرتے تھے؟''

''میرا برتنوں کا کام تھا۔'' عبدالغفور نے بتایا۔''میں ایلومینیم کے برتن سائیکل پر لاد کر، گلی گلی بیچا کرتا تھا۔ جب تک جسم میں جان تھی، میں نے انتھک محنت کی ہے اور اپنی اسی محنت سے ان بچوں کو پال پوس کر بڑا کیا ہے۔ میں تو اب بھی ہاتھ پاؤں ڈال کر آرام نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن پچھلے سال نورین نے مجھ سے کہا کہ وہ اب کمانے کے لیے گھر سے باہر قدم نکالے گی۔ میں نے جب اس سے پوچھا کہ وہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو اس نے بتایا کہ وہ فی الحال ایک بسکٹ بنانے والی فیکٹری میں پیکنگ کا کام کرے گی۔ آگے اللہ مالک ہے۔ نورین نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس کی ایک دوست نے اس کے لیے نوکری کا بندوبست بھی کرلیا ہے۔ میں نے بسکٹ فیکٹری اور کام کے حوالے سے چند سوالات کیے تو نورین نے تسلی بخش جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیا۔ اگلے دن سے وہ فیکٹری جانے لگی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک دن......ایک دن......'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد وہ اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے تو محنت اور رزق حلال کی کمائی سے اپنے بچوں کی پرورش کی تھی۔ پتا نہیں، یہ نادان کن راہوں پر چل پڑے ہیں۔ کامران کو آوارہ گردی سے فرصت نہیں اور نورین نے تو حد ہی کر دی ہے۔ کاش! میں اس کا کوئی علاج کر سکتا......کاش! تمہاری بات اس کی سمجھ میں آ جائے......کاش! وہ ضدی لڑکی تباہ و برباد ہونے سے محفوظ رہے......کاش، اے کاش!''

وہ شکست خوردہ انداز میں خاموش ہوا تو فیصل کو اس کی حالت پر ترس آنے لگا۔ اس کی نظر میں عبدالغفور ایک بے بس، مجبور اور قابلِ رحم باپ تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے فیصل سے بہت ساری امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ فیصل کی عقل میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ عبدالغفور کی توقعات پر

پورا کیسے اترے گا۔ عبدالغفور اسے اپنے ہمراہ جس کو سمجھانے کی غرض سے لے کر آیا تھا وہ ابھی تک ڈرائنگ روم میں طلوع نہیں ہوئی تھی......!

اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک گمبھیر نگاہ ڈالی پھر عبدالغفور سے پوچھا۔ ''نورین پتا نہیں، کہاں رہ گئی مجھے کمپنی کے کام سے بھی نکلنا ہے......!''

''ٹھہرو، میں اسے دیکھ کر آتا ہوں۔'' عبدالغفور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ ڈرائنگ روم سے قدم باہر نکالتا، ایک طرح دار لڑکی اندر داخل ہوئی۔ وہ ٹھٹک کر رک گیا پھر فیصل کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

''لو......نورین آگئی......!''

''السلام علیکم......!'' نورین نے فیصل کی طرف دیکھتے ہوئے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر وہ بڑی شان سے فیصل کے سامنے اس صوفے پر بیٹھ گئی جہاں سے ابھی ابھی عبدالغفور اٹھا تھا۔

نورین نے ''سلام'' چونکہ فیصل کو کیا تھا لہٰذا اس نے نورین کی مسکراہٹ کا جواب دینا ضروری سمجھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''وعلیکم السلام......!''

''تم لوگ باتیں کرو......'' عبدالغفور نے پرمعنی انداز میں فیصل کی جانب دیکھتے ہوئے کہا پھر روئے سخن نورین کی سمت موڑتے ہوئے بولا۔ ''جب تک میں تمہارے لیے ناشتا لے کر آتا ہوں۔''

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ فیصل کو اس کی حالت پر بے حد افسوس ہوا۔ کہیں سے محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ نورین کا باپ ہو۔ عبدالغفور کے مصلحت آمیز یتیمانہ رویے سے تو یہی تاثر ابھرتا تھا کہ وہ اس گھر کا کوئی ملازم وغیرہ ہے۔

بڑھاپا ایک بہت بڑی مجبوری ہے۔ جب اس مجبوری کے ساتھ کوئی معذوری بھی شامل ہو جائے تو انسان کی زندگی دہرے عذاب سے دوچار ہو جاتی ہے۔ نہ جینا اپنے بس میں رہتا ہے اور نہ ہی موت پر اختیار ہوتا ہے۔ کچھ اسی قسم کی کیفیت عبدالغفور کی بھی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے نورین کو گھر سے نکالنے کے حوالے سے بات کی تھی اور پھر خود ہی یہ بھی کہا تھا کہ وہ محض اس لیے اسے گھر سے بے دخل نہیں کرنا چاہتا کہ اس عمل کے بعد نورین کے سامنے تباہی و بربادی کی نئی نئی

شاہراہیں کھل جائیں گی لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ حقائق یہ تھے کہ نورین اس گھر کی معاشی گاڑی کا انجن تھی، پیٹرول تھی، اس کے بغیر یہ گاڑی چلنا تو درکنار، ایک قدم اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتی تھی جب ہی عبدالغفور ''کاغذوں'' میں اس گھر کا سربراہ ہونے کے باوجود بھی محکوموں، مجبوروں اور نوکروں جیسی زندگی گزار رہا تھا۔ دولت بہت بڑی اور تلخ حقیقت ہے۔ یہ سچ ہے کہ دولت کے ترازو میں پلڑوں کا جھکاؤ اور اٹھاؤ ہی انسان کو امیر اور غریب یہ الفاظ دیگر حاکم اور محکوم بناتا ہے۔

''کہاں کھو گئے مسٹر فیصل......؟''

نورین کی چہک بھری آواز نے فیصل کو چونکا دیا، وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''م......میں یہیں تو ہوں......تمہارے سامنے......!''

''میرے سامنے بیٹھنے والا صرف مجھے دیکھتا ہے، صرف مجھ سے باتیں کرتا ہے۔'' وہ فیصل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد سے بولی۔ ''تمہاری طرح گم صم نہیں بیٹھا رہتا۔''

درحقیقت فیصل، نورین کے رعب حسن میں آگیا تھا۔ بلاشبہ نورین ایک پرکشش اور دل آویز لڑکی تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش میں ایک خاص قسم کا تیکھا پن پایا جاتا تھا۔ ایک بار اس کو دیکھنے کے بعد اس کے سراپا سے نگاہ چرانا آسان کام نہیں تھا۔ گندمی رنگت پر اس کا زرخیز بدن اور بھی قیامت ڈھاتا تھا۔ ان تمام تر خوبیوں کے ساتھ اس کا غیر متزلزل اعتماد جو رنگ دکھا رہا تھا اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں......!

فیصل نے قدرے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں گم صم نہیں ہوں بلکہ پوری توجہ سے تمہیں ہی دیکھ رہا ہوں۔ شاید میرے نام کے بارے میں عبدالغفور نے تمہیں بتایا ہے......!''

نورین نے کوئی جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر ڈالا۔ ''کیا ہم اس سے پہلے بھی کبھی ملے ہیں؟''

''میرا خیال ہے......نہیں۔'' فیصل نے نفی میں گردن ہلائی۔

''کسی اور حوالے سے ہماری جان پہچان رہی ہو......؟''

''بالکل نہیں!'' فیصل نے اس بار بھی قطعی لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر......" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "شاید اور غالباً وغیرہ نہیں بلکہ یقیناً ابو ہی نے مجھے تمہارے نام کے بارے میں بتایا ہے اور کام میں خود ہی جانتی ہوں!"

"کام تم خود ہی جانتی ہو......کیا مطلب؟" فیصل نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

نورین کی بے باکی اور کھلا ڈلا پن فیصل کو قدرے نروس کر رہا تھا۔ پہلے کبھی ایسی بولڈ لڑکی سے اس کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔ یہ اس کے لیے ایک نیا، انوکھا اور سنسنی خیز تجربہ تھا۔ اس کے استفسار کے جواب میں نورین نے ایک مرتبہ پھر سوال داغ دیا، انداز مضحکہ اڑانے والا تھا۔ اس نے فیصل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مسٹر فیصل! ابو تمہیں کہاں سے پکڑ کر لائے ہیں؟"

"پکڑ" کا لفظ اس نے کچھ ایسی ادا سے ادا کیا تھا کہ فیصل کو بڑے واضح طور پر اپنی تحقیر کا احساس ہوا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی انسان نہ ہو بلکہ گائے بکری ہو جسے قربانی کی غرض سے عبدالغفور منڈی مویشیاں سے پکڑ کر اپنے گھر لے آیا ہو۔ اس نے اپنی خفگی کا اظہار کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی اور جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

"یہ کیا بکواس ہے......؟"

"آئی ایم ریئلی ویری سوری۔" موقع محل کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے نورین جلدی سے بولی۔ "میرا کوئی ایسا ویسا مطلب نہیں تھا۔ دراصل ابو......"

"ایسا ویسا مطلب نہیں تھا تو پھر۔" فیصل قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ "پھر تم نے کیا سوچ کر وہ بات کی۔"

"مسٹر فیصل! میں نے اپنے الفاظ کے لیے سوری کہہ دیا ہے نا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "آپ پوری بات سنو گے تو سارا غصہ جاتا رہے گا۔ دراصل ابو......"

"ہاں......کیا دراصل ابو......؟" ایک مرتبہ پھر فیصل نے اسے ٹوک دیا۔ "اب کچھ بتا بھی چکو......!"

"میں وہی تو بتانے جا رہی ہوں۔" فیصل کی برہمی کے جواب میں نورین نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "دراصل ابو آئے روز کسی نہ کسی کو پکڑ کر لے آتے ہیں اور وہ بھی ایک ہی مقصد

کے لیے......!"

فیصل کے کان کھڑے ہو گئے۔ نورین کے اظہار میں ایک خاص نوعیت کا اسرار اور سنسنی پائی جاتی تھی۔ اس کا حسن اور جوبن ان عناصر میں اور بھی سنگینی بھر دیتا تھا۔ اس کے ڈرامائی جواب پر فیصل نے سوال کیا۔

"کس مقصد کے لیے......؟"

"مجھے سمجھانے کے لیے!" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ "اور یہی وہ "کام" ہے جو میں خود ہی جانتی ہوں اور...... تمہیں بھی بتانا چاہ رہی تھی کہ تم یک دم بھڑک اٹھے......" وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"اب تو ناراض نہیں ہونا......؟"

فیصل کو نورین کا اس طرح پوچھنا بہت اچھا لگا۔ اب وہ اسے کہیں سے بھی بدتمیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تنے ہوئے ٹشوز بالکل ریلیکس ہو گئے۔ وہ خوش دلی سے بولا۔

"نہیں، تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔" وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں واقعی تم سے خفا نہیں ہوں اور امید کرتا ہوں، تم میری بات کو پوری توجہ سے سنو گی؟"

"ہاں......سنوں گی۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "اگر وہ بات مجھے سمجھانے سے متعلق نہ ہوئی تو......!"

وہ بہت چالاک اور چالباز تھی۔ پلک جھپکتے میں اس نے جیسے فیصل کا ذہن پڑھ لیا تھا۔ اس کی یہ تیزی اور طراری اگرچہ فیصل کو پسند نہ آئی۔ تاہم اس نے نورین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نورین......تم خود ہی کیوں نہیں سمجھ جاتی ہو......؟"

"مثلاً......میں کیا سمجھوں؟" وہ تھوڑا سا آگے کو جھکتے ہوئے مستفسر ہوئی۔

اس کے جھکاؤ کا زاویہ اور سوال کا انداز انتہائی خطرناک تھا۔ فیصل کو اپنے پورے وجود میں ایک کرنٹ سا دوڑتا محسوس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا بدن پسینا اگلنے لگا۔ وہ بنیادی طور پر ایک شریف اور بے حد شرمیلا شخص تھا۔ نورین کی بے باکی نے اسے شرم سے "پانی پانی" ہونے پر

مجبور کر دیا تھا۔ اس نے دو چار گہری سانسیں لینے کے بعد خود کو سنبھالا اور قدرے مستحکم لہجے میں بولا۔

"دیکھو نورین! تمہارا باپ ایک شریف اور عزت دار انسان ہے......!"

"اس لیے مجھے ابو کی عزت اور شرافت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی بات مان لینا چاہیے۔" وہ فیصل کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "جو بھی آتا ہے، وہ نصیحت کا آغاز یہیں سے کرتا ہے، میرے کان پک گئے ہیں اس قسم کی باتیں سن سن کر......!"

فیصل نے اس کی برہمی اور جھنجلاہٹ کا ذرا برا نہ منایا اور معتدل انداز میں بولا۔ "سب لوگ تمہیں اس طریقے سے اس لیے سمجھاتے ہیں کہ تم جو کچھ کر رہی ہو وہ تمہیں زیب نہیں دیتا...... تمہارے باپ کی گردن جھک جاتی ہے...... مجھے عبدالغفور نے تمہارے بارے میں بڑی تفصیل سے بتایا ہے۔"

"میں کیا غلط کر رہی ہوں۔" وہ چمک کر بولی۔ "دوستی کرنے میں کون سی برائی ہے؟"

"کسی بھی شریف لڑکی کے نامحرم مردوں سے دوستی کرنے کو ہمارا معاشرہ اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔" فیصل نے اپنا فرض پورا کرنے کا عمل جاری رکھا۔ "تم مانو یا نہ مانو مگر یہ حقیقت ہے کہ تمہاری مصروفیات سے عبدالغفور کو پل پل جس ذہنی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہو......؟"

"یہ ابو کی غیرت پچھلے کچھ عرصے سے کوئی زیادہ ہی بیدار ہو گئی ہے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"پچھلے کچھ عرصے سے...... کیا مطلب؟" فیصل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "پہلے وہ بالکل پرسکون اور خوش تھے لیکن میں دیکھ رہی ہوں گزشتہ تین چار ماہ سے انہیں میری کچھ زیادہ ہی فکر کھائے جا رہی ہے۔ اونہہ......!"

فیصل کے ذہن میں عبدالغفور کی وہ بات تازہ ہو گئی جو اس نے فیکٹری جا کر نورین کے بارے میں تحقیق کرنے کے حوالے سے بتائی تھی۔ اسی تناظر میں اس نے نورین سے کہا۔

"ہو سکتا ہے، عبدالغفور کو اس سے پہلے تمہاری سرگرمیوں کا علم نہ ہو......؟"

"سب بے کار کی باتیں ہیں......!" وہ بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

"کمال ہے......!" فیصل نے حیرت بھری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم اتنے اہم اور سنگین معاملے کو بے کار کی باتیں کہہ رہی ہو؟"

"فرض کرو، تم ایک شادی شدہ شخص ہو اور تمہاری ایک جوان بیٹی ہے......!"

"میں اس معاملے کو فرض نہیں کر سکتا۔" نورین نے بات شروع کی ہی تھی کہ فیصل بیچ میں بول اٹھا۔ "کیونکہ میں شادی شدہ ہوں اور میری ایک بیٹی بھی ہے...... یہ الگ بات کہ وہ ابھی محض سات سال کی ہے۔"

"لیکن تم شادی شدہ نظر تو نہیں آتے؟" نورین نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔

وہ بے ساختہ بولا۔ "اس میں میرا کوئی قصور نہیں!"

نورین بھی بے اختیار ہنس پڑی۔

فیصل کے سامنے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ نورین کا ایک نیا شیڈ ابھر رہا تھا۔ وہ دونوں اس وقت جتنے حساس اور نازک موضوع پر بات کر رہے تھے اس میں کوئی لڑکی اتنی بہادری اور بے باکی سے گفتگو نہیں کر سکتی جس فن کا مظاہرہ نورین کر رہی تھی۔ وہ نورین کے اس انداز اور رویے پر جتنی بھی حیرت محسوس کرتا وہ کم تھی۔ یہ اس کی زندگی کا بڑا یادگار اور سنسنی خیز تجربہ تھا۔

نورین نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فرض کرو، تمہاری جوان بیٹی ہے...... اتنا تو فرض کر سکتے ہو نا؟"

"ہاں، کر سکتا ہوں...... آگے بولو۔" فیصل نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"تمہاری بیٹی کسی فیکٹری میں کام کرتی ہے اور اسے صرف بارہ سو روپے تنخواہ ملتی ہے۔"

نورین نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے کہا۔ "گھر کے اخراجات اسی کو پورے کرنا ہوتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ اپنی تنخواہ سے دوگنا خرچ کر رہی ہے۔ اس وقت تمہیں چاہیے نا کہ بیٹی سے پوچھو کہ یہ اوپر کی رقم کہاں سے آ رہی ہے؟"

"بالکل، یہ تو میرا فرض بنتا ہے۔" فیصل نے جلدی سے کہا۔

"کاش ابو بھی اپنے فرض کو یاد رکھتے۔" وہ دکھی لہجے میں بولی۔ "وہ تو میری زیادہ کمائی پر خوش ہوتے رہے۔ اس طرح میرا حوصلہ بڑھتا چلا گیا اور اب......" وہ سانس لینے کے لیے ٹھہری

پھر بڑے ڈرامائی انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''اور اب......جبکہ میں اس راہ پر بہت آگے نکل چکی ہوں تو ابو کی غیرت کروٹ لے کر جاگ اٹھی ہے۔ اسے میری حرکتوں میں بے شرمی اور بے غیرتی نظر آنے لگی ہے لیکن وقت گزرنے کے بعد واپسی کا کوئی راستہ کھلا نہیں رہتا۔ انسان کو اپنی چنی ہوئی راہ پر آگے ہی آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ چاہے اس راہ کا نام تباہی و بربادی ہو یا حصول ضرورت!''

نورین نے ابھی حالات کی جو صورت فیصل کے سامنے پیش کی تھی وہ عبدالغفور کی بیان کردہ کہانی سے قطعاً لگا نہیں کھاتی تھی لیکن وقت کے زیاں کے پیش نظر فیصل نے کسی نئی بحث کا دروازہ کھولنے کے بجائے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''نورین! انسان کو کسی بھی حال میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مایوسی بہت بڑا گناہ ہے!''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ آنکھیں سکیڑ کر فیصل کو تکنے لگی۔

''میرے خیال میں تمہاری واپسی کے لیے ایک دروازہ کھلا ہوا ہے۔'' فیصل نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''اور وہ راستہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ تمہاری زندگی کی آخری سانس تک۔''

''ایسا کون سا راستہ ہے بھئی؟'' نورین نے متذبذب انداز میں پوچھا۔

وہ بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''بتا دوں......؟''

''ہاں، بتا دو، اتنا سسپنس کیوں پیدا کر رہے ہو۔'' وہ بے تابی سے بولی۔ ''شاباش، جلدی کرو۔''

''میرا تمہارے لیے یہ مشورہ ہے کہ جتنا جلدی ممکن ہو......تم شادی کر لو!''

''شادی......!'' اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''مسٹر فیصل! یہ ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں ممکن نہیں ہے۔'' وہ ضدی لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''تمہارے دوستوں میں سے کوئی تو ایسا ہوگا جسے تم زندگی کا ساتھی بنا لو؟''

''یا تو تم حد درجہ بے وقوف ہو یا پھر مجھے الو سمجھتے ہو؟'' نورین نے مشکوک نظر سے اس

کی طرف دیکھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں!'' فیصل نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں......ایسی ہی بات ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''وہ سب دوستی کے خواہاں ہیں، شادی کرنے کو کوئی تیار نہیں ہوتا۔''

''پھر بھی اگر تم کوشش کرو تو کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔'' فیصل اپنی ضد پر قائم رہا۔ ''وہ کیا کہتے ہیں......نیت صاف، منزل آسان!''

''وہ کیا کہتے ہیں......یہ کیا کہتے ہیں......سب کہنے ہی کی باتیں ہیں مسٹر فیصل۔'' وہ بددلی سے بولی۔ ''حقیقی زندگی سے ایسے خوبصورت جملوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہرحال، تم اتنا اصرار کر رہے ہو تو کوشش کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں......ارے ہاں، مل گیا......!''

نورین نے بڑے سنسنی خیز مرحلے پر بات نامکمل چھوڑی تو فیصل نے بے ساختہ پوچھا۔

''کون مل گیا؟''

''بھئی! تم نے مشورہ دیا ہے کہ اگر میں کوشش کروں تو شادی کے لیے کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔'' وہ بڑے پراسرار انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے سنجیدگی سے تھوڑی کوشش کی تو ایک ایسا شخص میری نگاہ میں آ گیا جس سے میں شادی کر سکتی ہوں۔''

''کون ہے وہ؟'' فیصل نے سرسراتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''تم......!'' نورین نے گویا ایک دھماکا کر دیا۔

''یہ کیا مذاق ہے؟'' وہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں بولا۔ ''مم......میں......!''

نورین نے کہا۔ ''اسے مذاق نہ سمجھو فیصل، میں بالکل سنجیدہ ہوں۔''

''میں تو شادی شدہ ہوں۔'' وہ نروس انداز میں بولا۔ ''تم ـــ کیسے شادی کر سکتا ہوں......؟''

''میرے دوستوں کے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی نوعیت کی پرابلم ہے۔'' وہ بڑا گہرا طنز کرتے ہوئے بولی۔ ''وہ بھی سب اتفاق سے شادی شدہ ہیں اور مزید شادی کا نام سن کر ان کی جان جاتی ہے......بالکل تمہاری طرح!''

اس سے پہلے کہ فیصل، نورین کی اس چوٹ کا کوئی معقول اور مدلل جواب دیتا، عبدالغفور

ناشتے کی ٹرے لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ وہ دونوں خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ عبدالغفور ناشتے کی ٹرے کو نورین کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''مجھے کچھ دیر ہو گئی شاید......!''

''شاید نہیں یقیناً ابو۔'' نورین نے خفگی آمیز لہجے میں کہا۔ ''اور آپ ایسا جان بوجھ کر کرتے ہیں، جب بھی آپ مجھے سمجھانے کی غرض سے کسی کو پکڑ کر لاتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں نا؟''

''نہیں، تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' عبدالغفور نے خجالت بھرے انداز میں کہا۔ ''اور یہ بھی سچ ہے کہ تم نے نہ سمجھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔''

''نورین بی بی نے آج یہ قسم توڑ دی ہے انکل۔'' فیصل نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب فیصل بیٹا!'' عبدالغفور نے حیرت بھری نظر سے اسے دیکھا۔ ''اور یہ تم اٹھ کر کھڑے کیوں ہو گئے۔ میں نے تم دونوں کے لیے ناشتا بنایا ہے......!''

نورین بھی فیصل کے اچانک کھڑے ہو جانے پر الجھن زدہ انداز میں اسے تکنے لگی تھی۔ فیصل نے نورین کو نظر انداز کرتے ہوئے عبدالغفور سے کہا۔

''ناشتے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور میں اٹھ کھڑا اس لیے ہوا ہوں کہ میرے خیال میں، اب مجھے چلنا چاہیے۔ آپ مجھے جس کام کے لیے پکڑ کر یہاں لائے تھے وہ میں نے کر دیا ہے۔ نورین کی طرف سے آپ کو زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ آپ کو تنگ نہیں کرے گی اور جلد ہی کوئی بہت بڑی خوشخبری سنائے گی......'' پھر اس نے نورین کی جانب مڑتے ہوئے تصدیق طلب انداز میں پوچھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا......؟''

یہ انوکھی چال فیصل نے ایک فوری اور اچھوتے خیال کے تحت چلی تھی۔ اسے اچانک محسوس ہوا تھا کہ وہ دونوں باپ بیٹی نفسیاتی مریض ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ ان میں کون غلط ہے اور کون صحیح، اسے ان کے معاملات میں نہیں الجھنا چاہیے۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ بلاشبہ، اس

نوعیت کے خیالات اس کے ذہن ہی کی کرشمہ کاری تھی جو اسے کسی بڑی مصیبت سے بچانا چاہتا تھا۔ نورین نے اس کے استفسار کے جواب میں متذبذب انداز میں کہا۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آیا، تم کیا اوٹ پٹانگ بول رہے ہو......؟''

عبدالغفور نے تصدیقی انداز میں پوچھا۔ ''تو تمہارا یہ مطلب ہے کہ تم نے نورین کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے؟''

''اچھی طرح سمجھ بھی لیا ہے اور اسے اچھی طرح سمجھا بھی دیا ہے۔'' فیصل نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اب آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو بڑی مہربانی ہوگی!''

نورین نے جھوٹے منہ بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ عبدالغفور نے بھی ایسا کوئی اصرار نہیں کیا اور سادہ سے لہجے میں بولا۔

''آؤ بیٹا...... میں تمہیں رخصت کر دوں۔''

فیصل نے ایک سکون بخش گہری سانس لی اور نورین کو الوداع کہہ کر عبدالغفور کے ساتھ ہو لیا۔

جب فیصل اپنی بائیک پر سوار ہو کر وہاں سے رخصت ہونے لگا تو عبدالغفور نے امید بھری نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تو بیٹا...... میں مطمئن رہوں نا؟''

''ہاں ہاں، بالکل...... آپ فکر نہ کریں۔'' فیصل نے جان چھڑانے والے انداز میں تسلی دی۔ ''نورین کی وجہ سے اب آپ کو کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔''

''اللہ تمہارا بھلا کرے بیٹا۔'' عبدالغفور نے دعائیہ انداز میں کہا۔ ''یہ تو بہت ہی اچھا ہوا کہ تم دونوں نے ایک دوسرے کو سمجھ لیا۔ اب تم لوگوں کی آئندہ زندگی بڑی خوشگوار گزرے گی۔ میں نے ناشتا لانے میں جان بوجھ کر دیر کی تھی تاکہ تم لوگوں کو اچھی طرح باتیں کرنے کا موقع مل سکے، میں تو......''

''ایک منٹ انکل......!'' فیصل نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا اور بے حد الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''یہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں...... ہماری آئندہ کی خوشگوار زندگی...... کیا مطلب ہے آپ کا؟''

”بڑی سیدھی اور آسان سی بات ہے بیٹا۔“ عبدالغفور نے شفقت بھرے انداز میں کہا۔ ”تم نورین سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہونا اور......اس نے بھی تمہیں پسند کر لیا ہے......!“

”ایسی کوئی بات نہیں چاچا جی!“ فیصل نے جھنجلا کر کہا۔ ”آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں شادی شدہ ہوں اس لیے دوسری شادی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”میں ڈرائنگ روم میں داخل ہونے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے دروازے سے باہر ایک طرف رک گیا تھا اور میں نے وہاں کھڑے کھڑے، تم دونوں کے درمیان ہونے والی بات چیت کا ایک حصہ سن لیا ہے۔“ عبدالغفور نے ٹھہرے ہوئے انداز میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”نورین نے تمہارے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ......اس نے شادی کے لیے اپنے ذہن میں جس شخص کو محفوظ کر رکھا ہے وہ تمہی ہو۔ میں تو خوش ہو گیا تھا کہ......“

”وہ نورین کے ذہن کا فتور تھا۔“ فیصل نے قدرے تیز آواز میں کہا۔ ”اور میں نے اپنے جواب سے اس کی تسلی بھی کر دی ہے۔ آپ کو خوامخواہ زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں......!“

اب فیصل کو واضح طور پر محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ باپ بیٹی ایک گھیرو پارٹی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد جان چھڑا کر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

فیصل کے جواب نے عبدالغفور کے چہرے اور آنکھوں میں گہری مایوسی بھر دی، وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”بیٹا! تم نے تو مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ تم دونوں نے ایک دوسرے کو بڑی اچھی طرح سمجھ لیا ہے......“

”وہ میری زبان کی لغزش اور آپ کی سماعت کا دھوکا تھا چاچا جی!“ فیصل نے اپنی بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ مجھے معاف کر دیں......اللہ حافظ!“

پھر وہ عبدالغفور کی کوئی بھی بات سنے بغیر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

چند روز بعد اس کی اپنے ایک دوست اشتیاق سے ملاقات ہوئی۔ اشتیاق پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اے ایس آئی کے عہدے پر کام کر رہا تھا۔ فیصل نے نورین اور عبدالغفور کے بارے میں اشتیاق کو پوری تفصیل سے بتا دیا۔ اشتیاق نے بڑی توجہ سے اس کی بات سنی اور آخر میں

کہا۔

”فیصل! تم مجھے چاچا غفور کے گھر کا ایڈریس بتاؤ، یہ دو نمبر لوگ ہیں......!“

”دو نمبر لوگ ہیں تو تمہیں ان سے کیا کام؟“

”ہمیں دو نمبر لوگوں سے زیادہ کام پڑتا ہے یار۔“ اشتیاق نے معنی خیز انداز میں کہا پھر آنکھ دبا کر بولا۔ ”سمجھا کرو نا یار......!“

”تو......کیا تم بھی نورین کے دوستوں کی صف میں شامل ہونا چاہتے ہو......؟“ فیصل نے متاملانہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

”لاحول ولاقوۃ......!“ اشتیاق نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ”مجھ میں لاکھ برائیاں ہوں گی لیکن تم جانتے ہو کہ میں اس لائن کا بندہ نہیں ہوں۔“

”پھر......کیا تم ان باپ بیٹی کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟“ فیصل کی الجھن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

”ایسی بھی کوئی بات نہیں یار۔“ اشتیاق کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”لیکن اس سے ملتی جلتی بات ضرور ہے......“

”کیا مطلب؟“ فیصل سوالیہ نظر سے اسے دیکھنے لگا۔

اشتیاق وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”میں نورین یا عبدالغفور کو گرفتار نہیں کروں گا لیکن نورین کا چارا لگا کر میں ایک بھگوڑے شخص کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا!“ فیصل نے متذبذب انداز میں کہا۔

اشتیاق بتانے لگا۔ ”عامر ملک نامی ایک شاطر آدمی، وحید اللہ نام کے ایک سیدھے سادے شخص کے دو لاکھ روپے کھائے بیٹھا ہے۔ وحید اللہ کے پاس اس رقم کے لین دین کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور عامر ملک خوبصورت بہانوں سے اسے ٹالتا چلا آ رہا ہے۔ میں نے وحید اللہ کا کیس ”پرائیویٹلی“ اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں عامر ملک سے اس کی رقم نکلوانے میں کامیاب ہو جاؤں تو وہ آدھی رقم مجھے ”نذرانے“ میں دے دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں نورین کی مدد سے عامر ملک کو بہ آسانی ٹریپ کر سکتا ہوں۔“

"تم پولیس والوں کا بھی کوئی اصول قاعدہ نہیں ہے۔" فیصل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جو کام تمہارے فرائض کا حصہ ہے، اسے تم "پرائیویٹلی" کر کے اپنی جیب گرم کرتے رہتے ہو......!"

"یار! لوگوں کو بھی تو ذرا عقل نہیں ہے۔" اشتیاق نے مضبوط انداز میں کہا۔ "وحیداللہ کو چاہیے تھا کہ دو لاکھ کا لین دین کرتے ہوئے کوئی لکھت پڑھت کر لیتا۔ اگر آج اس کے ہاتھ میں کوئی ثبوت ہوتا تو پولیس کو عامر ملک کے خلاف کارروائی کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔ ہم خوامخواہ اور بے بنیاد تو اسے نہیں دبا سکتے نا......اور ویسے بھی......!" ایک لمحے کا توقف کر کے اس نے گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"ویسے بھی وحیداللہ کے دو لاکھ تو ڈوبے ہی ہوئے ہیں۔ میری کوشش سے اگر اسے ایک لاکھ مل جائیں گے تو اس بے چارے کی تو عید ہی ہو جائے گی۔"

"تم لوگ جو بھی کرنا چاہو کر سکتے ہو۔" فیصل نے چوٹ کی۔ "کوئی تمہیں روکنے والا نہیں۔"

"فکر نہ کرو یار۔" وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں نورین کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی نہیں کروں گا۔ اس مشن کی تکمیل پر میں پانچ دس ہزار اس کے ہاتھ پر بھی ضرور رکھ دوں گا۔"

"تمہارا جو جی چاہے کرو، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" فیصل لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ ان باپ بیٹی کو کسی نئی مصیبت میں نہیں ڈال دینا......کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دو نمبر سے تین یا چار نمبر بن جائیں......!"

"تم سب کچھ مجھ پر چھوڑ کر بے فکر ہو جاؤ......!" اشتیاق نے بڑے اعتماد سے کہا۔

اور فیصل واقعی بے فکر ہو گیا۔

اس واقعے کے چند روز بعد اشتیاق نے فیصل کو فون کیا اور کہا۔ "یار! تم گلشن کے علاقے میں رہتے ہو، مجھے ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ کے بارے میں کچھ معلومات درکار ہیں۔"

"اپارٹمنٹس بلڈنگ کا نام بتاؤ۔" فیصل نے کہا۔

جواب میں اشتیاق نے جس بلڈنگ کا نام لیا اسے سن کر فیصل کا دماغ گھوم گیا۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ "مذاق کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟"

"کیا مطلب......تم میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہو!"

"اس سے بڑا اور بے ہودہ مذاق اور کیا ہوگا کہ تم مجھ سے اس بلڈنگ کے بارے میں پوچھ رہے ہو جہاں میں رہتا ہوں اور تم مجھ سے ملنے کئی مرتبہ میرے گھر بھی آ چکے ہو......!" فیصل نے شاکی لہجے میں کہا۔ "کیا تمہارا حافظہ بالکل ہی جواب دے گیا ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ۔" اشتیاق نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ "ابے یار، بالکل دھیان میں نہیں رہا تھا۔"

"جب ایک لاکھ کے خواب دیکھو گے تو دھیان کہاں کام کرے گا!" فیصل نے مذاق کے رنگ میں کہا۔

"تمہارا تیر بالکل نشانے پر لگا ہے یار۔"

"تیر......میں نے کون سا تیر چلایا ہے؟" فیصل کے لہجے سے حیرت مترشح تھی۔

"یہی جو تم نے ایک لاکھ کے خواب والی بات کی ہے۔" اشتیاق وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "بس آج رات یہ ایک لاکھ میری جیب میں آ جائیں گے۔"

"کیسے آ جائیں گے؟" فیصل نے پوچھا۔ "کیا تم نے عامر ملک کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے؟"

آج سے پینتیس، چالیس سال پہلے ایک لاکھ روپے کی بڑی اہمیت ہوا کرتی تھی۔ اشتیاق نے فیصل کے جواب میں بتایا۔ "آج رات وہ مرغا میری گرفت میں آ جائے گا اور وہ بھی رنگے ہاتھوں، اس کی گرفتاری کے لیے تم مجھ سے تعاون کرو گے۔"

"میں......بھلا وہ کیسے؟" فیصل نے الجھن زدہ انداز میں پوچھا۔

"وہ اس طرح کہ عامر ملک آج کی رات نورین کے ساتھ تمہاری بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں موجود ہوگا۔" اشتیاق گہری سنجیدگی سے اسے بتانے لگا۔ "میں نے جس فلیٹ کا ذکر کیا ہے وہ پچھلے کئی ماہ سے بند ہے۔ عامر ملک کی فلیٹ کے مالک سے گہری جان پہچان ہے۔ وہ کبھی کبھی مالک سے چابی لے کر رات گزارنے وہاں آ جاتا ہے۔ "رات گزارنے" کا مطلب سمجھتے ہو نا؟"

"اچھی طرح سمجھتا ہوں، تم آگے بتاؤ۔" فیصل نے کہا۔

یہ بات فیصل کے علم میں تھی کہ ان کی اپارٹمنٹس بلڈنگ کے چند فلیٹس میں مشکوک

نوعیت کی نقل و حرکت دیکھنے میں آئی تھی۔ اشتیاق نے عامر ملک اور نورین کے حوالے سے جس فلیٹ کا ذکر کیا تھا اس کا شمار بھی مشتبہ فلیٹس ہی میں ہوتا تھا۔ لہٰذا اس کا تشویش میں مبتلا ہو جانا لازم تھا۔ اشتیاق ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔

''میری پلاننگ کے عین مطابق نورین نے عامر ملک کو اپنے شیشے میں اتار لیا ہے۔ آج کی رات وہ عامر ملک کے ساتھ تمہاری بلڈنگ کے اس فلیٹ کے اندر گل چھرے اڑائے گی جس کا میں نے ذکر کیا ہے اور میں ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لوں گا اور وہ بھی بلڈنگ کے تین چار مکینوں کی موجودگی میں تاکہ عامر ملک کے فرار کے سارے راستے مسدود ہو جائیں اور میں بہ آسانی اس کے ساتھ مک مکا کر سکوں۔'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

''اس کام کے لیے مجھے تمہارا تعاون درکار ہے۔ جب نورین کی اطلاع پر میں وہاں پہنچوں تو تم تین چار افراد کو اس کارروائی میں حصہ لینے کے لیے تیار کر لینا۔ ان میں اگر بلڈنگ کی کمیٹی کا کوئی ممبر شامل ہو تو یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ اس طرح میرا کیس زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔ میں لوگوں کے سامنے ان دونوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں گا پھر ڈرا دھمکا کر میں اپنا مقصد حاصل کر لوں گا۔ کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کرو گے؟''

''تمہاری مدد کرنے میں تو کوئی قباحت نہیں۔'' فیصل نے کہا۔ ''لیکن کیا نورین اس کام کے لیے تیار ہو گئی ہے؟''

''میں نے اسے آدھی بات بتائی ہے۔'' اشتیاق نے چالاکی سے کہا۔ ''اس لیے وہ فوراً تیار ہو گئی ہے۔''

''آدھی بات..... کیا مطلب؟'' فیصل نے سوال کیا۔

''میں نے اسے رنگے ہاتھوں، نازیبا حالت میں گرفتاری کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' اشتیاق نے بتایا۔ ''حالانکہ وہ اسی لائن کی لڑکی ہے لیکن اگر میں اسے اپنے پروگرام کے بارے میں سب کچھ بتا دیتا تو وہ اس مشن کے لیے تیار نہ ہوتی۔''

''پھر تم نے اسے کیا بتایا ہے؟''

''یہی کہ جیسے ہی عامر ملک اسے اپنے ساتھ لے کر اس فلیٹ کی طرف روانہ ہو گا، وہ

مجھے اطلاع دے گی اور میں ان کے تعاقب میں لگ جاؤں گا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''پھر جب وہ دونوں فلیٹ کے اندر بند ہو جائیں گے تو میں فوراً چھاپا مارنے وہاں پہنچ جاؤں گا...... اللہ اللہ، خیر سلا۔''

''اور عامر ملک اتنا ہی بے وقوف انسان ہے کہ اس نے نورین کو مذکورہ فلیٹ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے؟'' فیصل نے ایک اعتراض اٹھایا۔

''فیصل! تمہیں بالکل بھی اندازہ نہیں کہ یہ تمہاری نورین کتنی زبردست ہے۔'' اشتیاق نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اس نے عامر ملک کے دل و دماغ کو اپنی مٹھی میں دبوچ رکھا ہے اور جہاں تک عامر ملک کی عقل مندی اور بے وقوفی کا تعلق ہے۔'' وہ تھوڑی دیر کے لیے رکا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''وہ تم رات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا!''

''وہ تو میں دیکھ ہی لوں گا لیکن تم سے میری ایک چھوٹی سی گزارش ہے۔''

''ایک نہیں، دس گزارشات کرو..... بلکہ دس حکم کرو میرے یار؟'' اشتیاق نے بڑے ولولے سے کہا۔

''تم آئندہ کبھی ''تمہاری نورین'' کے الفاظ استعمال نہیں کرو گے۔'' فیصل نے حد درجہ سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''ایک آوارہ لڑکی کے ساتھ اپنا تعلق جڑے دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگتا.....''

''ڈن.....!'' اشتیاق نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''میں آئندہ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھوں گا۔''

''ایک بات اور یار......'' فیصل نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''ہاں، بولو......!''

''میں تمہارے کہنے اور ضرورت کے مطابق، اس بلڈنگ کے تین چار مکینوں کو، بشمول ایک آدھ کمیٹی ممبر، اس مشن کے لیے تیار کر لوں گا لیکن ان افراد میں، میں ہرگز ہرگز شامل نہیں ہوں گا۔'' فیصل نے بڑے واضح انداز میں کہا۔ ''کیونکہ نورین مجھے شکل و صورت سے بڑی اچھی طرح پہچانتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے اس کارروائی میں شریک سمجھے!''

''مجھے تمہاری یہ شرط بھی منظور ہے!'' اشتیاق نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''بس اتنا بندوبست

کر دینا کہ میرا کام نکل آئے......''

پھر ایک دو ضمنی باتوں کے بعد ان کے بیچ ٹیلی فونک سلسلہ موقوف ہو گیا۔

اس رات فیصل والی بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں جو کچھ پیش آیا وہ اس واقعے کے تمام اہم کرداروں کے لیے خلاف توقع تھا۔ نورین یہ سوچ کر عامر ملک کے ساتھ وہاں آ گئی تھی کہ اسے پورا بھروسا تھا کہ اشتیاق ان کے تعاقب میں ہے۔ وہ جیسے ہی فلیٹ میں بند ہوں گے، پولیس اپنی کارروائی ڈال دے گی، دوسری جانب عامر ملک کے ذہن میں کچھ اور ہی چل رہا تھا۔ وہ نورین کو ''بیڈ ٹائم اسٹوریز'' سنانے کے لیے وہاں نہیں لے کر آیا تھا۔ بات چیت تو آئس کریم پارلرز اور ریسٹورنٹس میں بہت ہو چکی تھی۔ وہ آج کی رات اپنے خصوصی جذبات کی تسکین چاہتا تھا۔ تیسری جانب اشتیاق کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ ان دونوں کو بیچ منجدھار میں پکڑ لے۔ وہ نہ تو اس کنارے پر کھڑے ہوں اور نہ ہی تیر کر دوسرے کنارے پر پہنچ چکے ہوں۔ وہ منہ زور جذبات اور بے لگام خواہشات کی چڑھی ہوئی ندی میں ڈبکیاں کھا رہے ہوں تو وہ انہیں رنگے ہاتھوں اپنی گرفت میں لے لے.....لیکن اگلے چند منٹ میں جو واقعات پیش آئے انہوں نے سب کو چونکا کر بلکہ بوکھلا کر رکھ دیا۔

عامر ملک اپنے ''فن'' میں کچھ زیادہ ہی ماہر ثابت ہوا۔ اس نے ''چائے بنانے'' کے ٹائم میں ''کھانا تیار'' کر لیا۔ اشتیاق کو اس کی جانب سے ایسی تیزی اور طراری کی امید نہیں تھی۔ دوسری طرف نورین بھی عامر ملک کے ماہرانہ ''ہتھکنڈوں'' کے آگے زیادہ دیر مزاحمت پیش نہ کر سکی اور فوراً سے پیشتر اس کی معمول بن گئی۔ نورین اور اشتیاق کو عامر ملک کی پھرتیوں کا اندازہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ مار کھا گئے۔ جب پھر اشتیاق نے اپنے 'محتاط اندازے'' کے مطابق وہاں ریڈ کیا تو اندر پلوں کے نیچے اور اوپر سے بہت سارا پانی بہہ چکا تھا۔

اس صورت حال نے سب سے زیادہ نورین کو بوکھلا دیا۔ دروازے پر ہونے والی دھڑ دھڑاہٹ اور مکینوں کے شور شرابے نے اس کی مت مار دی۔ اس نے غیر ارادی طور پر، اپنی سیفٹی میں ایک ایسا سنگین قدم اٹھایا جس نے اشتیاق کے منصوبے کی ایسی کی تیسی کر دی۔ اس نے بے ساختہ اپنے لباس کو جگہ جگہ سے پھاڑ ڈالا اور جیسے ہی پولیس، بلڈنگ کے مکینوں کی معیت میں فلیٹ کے اندر داخل ہوئی، وہ جلدی سے ایک بیڈ شیٹ کو اپنے بدن پر لپیٹ کر مظلوم بن گئی پھر

آنسوؤں سے روتے ہوئے اس نے نصف درجن افراد کے سامنے بیان دیا کہ وہ شخص (عامر ملک) دوستی کی آڑ میں بہلا پھسلا کر اسے اپنے ساتھ اس فلیٹ پر لے آیا تھا پھر ڈرا دھمکا کر اسے بے آبرو کر ڈالا۔ خود کو بچانے کی کوشش میں اس کا لباس تار تار ہو گیا......وغیرہ وغیرہ۔

اگر دو نامحرم افراد ایک فلیٹ میں بند پائے جاتے تو دوسری بات تھی۔ اشتیاق انہیں نازیبا اور شرمناک حرکات کے الزام میں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جاتا اور بعد ازاں وہ ڈرا دھمکا کر عامر ملک سے کچھ نہ کچھ مک مکا کر لیتا۔ اس عمل میں اشتیاق کے علاوہ وحید اللہ کا بھی بھلا ہو جاتا کیونکہ یہ بات تو ظاہر تھی کہ عامر ملک کسی بھی صورت جیل جانا پسند نہ کرتا لیکن وہاں نورین کی ایک بے ساختہ اور اضطراری حرکت نے جو سچویشن پیدا کر دی تھی اور وہ بھی نصف درجن معزز گواہوں کے سامنے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ اشتیاق باقاعدہ قانونی کارروائی کو عمل میں لائے۔ اب وہ اپنی من مانی اور جوڑ توڑ کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا کیونکہ انہی معزز گواہوں میں ایک شخص اخباری رپورٹر بھی تھا۔

جب اس نوعیت کی قانونی کارروائی کو بروئے کار لایا گیا تو کچھ عرصے بعد نورین کو مظلوم قرار دیتے ہوئے چھوڑ دیا گیا۔ عامر ملک اپنے کیے کی پاداش میں سزا پا کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے چلا گیا اور وحید اللہ کے ساتھ ساتھ اے ایس آئی اشتیاق بھی ہاتھ ملتا رہ گیا تھا۔ اس مشن میں، ان کے حصے میں کچھ بھی نہیں آیا تھا۔

کچھ ہی عرصے بعد یہ بات کھل گئی کہ پولیس کارروائی میں سب سے اہم کردار فیصل نے ادا کیا تھا لہٰذا عامر ملک سے متعلق چند جرائم پیشہ لوگ نہایت ہی خفیہ انداز میں فیصل کو خطرناک نتائج کی دھمکیاں دینے لگے۔ فیصل ان حالات سے پریشان تو ہوا اور اس نے اس بارے میں اشتیاق کو بھی بتایا لیکن پھر دھمکیوں کا یہ سلسلہ خود ہی رک گیا۔ فیصل نے سکھ کی سانس لی۔

دو ماہ گزرے تھے کہ فیصل اور اس کی فیملی کا سکھ چین غارت ہو کر رہ گیا۔ اسے عدنان علی کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تھا اور اب وہ پچھلے چھ ماہ سے جیل میں بند تھا۔ یہ تھی فیصل کی بپتا جسے میں نے کچھ زیادہ ہی مفصل انداز میں آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ یہ ایک خلاف معمول بات ہے بہرحال.....!

✠ ✠ ✠

جیسا کہ ابتدا میں بتایا جا چکا ہے کہ اس کیس کو عدالت میں لگے سات ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ پچھلے چھ ماہ سے تو فیصل جوڈیشل ریمانڈ پر جیل میں بند تھا۔ اس کے سابق وکیل نے اب تک کیس بگاڑنے کے سوا کچھ نہیں کیا تھا اور اب یہ کیس میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے فیصل سے ایک بھرپور ملاقات کرنے کے بعد اس کیس کا بھی اچھی طرح مطالعہ کر لیا تھا اور فیصل کے حق میں اس کیس میں اچھی خاصی جان نظر آئی تھی۔ اگر میں تھوڑی بہت ''خصوصی'' بھاگ دوڑ کر کے چند اہم معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کیس کو بہ آسانی ہینڈل کیا جا سکتا تھا۔ یہ بھاگ دوڑ اول آخر مجھے ہی کرنا تھی کیونکہ یہ کام اس کی بیوی فرزانہ کے بس کا نہیں تھا۔ بہرحال، آئندہ پیشی سے پہلے میں نے اپنے اس مقصد میں بہ احسن طریق کامیابی حاصل کر لی۔

آگے بڑھنے سے پہلے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بارے میں بتاتا چلوں۔ اس رپوٹ کے مطابق، مقتول عدنان علی کی موت سترہ اپریل کی رات سات اور نو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ مقتول کو سائلنسر لگے ریوالور سے فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ مذکورہ ریوالور سے چلائی گئی دو گولیاں چشم زدن میں مقتول کے سینے میں گھسیں اور اسے زندگی کی قید سے آزاد کر دیا۔ مقتول کو آفس کے اندر اسی کے کمرے میں قتل کیا گیا تھا۔ اگلے روز صبح اس کی لاش دریافت ہوئی اور پھر جیسے ہی فیصل دفتر پہنچا، اسے عدنان علی کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔

ابھی تک اس کیس کے حوالے سے کوئی قابل ذکر عدالتی کارروائی نہیں ہوئی تھی لہٰذا مجھے اپنے انداز میں اس کیس کو لے کر چلنا پڑا۔ میں عدالتی کارروائی کے حوالے سے زیادہ تفصیلات میں نہیں جاؤں گا، بس انتہائی اہم گواہوں پر ہونے والی جرح کا احوال آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ کیس کی ابتدا میں وکیل استغاثہ ملزم فیصل پر بھرپور جرح کر چکا تھا۔ میں نے چند ایک ضروری سوالات کے لیے اسے پچ کر لیا۔ جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد میں اکیوزڈ باکس کے قریب چلا گیا اور ملزم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''اب تو تمہیں دنیا کی حقیقت کا پتا چل گیا ہوگا؟''

''بہت اچھی طرح۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''اب کسی کے ساتھ نیکی یا ہمدردی کرو گے؟''

''جی تو نہیں چاہتا لیکن کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''انسان اپنی فطرت سے مجبور ہو جاتا ہے۔''

''بالکل درست کہا تم نے۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ ''بے شک انسان اپنی فطرت کے تابع ہے۔ اگر کوئی بندہ بشر کم ظرف، احسان فراموش اور دھوکے باز ثابت ہو جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس تجربے کے بعد انسان دوسروں کے ساتھ ہمدردی ہی کرنا چھوڑ دے۔ بہرحال......'' میں نے تھوڑا توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم روزانہ کتنے بجے آفس پہنچتے تھے؟''

انکوائری آفیسر اور وکیل استغاثہ میری ابتدائی جراح پر خاصے متذبذب دکھائی دے رہے تھے تاہم میرے مندرجہ بالا سوال کے بعد ان کے چہروں پر اطمینان نظر آنے لگا تھا۔ میرے موکل اور اس کیس کے ملزم نے جواب دیا۔

''کم و بیش گیارہ بجے......!''

''اور تمہاری چھٹی کتنے بجے ہوتی تھی؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''اس کا کوئی ٹائم فکس نہیں تھا۔'' ملزم نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ ''کبھی شام چھ بجے، کبھی ساڑھے چھ اور کبھی سات بجے۔''

''کیا تم یہ تمام وقت آفس ہی میں گزارتے تھے؟''

''نہیں۔'' اس نے بڑے قطعی انداز میں سر کو منفی جنبش دی پھر کہا۔ ''میرا کام مارکیٹنگ سے متعلق ہے۔ میں صبح آفس آ کر پندرہ بیس منٹ وہاں گزارتا تھا پھر ساڑھے گیارہ تک بائیک پکڑ کر فیلڈ میں نکل جاتا تھا۔ وہاں سے میری واپسی لگ بھگ شام پانچ بجے ہوا کرتی تھی پھر میں کلوزنگ وغیرہ کے لیے گھنٹا، آدھا گھنٹا مزید آفس میں بیٹھتا تھا۔ اس کے بعد اپنے گھر چلا جاتا تھا۔''

''بڑی اچھی بات ہے۔'' میں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ ''ذرا اچھی طرح سوچ کر بتاؤ، وقوعہ کے روز تم گھر جانے کے لیے دفتر سے کتنے بجے نکلے تھے؟''

''چھ...... یا زیادہ سے زیادہ سوا چھ بجے۔'' ملزم نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"جب تم دفتر سے رخصت ہوئے تو کیا مقتول اس وقت آفس میں موجود تھا؟"

"جی ہاں، موجود تھا۔"

"موجود تھا......" میں نے تصدیق طلب نظر سے ملزم کی طرف دیکھا۔ "یعنی زندہ تھا؟"

"بالکل زندہ تھا جناب......" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "میں اسے اس کے کمرے میں زندہ سلامت چھوڑ کر گیا تھا۔"

"یعنی گھر کے لیے روانہ ہونے سے پہلے تم مقتول کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود تھے۔" میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، مقتول کا کمرا کہہ سکتے ہیں۔" وہ شاکی لہجے میں بولا۔ "حالانکہ کچھ عرصہ پہلے تک وہ میرا کمرا ہوا کرتا تھا......!"

"یہ کیا ماجرا ہے...... ذرا تفصیل سے بتاؤ......؟"

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ نے صدائے مداخلت بلند کی۔

جج نے حیرت بھری نظر وکیل استغاثہ پر ڈالی۔ اس کی نظر میں اس استفسار کی جھلک تھی...... "کیا آبجیکشن ہے وکیل صاحب؟"

"جناب عالی!" وکیل استغاثہ نے احتجاجی انداز میں کہنا شروع کیا۔ "وکیل صفائی غیر متعلقہ سوالات میں الجھ کر معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں جبکہ اس کیس کے سلسلے میں پہلے ہی بہت تاخیر ہو چکی ہے۔"

"اگیزیکٹلی یور آنر!" میں نے اپنی فائلوں پر ہاتھ مارتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔ "میں اپنے فاضل دوست کی بات سے کلی طور پر اتفاق کرتا ہوں......!"

وکیل استغاثہ نے بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ میں کیونکر اس کی بات سے اتفاق کر سکتا ہوں۔ جج نے دلچسپی لیتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"بیگ صاحب! ذرا وضاحت کریں، آپ کو وکیل استغاثہ سے کس نوعیت کا اتفاق ہے؟"

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "جناب عالی! اس بات میں کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں کہ اب تک اس کیس کے حوالے سے عدالت کا بہت سا

قیمتی وقت برباد ہو چکا ہے اور کارروائی کا وہ حال ہے کہ...... زمین جنبد، نہ جنبد گل محمد...... کیس ایک انچ آگے نہیں سرکا لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس لیے قصوروار نہیں ہوں کہ آج میں پہلی مرتبہ اس کیس کی وکالت کر رہا ہوں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وقت کی بربادی کا ذمے دار میں نہیں تو پھر کون ذمے دار ہے۔ اس سوال کا بہت ہی آسان جواب ہے، یعنی وہ وکلا جو آج سے پہلے اس کیس کی کارروائی کا حصہ تھے...... مطلب یہ ہے کہ...... میرے فاضل دوست۔" میں نے وکیل استغاثہ کی جانب اشارہ کیا پھر مزید کہا۔ "اور وہ وکیل صفائی جو مجھ سے پہلے اس کیس کو ڈیفنڈ کر رہا تھا...... اب یہ دونوں افراد آپس میں فیصلہ کر لیں کہ وقت کی تباہی و بربادی میں ان دونوں کا کتنا کتنا حصہ ہے!"

وکیل استغاثہ نے معاندانہ نظر سے گھور کر مجھے دیکھا تاہم زبان سے کچھ نہ بولا۔

جج نے ٹٹولنے والی نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "تو اس کا مطلب ہے، آپ نے ملزم سے جو سوال کیا ہے، وہ غیر متعلق نہیں؟"

"قطعی نہیں!" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "وہ سوال اس کیس سے انتہائی متعلق ہے اور...... اس کے پوچھنے سے معزز عدالت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہوگا!"

"بیگ صاحب...... پلیز، پروسیڈ!" جج نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

وکیل استغاثہ کے سینے پر گویا سانپ لوٹ گیا۔ میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی اور اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم سے استفسار کیا۔

"تم کمروں کے حوالے سے کوئی افسوس ناک کہانی سنانے والے تھے؟"

"یہ ماجرہ بہت ہی مختصر ہے جناب!" وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "کچھ عرصہ پہلے تک نظامی صاحب نے جو کمرا مجھے دے رکھا تھا وہ عدنان کی آمد کے چند روز بعد ہی اسے دے دیا گیا تھا اور......"

"ایک منٹ......!" میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ "نظامی صاحب...... مطلب؟"

"اسد نظامی صاحب!" وہ فوراً میرے سوال کی تہ میں اترتے ہوئے بولا۔ "نظامی

صاحب ہماری فرم کے مالک ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "اب آگے بتاؤ...... پھر کیا ہوا تھا......؟"

"ہونا کیا تھا جناب۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ "پتا نہیں، نظامی صاحب کو عدنان میں کون کون سی خوبیاں نظر آ گئی تھیں کہ انہوں نے مجھے گویا نظر انداز ہی کر دیا تھا۔ سروس اور تجربے کی بنا پر، اصولی طور پر مجھے سینئر اور عدنان کو جونیئر سمجھا جانا چاہیے تھا اور اسی لحاظ سے ہمارے ساتھ سلوک بھی ہونا چاہیے تھا لیکن ہوا اس کے برعکس......" وہ لمحے بھر کے لیے تھما، ایک نظر حاضرین عدالت پر ڈالی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"میرا کمراہ عدنان کے حوالے کر دیا گیا۔ کام کی کمانڈ بھی اسی کو سونپ دی گئی۔ وہ آرام سے دفتر میں بیٹھ کر حکم چلاتا تھا اور میں پورا دن دھوپ گرمی میں، شہر کی سڑکیں ناپتا پھرتا تھا اور شام میں واپسی پر اسے حساب بھی دینا ہوتا تھا۔ میں چھوٹی سے چھوٹی بات کے لیے بھی مقتول کو جوابدہ تھا۔ وقوعہ کے روز بھی......" وہ ایک مرتبہ پھر متوقف ہوا، ایک گہری سانس لی اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"وقوعہ کے روز بھی میں کم از کم ایک گھنٹے تک مقتول کے سامنے کرسی پر بیٹھا، اس کے مختلف الٹے سیدھے سوالات کے جوابات دیتا رہا تھا اور پھر اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا تھا۔ اگلے روز جب میں دفتر پہنچا تو مجھے عدنان کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا حالانکہ گزشتہ روز میں اسے زندہ سلامت دفتر میں بیٹھا چھوڑ کر گیا تھا...... یہ ہے کل کہانی جناب!"

"بڑی دکھ بھری اور افسوس ناک کہانی ہے۔" میں نے تبصرہ کرنے والے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ "ذرا سوچ کر بتاؤ...... وقوعہ کے روز جب تم اپنے دفتر سے رخصت ہوئے تو اس وقت مقتول کے علاوہ دفتر میں اور کون کون موجود تھا؟"

"میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا جناب!" وہ معذوری کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "مقتول کی تلخ اور ترش تحقیر آمیز باتوں نے میرا دماغ اس قدر گرم کر دیا تھا کہ میں نے کسی بات پر دھیان نہیں دیا۔ میں کمرے سے نکلا، کمپنی سے باہر آیا اور اپنے گھر کی جانب روانہ ہو گیا......"

"ایک آخری سوال......!" میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "اس کیس میں عدنان علی

کے قتل کے ساتھ ہی پچاس ہزار روپے کی کہانی بھی جڑی ہوئی ہے۔ استغاثہ کے مطابق تم مقتول سے شدید ترین نفرت کرتے تھے۔ اس نے چند ہی روز میں تمہارا مقام اور تمہارا کام چھین لیا تھا لہٰذا تم نے موقع ملتے ہی اپنے حریف کو قتل کر دیا اور پچاس ہزار روپے کی رقم لے کر جائے وقوعہ سے فرار ہو گئے...... یہ پچاس ہزار کی کیا کہانی ہے؟"

"کہانی بس اتنی سی ہے کہ نہ تو میں نے عدنان علی کو قتل کیا ہے اور نہ ہی پچاس ہزار روپے لوٹے ہیں۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "یہ سراسر مجھ پر الزام ہے، بلکہ بہتان ہے۔ ہاں، یہ سچ ہے کہ اس وقت عدنان کے پاس پچاس ہزار کی رقم موجود تھی اور یہ رقم اسے میں نے ہی لا کر دی تھی۔"

"تم نے لا کر دی تھی......!" میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کہاں سے لا کر دی تھی اور کس مقصد کے لیے......؟"

"ان دنوں مارکیٹنگ کے علاوہ اُگرائی (کلیکشن اینڈ ریکوری) کا کام بھی میرے ذمے تھا۔" ملزم نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ "کچھ لوگ چیک دیتے تھے اور بعض پارٹیاں کیش پے منٹ کر دیا کرتی تھیں۔ یہ رقم اسی سلسلے میں، میں مختلف کلائنٹس سے جمع کر کے لایا تھا۔"

آج کل کی طرح، چالیس سال پہلے پے منٹ کا سسٹم کلی طور پر چیک پر "انحصار" نہیں کرتا تھا۔ اکثر لوگ کیش پے منٹ کو ترجیح دیتے تھے۔ میں نے مزید دو چار سوالات کے بعد اپنی جرح ختم کر دی۔

اس کے بعد استغاثہ کا گواہ صابر حسین گواہی کے لیے وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ صابر حسین مذکورہ فرم میں چپراسی کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ وکیل استغاثہ لگ بھگ پندرہ منٹ تک گھما پھرا کر اپنے گواہ سے مختلف سوالات کرتا رہا جس کا لب لباب یہ تھا کہ ملزم، مقتول کو سخت ناپسند کرتا تھا اور وہ اکثر مقتول کے خلاف باتیں کرتا رہتا تھا۔ وکیل استغاثہ کے لیے ملزم کی نفرت اور ناپسندیدگی کو محض اس لیے رجسٹر کرانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ قتل اور لوٹ کے کیس کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جا سکے۔ جب وکیل استغاثہ نے گواہ کو فارغ کیا تو میں جج سے اجازت لینے کے بعد وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔

صابر حسین کی عمر پینتیس کے قریب رہی ہو گی۔ وہ میانہ قد اور دبلا پتلا شخص تھا۔ رنگت

گندمی، بال گھنگھریالے اور شکل و صورت عام سی۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ صبح دفتر آپ ہی کھولتے ہو؟"

"جی ہاں...... یہ سچ ہے۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"یعنی دفتر میں تم ہی سب سے پہلے داخل ہوتے ہو؟" میں نے زاویہ تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں!" اس نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں گردن ہلائی اور بتایا۔ "میں اور جاوید تقریباً آگے پیچھے یا ایک ساتھ ہی دفتر پہنچتے ہیں۔ میں دفتر کھولتا ہوں اور ہم دونوں اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ دفتر کی چابیاں چونکہ میرے پاس ہوتی ہیں لہٰذا جاوید اگر مجھ سے پہلے بھی آ جائے تو وہ میرا انتظار کرتا ہے......"

"جاوید کون؟" وہ لمحے بھر کے لیے رکا تو میں نے پوچھ لیا۔

اس نے بتایا۔ "جاوید ہمارا سوئپر ہے۔ وہ دفتر کی صفائی وغیرہ کرتا ہے۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ اٹھارہ اپریل کی صبح مقتول کی لاش سوئپر ہی نے دریافت کی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"جی ہاں، یہ حقیقت ہے۔" گواہ نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "اس روز ہم لگ بھگ ساڑھے آٹھ بجے صبح دفتر میں داخل ہوئے تھے۔ میں اپنے کام میں اور جاوید اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے آ کر مجھے بتایا کہ ادھر کمرے میں عدنان صاحب (عدنان علی) کی لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"پھر...... پھر تم نے کیا کیا......؟" میں نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

"میں جاوید کے ساتھ فوراً اس کمرے میں پہنچا تھا۔" گواہ نے بتایا۔ "جاوید نے غلط نہیں کہا تھا، کمرے میں واقعی عدنان صاحب کی لاش موجود تھی۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور گردن ایک جانب لڑھکی ہوئی تھی۔ میرا مطلب ہے...... ڈھلکی ہوئی تھی۔ ان کی شرٹ سینے کے مقام سے خون میں تربتر نظر آ رہی تھی۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ انہیں سینے میں گولی مار کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور بعد میں ثابت بھی یہی ہوا......" وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر ایک

جھرجھری لے کر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"ایک نہیں دو گولیاں...... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے پتا چلا تھا کہ عدنان صاحب کو دو گولیاں مار کر ختم کیا گیا تھا۔"

"اور تمہارا خیال ہے کہ یہ کام میرے موکل نے کیا تھا؟" میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

"نن...... نہیں......" وہ گڑبڑا کر بولا۔ "میں نے تو ایسا کوئی خیال ظاہر نہیں کیا۔"

"تو تمہارا یہ مطلب ہے کہ میرے موکل نے عدنان علی کو قتل نہیں کیا؟" میں نے اسے چکر دینے کی کوشش کی۔

وہ جلدی سے بولا۔ "میں یہ بات بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔"

"تم نے وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں ملزم کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس کا مقصد کیا تھا؟" میں نے کرید کا عمل جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم اس سے کیا ثابت کرنا چاہتے تھے......؟"

"میں تو کچھ بھی ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا جناب......" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔ "وکیل استغاثہ نے مجھ سے جو سوال پوچھے، میں نے تو صرف ان کے جواب دیے تھے۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ ملزم فیصل، عدنان علی سے شدید نفرت کرنے لگا تھا اور اٹھتے بیٹھتے اس کو برا بھلا کہنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔"

"او کے......!" میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ "مقتول کی لاش دیکھنے کے بعد تم نے کیا کیا تھا؟"

"میں نے فوراً ربانی صاحب کو فون کر کے صورت حال سے آگاہ کیا تھا۔" استغاثہ کے گواہ نے جواب دیا۔

"ربانی صاحب...... تمہارا مطلب ہے، غلام ربانی...... اس فرم کے جنرل منیجر......؟" میں نے سوالیہ نظر سے گواہ کی طرف دیکھا۔

"جی...... جی ہاں۔" صابر حسین نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "میں انہی کا ذکر کر رہا ہوں۔"

"اس کے بعد کیا ہوا تھا......؟"

"تھوڑی ہی دیر کے بعد ربانی صاحب وہاں پہنچ گئے تھے۔" گواہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے کمرے میں جا کر عدنان صاحب کی لاش کا جائزہ لیا اور پھر پولیس کو فون کر کے بلالیا...... پولیس آئی، اس نے موقع کی کارروائی کی اور اس سے پہلے کہ وہ ملزم کی گرفتاری کے لیے اس کے گھر کا رخ کرتے، یہ خود ہی دفتر پہنچ گیا......" بات کے اختتام پر استغاثہ کے گواہ نے دوسری طرف اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی جانب اشارہ کر دیا۔

"گویا...... تم نے یا بعد میں منیجر صاحب نے مقتول کے ورثا سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ "ان بے چاروں کو عدنان علی کی المناک موت کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی......!"

"وہ جی...... پریشانی اور افراتفری میں، میں اور منیجر صاحب تو یہ کام کرنا بھول گئے تھے۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "لیکن پولیس نے موقع کی کارروائی کے دوران ہی عدنان صاحب کے گھر فون کر کے انہیں اس اندوہناک واقعے کے بارے میں بتا دیا تھا......"

"صابر حسین!" میں نے اچانک سوالات کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارے دفتری اوقات کار کیا ہیں؟"

"جناب! میں صبح تقریباً ساڑھے آٹھ بجے دفتر پہنچ جاتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر رات کو سات بجے میری چھوٹی ہوتی ہے۔"

"کافی لمبا ٹائم ہے۔" میں نے ہمدردانہ انداز میں کہا پھر پوچھا۔ "کیا وقوعہ کے روز بھی تم نے سات بجے ہی چھٹی کی تھی؟"

"نہیں جناب۔ اس روز میں جلدی چلا گیا تھا۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"کتنا جلدی؟" میں نے ٹٹولا۔

"کوئی ساڑھے پانچ...... یا پونے چھ بجے جناب۔"

"اس جلدی کا کوئی خاص سبب تھا؟"

"جی ہاں......" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ "مجھے اپنی بیوی کو لے کر لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانا تھا اور اس کے لیے میں نے منیجر صاحب سے باقاعدہ اجازت لے لی تھی۔"

"وقوعہ کے روز جب تم دفتر سے نکلے تو اس وقت دفتر میں اور کون کون موجود تھا؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"سب ہی موجود تھے۔" وہ معتدل انداز میں بولا۔ "صرف باس جا چکے تھے...... وہ عموماً پانچ بجے دفتر سے اٹھ جاتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "عام دنوں میں تم سات بجے چھٹی کرتے ہو۔ کیا دفتر کو بند بھی تم ہی کرتے ہو یا......؟"

"دفتر کو بند کرنا میرے فرائض میں شامل ہے۔ جب سب لوگ چلے جاتے ہیں تو میں دفتر کو لاک کر دیتا ہوں۔"

"کیا انفرادی طور پر دفتر کے ہر ہر کمرے کو لاک کیا جاتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے جواب دیا۔ "نہیں جناب! ہر ایک کمرے کو لاک کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ بس، مین دروازے کو اچھی طرح لاک کر دیا جاتا ہے اور جب بھی......" وہ سانس لینے کے لیے تھما پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"اگر کبھی مجھے جلدی جانا ہوتا ہے تو پھر سب سے آخر میں جانے والا شخص دفتر کو لاک کرتا ہے۔ وقوعہ کے روز بھی یہی ہوا ہوگا...... لیکن اگلے روز میں نے دروازہ کھولا تو عدنان صاحب کے قتل کا انکشاف ہوا۔"

"دیٹس آل یور آنر......" میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا......"

عدالت کا وقت ختم ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ کسی اور گواہ کو شہادت کے لیے پیش کیا جاتا لہٰذا جج نے آئندہ پیشی کی تاریخ دے کر عدالت کو برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی پر استغاثہ کی جانب سے دو گواہ پیش کیے گئے لیکن ان کے بیان اور بعد ازاں ان پر ہونے والی جرح میں ایسی کوئی خاص بات نہیں جسے آپ کی خدمت میں پیش کیا

جائے۔ان کے بعد کمپنی کے مالک یعنی باس اسد نظامی کی گواہی تھی لیکن اس سے پہلے کہ اسد نظامی وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہوتا، میں نے جج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''یور آنر! میں گواہ کے بیان سے پہلے اس کیس کے تفتیشی افسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

کسی بھی زیر سماعت کیس میں انکوائری آفیسر یعنی تفتیشی افسر کی حیثیت استغاثہ کے گواہ ایسی ہوتی ہے اور ہر پیشی پر اسے عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔جج کے اشارے پر آئی او وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گیا۔میں مذکورہ کٹہرے کے پاس پہنچا اور اپنی مختصر سی جرح کا آغاز کر دیا۔ انکوائری آفیسر (آئی او) عہدے کے اعتبار سے سب انسپکٹر تھا۔

''آئی او صاحب!''میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔''آپ کو اس واقعے کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟''

''ہمارے پاس مقتول کی فرم سے فون آیا تھا''اس نے جواب دیا۔''منیجر غلام ربانی نے تقریباً دس بجے صبح، اٹھارہ اپریل کو تھانے فون کر کے ہمیں اس واقعے کی اطلاع دی تھی۔''

''اور آپ جائے وقوعہ پر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''یہی کوئی ساڑھے دس بجے۔''

''مقتول کی حالت کو دیکھ کر آپ کو فوراً اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا......ہیں نا؟''

''جی ہاں......بالکل۔''وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''مجھے پہلی نظر ہی میں یقین ہو گیا تھا کہ اسے موت کو گلے لگائے کئی گھنٹے گزر چکے ہیں اور بعدازاں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے بھی یہی ثابت ہوا ہے۔''

''ہوں......''میں نے معنی خیز انداز میں ہنکارا بھرا اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔''موقع پر موجود لوگوں کے بیانات سے آپ نے اندازہ قائم کیا کہ مقتول کے قتل میں ملزم کا ہاتھ ہو سکتا ہے لہٰذا ملزم جیسے ہی دفتر میں داخل ہوا، آپ نے اسے گرفتار کر لیا۔''

''ملزم اور مقتول کے درمیان جاری سرد اور گرم جنگ کے حوالے سے حاصل ہونے والی سنسنی خیز معلومات نے اس گرفتاری میں نہایت ہی اہم رول ادا کیا تھا لیکن......''وہ سانس لینے کے

لیے رکا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔''لیکن ایسا نہیں ہے کہ ہم نے اس سلسلے میں اپنے طور پر تحقیق نہ کی ہو۔''

''مثلاً......!''میں نے گہری نظر سے اسے دیکھا اور پوچھا۔''اس سلسلے میں آپ نے کیا تحقیق فرمائی تھی؟''

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''ہم نے اس کمرے میں متعدد مقامات سے فنگر پرنٹس اٹھائے تھے جس سے یہ ثابت ہوا کہ ملزم اس کمرے میں گیا تھا اور......''

''یہ کوئی خاص بات نہیں۔''میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔''مقتول اور ملزم کا تعلق چونکہ ایک ہی شعبے سے تھا لہٰذا ملزم کو اس کمرے میں جانا ہی پڑتا تھا۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن......''وہ متاملانہ انداز میں بولا۔''مقتول کی میز اور میز کی درازوں کے ہینڈلز پر بھی ملزم کے فنگر پرنٹس ملے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم نے مقتول کی میز کی درازیں کھولنے کی کوشش کی تھی......بلکہ درازیں کھولی تھیں......''وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر انکشاف انگیز انداز میں بولا۔

''مقتول کی دراز میں سے پچاس ہزار روپے بھی گئے ہیں۔اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا......!''

''حقیقت چھوٹی ہو یا بڑی اسے دانستہ نظرانداز کرنا جرم کے زمرے میں آتا ہے۔''میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔''لیکن پچاس ہزار روپے کے غیاب سے بھی بڑی اور اہم ایک حقیقت کو آپ مسلسل نظرانداز کرتے چلے آ رہے ہیں......!''

''کون سی حقیقت؟''بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

میں نے ڈرامائی انداز میں جواب دیا۔''عدنان علی کا قتل!''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں وکیل صاحب......!''وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''میں نے قتل کی اس واردات کو کب اور کہاں نظرانداز کیا ہے؟''

''ہر جگہ......اور ہر وقت......!''میں نے ذومعنی انداز میں کہا۔

''آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی وکیل صاحب......!''اس کی حیرت اور الجھن میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ مقتول کو سائیلنسر لگے ریوالور سے قتل کیا گیا تھا۔ مذکورہ ریوالور کی دو جان لیوا گولیاں مقتول کے سینے میں اتریں اور وہ قیدِ حیات سے آزاد ہو گیا......؟"

"جی ہاں، یہ سچ ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس امر کی تصدیق کرتی ہے۔"

"پوسٹ مارٹم کی تصدیق کو چھوڑیں، اپنی تحقیق اور تفتیش پر دھیان دیں آئی او صاحب!" میں نے روکھے پھیکے انداز میں کہا۔ "جائے وقوعہ پر، بہت سے مقامات سے آپ نے ملزم کے فنگر پرنٹس تو اٹھا لیے لیکن آلہ قتل پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات کا کہیں کوئی ذکر نہیں اور ذکر بھی کیسے ہو......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک طنزیہ نگاہ اس کے اوپر ڈالی پھر چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"آلہ قتل بازیاب ہوتا تو اس پر کسی کے فنگر پرنٹس ڈھونڈے جاتے نا......؟"

"ہاں، یہ حقیقت ہے کہ ہم آلہ قتل کو تلاش کرنے میں ناکام...... رہے ہیں۔" وہ شرمندہ سی صورت بناتے ہوئے بولا۔ "لگتا ہے، ملزم نے اس ریوالور کو کسی گٹر وغیرہ میں پھینک دیا تھا۔"

"آلہ قتل کو بازیاب کرنے میں ناکام...... رہے ہیں......" میں نے خود کلامی کے انداز میں دہرایا پھر پوچھا۔ "اور پچاس ہزار کی رقم کے بارے میں کیا کہتے ہیں آئی او صاحب...... کیا ملزم نے وہ رقم بھی آلہ قتل کے ساتھ ہی گٹر میں پھینک دی تھی یا نذرِ آتش کر کے اس کے شعلوں پر اپنا انڈر ویئر سکھاتا رہا تھا۔ استغاثہ کی رپورٹ میں مذکورہ رقم کی برآمدگی کا کوئی ذکر نہیں ہے؟"

"رقم بھی برآمد نہیں کرائی جا سکی......!" وہ ندامت آمیز نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ "حالانکہ ہم نے کوشش تو بہت کی تھی۔"

"آئی او صاحب......!" میں نے بے یقینی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور شک بھرے لہجے میں پوچھا۔ "آپ کا تعلق پولیس ڈیپارٹمنٹ ہی سے ہے نا......؟"

"کیا مطلب......!" وہ کسی طاقت ور اسپرنگ کے مانند اچھلا پھر اپنی وردی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "آپ کو نظر نہیں آ رہا...... میں ہوں وقار حسین...... سب انسپکٹر!"

"ہاں ہاں، مجھے آپ کی پولیس یونیفارم تو نظر آ رہی ہے......" میں نے اس کے زخم پر

نمک کا چھڑکاؤ کرتے ہوئے کہا۔ "اور آپ کے نام کا بلا (بیج) بھی دکھائی دے رہا ہے لیکن میں نے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی جو پھرتیاں سنی اور دیکھی ہوئی ہیں وہ آپ میں کہیں نظر نہیں آ رہیں......!"

"مثلاً......کون سی پھرتیاں......؟" وہ برا سا منہ بنا کر مستفسر ہوا۔

"یہی کہ آپ کے زیرِ تفتیش تو پتھر بھی بولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔" میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "آپ لوگ اگر کسی شیر ببر کو بھی پکڑ کر تفتیشی کمرے میں لے جائیں اور اس سے اپنے مخصوص انداز میں پوچھ گچھ کریں تو وہ بھی بالآخر آپ کی زبان بولنے لگتا ہے۔ جرم کا اقبال کرانا تو آپ لوگوں کے لیے جیسے چٹکیوں کا کام ہے لیکن میرا موکل ایک ہفتے تک ریمانڈ پر آپ کی کسٹڈی میں رہا ہے اور آپ اس سے نہ تو پچاس ہزار روپے برآمد کروا سکے ہیں اور نہ ہی آلہ قتل کا کوئی سراغ ملا ہے۔ یہ حیران کن بات نہیں ہے؟"

"حیران کن بات بالکل نہیں۔" وہ بڑی ڈھٹائی سے بولا۔ "بعض معاملات میں ایسا ہو جاتا ہے اور جہاں تک آپ کے خیالات کا تعلق ہے......" اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک بوجھل سانس لی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"آپ نے پولیس ڈیپارٹمنٹ کے تفتیشی عمل کے بارے میں جن زریں خیالات کا اظہار کیا ہے، میں اس کی نفی کرتا ہوں، ہمارے ہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ ہم بھی انسان ہیں۔"

"بے شک...... آپ بھی انسان ہیں لیکن آپ لوگوں کے غیر انسانی رویوں کی کہانیاں اور قصے اتنے مقبولِ عام ہیں کہ آپ کی پیش کردہ صفائی ایک تفریحی مذاق محسوس ہو رہی ہے، بہر حال......" میں نے دوبارہ موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "آئی او صاحب! آپ نے مقتول کے ورثا سے رابطہ کرنے میں اچھی خاصی تاخیر سے کام لیا تھا۔ اس کی کوئی خاص وجہ تھی؟"

"جی ہاں، خاص وجہ تھی۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ "مقتول کا تعلق چونکہ کراچی سے نہیں تھا لہٰذا اسی لیے اس کے گھر والوں سے رابطہ کرنے میں دیر ہو گئی......" پھر خود ہی اس نے وضاحت بھی کر دی۔ "مقتول، میر پور خاص کا رہنے والا تھا۔ اس کی پوری فیملی میر پور خاص میں آباد ہے۔ کراچی میں وہ بالکل اکیلا تھا اور کسی کرایے کے کوارٹر میں رہتا تھا۔ میں نے اس کے گھر کا نمبر حاصل کیا پھر فون کر کے انہیں اس اندوہناک واقعے کی اطلاع دی تھی۔"

میں نے دو چار مزید سوالات کرنے کے بعد جرح موقوف کر دی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد فرم کے مالک اسد نظامی کو عدالت کے اندر بلایا گیا۔ اسد نظامی کی عمر لگ بھگ ساٹھ سال تھی۔ وہ اپنی وضع قطع اور صورت شکل ہی سے ایک باس نظر آتا تھا۔ نظامی نے حلفیہ بیان ریکارڈ کرا دیا تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے وٹنس باکس کے پاس چلا گیا۔ وہ گواہ سے اپنی مرضی اور ضرورت کے سوالات کرتا رہا جس سے یہ تاثر قائم کرنا مقصود تھا کہ مقتول اور ملزم کے درمیان بڑی خطرناک نوعیت کی چپقلش چل رہی تھی اور اس کا سبب ملزم کا حسد تھا۔ وہ مقتول کی بے پناہ صلاحیتوں سے جلنے لگا تھا...... وغیرہ وغیرہ!

میں اپنی باری پر، جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد وٹنس باکس کے نزدیک چلا گیا اور وہاں موجود استغاثہ کے گواہ مسٹر اسد نظامی سے بڑے خوشگوار لہجے میں سوال کیا۔

''نظامی صاحب! آپ کیسے ہیں؟''

''الحمدللہ...... میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کاروبار کیسا چل رہا ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔ کاروبار بھی اچھا جا رہا ہے۔'' وہ بدستور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''آپ اس بزنس میں کب سے ہیں؟''

''ماشاللہ! یہ تیسری نسل ہے۔'' اس نے فخریہ انداز میں بتایا۔ ''والد صاحب نے یہ بزنس کھڑا کیا تھا، میں نے اسے پھولنے پھلنے میں مدد دی اور اب میری اولاد اسے سنبھالنے کے لیے بالکل تیار ہے۔''

''کیا آپ کے بیٹے وغیرہ بھی بزنس میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''فی الحال نہیں۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''میری تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹا سب سے بڑا ہے اور آج کل امریکا میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ یہ اس کی اسٹڈی کا آخری سال ہے۔ آئندہ سال وہ بھی آپ کو میرے ساتھ اس بزنس میں نظر آئے گا۔''

''ماشاللہ......!'' میں نے تعریفی نظر سے اسے دیکھا اور فوراً اپنے مطلب کی طرف آ گیا۔ میں نے پوچھا۔ ''ملزم کو آپ کی فرم میں کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا تھا؟''

''کم و بیش چار سال۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس دوران میں آپ نے ملزم کو کیسا ورکر پایا تھا؟''

''وہ ایک محنتی ملازم تھا۔''

''آپ نے میرے موکل کی محنت کو رجسٹر کر دیا ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''اب یہ بھی بتا دیں کہ وہ معاملات کا کیسا تھا؟''

''میرے خیال میں وہ کام کا کھرا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''اس نے کبھی اپنے فرائض سے غفلت نہیں برتی تھی۔''

''اور کبھی آپ کے ساتھ کوئی فراڈ یا بددیانتی کی ہو......؟'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو کسی بھی حوالے سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہو...... اپنے کام کے حوالے سے کبھی کسی بڑی شکایت کا موقع دیا ہو؟''

وکیل استغاثہ نے اپنی جرح میں جن نکات کو موضوع بنا کر سوالات کیے تھے، میں نے انہیں ''ہاتھ لگانے'' کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ میرے استفسار کے جواب میں، اسد نظامی نے بڑے قطعی انداز میں کہا۔

''نہیں...... بالکل نہیں مگر......!''

''مگر کیا؟'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوا تو میں نے فوراً سوال کر دیا۔

''مگر یہ کہ...... عدنان کی آمد کے بعد ملزم نے اگلی پچھلی ساری کسر نکال دی تھی۔'' اسد نظامی نے تلخی سے جواب دیا۔ ''بس، یوں سمجھ لیں کہ اس نے گویا شکایات کے انبار کھڑے کر دیے تھے۔ کام پر سے اس کی توجہ بالکل ہٹ گئی تھی۔ یہ بڑی بھیانک غلطیاں کرنے لگا تھا اور اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ اسے عدنان کا فرم میں آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ یہ مقتول سے اور اس کی صلاحیتوں سے جیلس ہو گیا تھا۔ یوں سمجھیں کہ اسے مقتول سے شدید ترین نفرت ہو گئی تھی......''

''ایک بات کی وضاحت چاہوں گا نظامی صاحب؟'' میں نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی فرمائیں؟'' وہ سوالیہ انداز میں مجھے تکنے لگا۔

میں نے نہایت ہی گمبھیر لہجے میں فرمایا۔ ''جب آپ کو ملزم کے کام سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ آپ اس کے کردار اور رویے سے بھی پوری طرح مطمئن تھے تو پھر مارکیٹنگ ڈیپارٹمنٹ میں

مقتول کو رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا آپ کو اس بات کا احساس ہے کہ یہ آپ کی ایک سنگین غلطی تھی؟''

''ہرگز نہیں!'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔ ''میں ہمیشہ دس قدم آگے سوچنے کا عادی ہوں۔ میں نے مقتول کی تقرری کا فیصلہ اپنی فرم کے بہتر اور روشن مستقبل کی خاطر کیا تھا۔''

''معزز عدالت آپ کی دوراندیشی کے فلسفے کو سمجھنا چاہتی ہے نظامی صاحب؟'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر بڑے مدبرانہ انداز میں بتانے لگا۔ ''اکثر لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ میں نے کیا دیکھ کر مقتول کو اپنی فرم میں رکھ لیا تھا۔ اسے کراچی میں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس دوران میں اس نے دو چار چھوٹی موٹی جگہوں پر کام کیا تھا۔ میں نے آج تک کسی کو اس سوال کا جواب نہیں دیا لیکن اب ضرور دوں گا کہ میں نے اس میں کون سا جوہر چھپا دیکھا تھا......''

وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا تو میں نے کوئی نیا سوال کر کے اسے ''ڈسٹرب'' کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں غیر محسوس انداز میں، اپنے سوالات کی انگلی پکڑا کر اسد نظامی کو ایک خاص مقام تک لے آیا تھا جہاں مجھے اس سے ایک انتہائی خطرناک سوال کرنا تھا۔ میں پوری طرح مطمئن تھا کیونکہ میری یہ کوشش رائگاں نہیں گئی تھی۔ اسد نظامی دھیرے دھیرے میرے مطلوبہ مقام تک پہنچ گیا تھا۔ وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مقتول میں جوہر نہیں بلکہ جواہر چھپے ہوئے تھے۔ میں اس کی صلاحیتوں سے متاثر ہو گیا تھا۔ جب ہی میں نے اسے چار سال سے کام کرنے والے ملازم پر فوقیت دی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ملزم ایک ایماندار اور محنتی شخص تھا لیکن مقتول میں کئی گن چھپے ہوئے تھے۔ وہ ملزم کے مقابلے میں آدھی تنخواہ پر دس گنا زیادہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ مارکیٹنگ کے علاوہ اکاؤنٹس اور سیلز کے رموز سے بھی واقف تھا اور اس میں انتظامی انداز کی صلاحیت بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ میں اپنے بہت سارے کام اس کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاتا تھا اور......وکیل صاحب! سیدھی اور سچی بات یہ ہے کہ ہر انسان اپنا فائدہ دیکھتا ہے۔ میں نے بھی مستقبل کے حوالے سے بہت کچھ سوچ کر مقتول کو اپنی فرم میں اکاموڈیٹ کیا تھا۔''

''بالکل بجا فرمایا آپ نے۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''ہر انسان......خصوصاً ہر کاروباری انسان کو سب سے پہلے اپنا ہی فائدہ سوچنے کا حق ہے، یہ الگ بات ہے کہ آپ کا سوچا ہوا پورا نہیں ہو سکا اور آپ دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے......مقتول اور ملزم دونوں سے!''

''یہ سب زندگی کا حصہ ہے......!'' وہ بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''نظامی صاحب! آپ نے مقتول کی بہت سی صلاحیتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ میں جاننا چاہوں گا کہ کیا اس میں ایک اچھا جنرل منیجر بننے کی بھی اہلیت موجود تھی؟''

''بالکل موجود تھی۔'' وہ پوری قطعیت سے بولا۔ ''اور یہ میرے پروگرام میں بھی شامل تھا۔''

''یعنی آگے چل کر آپ مقتول کو اپنی فرم کا منیجر بنانے کا ارادہ رکھتے تھے؟''

''جی......میرے بیٹے کی، امریکا سے واپسی کے بعد......!''

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!''

✠ ✠ ✠

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں استغاثہ کا آخری گواہ یعنی فرم کا جی ایم غلام ربانی کھڑا تھا۔ غلام ربانی کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ ایک موٹا تازہ اور صحت مند شخص تھا۔ قد کاٹھ، ڈیل ڈول اور خدوخال میں وہ بڑی حد تک فلمی اداکار خالد سلیم موٹا سے ملتا جلتا تھا۔ اس وقت گواہ کے چہرے پر گہری سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔ وہ جیسے ہی مختصر سا حلفیہ بیان دے کر فارغ ہوا، وکیل استغاثہ اس سے لپٹ گیا۔ مقصد یہی ثابت کرنا تھا کہ ملزم کو مقتول سے اس درجہ نفرت تھی کہ وہ دل کا غبار اور ذہن کا بخار نکالنے کے لیے اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے ملزم اور مقتول کے بیچ ہونے والی مختلف باتوں کو بھی کوڈ کیا جن سے مقتول کے لیے ملزم کی برہمی اور غصہ ظاہر ہوتا تھا۔

اپنی باری پر میں نے استغاثہ کے گواہ کو بالکل مختلف انداز میں لیا۔ میں نے اب تک جو ورک کیا تھا اس کے استعمال کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے اب تک ہونے والی عدالتی کارروائی کے نتیجے میں، پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ غلام ربانی کو کس طرح اپنی جرح کی چکی میں پیسنا ہے۔ میں نے

ہلکے پھلکے اور دوستانہ انداز میں سوالات کا سلسلہ آغاز کیا۔

''ربانی صاحب! آپ اردو کے محاوروں پر یقین رکھتے ہیں؟''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولا۔ ''کیوں نہیں۔ محاورے چاہے کسی بھی زبان کے ہوں، برسوں کے تجربے کے نچوڑ سے تشکیل پاتے ہیں، یہ ایک ٹھوس حقیقت ہوتے ہیں۔''

''وری گڈ!'' میں نے ستائشی نظر سے اسے دیکھا پھر پوچھا۔ ''ایک پنتھ، دو کاج..... کا مطلب تو آپ کو پتا ہی ہوگا؟''

''جی ہاں.....'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''مطلب یہ کہ.....ایک تیر، دو شکار!''

''کام ایک، فائدہ دہرا.....!'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔ ''ہیں نا؟''

''جی..... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''شکریہ ربانی صاحب!'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''آپ نے میرا کام بہت آسان کر دیا ہے۔''

''کون سا کام؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

میں نے اس کی حیرانی کو نظرانداز کرتے ہوئے اگلا سوال کیا۔ ''نظامی صاحب کی فرم میں کام کرتے ہوئے آپ کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''پانچ سال!'' اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

ان لمحات میں، میں نے گواہ پر اپنے سوالات کے تین کیمرے لگا رکھے تھے اور ان تینوں کے ٹریک ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ میں اسے سوچنے کا موقع نہ دینے کی خاطر یہ چال چل رہا تھا۔ بعدازاں میں اپنی جرح کے اختتام پر.....اس شوٹ کو ایڈیٹ کر کے اپنے کام کی باتیں نکال لیتا۔ استغاثہ کا گواہ منتظر نگاہ سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''ربانی صاحب! کیا آپ کمیٹی (بی سی) وغیرہ ڈالنے کا شوق رکھتے ہیں؟''

''نہیں..... بالکل بھی نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہ خود کو دھوکا دینے کا ایک خوبصورت انداز ہے۔ اس سے اچھا ہے، انسان اپنی رقم کسی اسکیم میں انویسٹ کر دے تاکہ کچھ منافع تو بڑھ کر ملے۔ اگر کچھ بھی سمجھ میں نہ آ رہا ہو تو انسان پرائز بانڈ ہی لے کر رکھ لے۔ کبھی نہ

کبھی قسمت کھلنے کے امکانات تو ہوتے ہیں۔''

''کیا آپ پرائز بانڈز وغیرہ لے کر رکھتے ہیں؟''

''جی ہاں۔''

''کیا کبھی آپ کا بانڈ لگا بھی ہے؟''

''کبھی کبھار چھوٹا موٹا لگ جاتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''میں اتنا خوش قسمت نہیں ہوں کہ پہلا، دوسرا یا تیسرا انعام لگے۔''

''یہ بھی آپ کی خوش قسمتی ہی ہے ربانی صاحب کہ کبھی کبھار چھوٹا موٹا تو لگ ہی جاتا ہے۔'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''ورنہ بعض لوگ تو سالوں لیے بیٹھے رہتے ہیں اور کبھی چھوٹی لسٹ میں بھی ان کے پرائز بانڈ کا نمبر نظر نہیں آتا۔''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''آج تک آپ کا بڑے سے بڑا بانڈ کس مالیت کا لگا ہے؟''

''یہی..... کبھی دس ہزار..... کبھی پندرہ ہزار.....!''

''آپ کو فرم سے کتنی تنخواہ ملتی ہے؟'' میں نے جرح کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔

''آٹھ ہزار روپے!'' اس نے جواب دیا۔

''گھر اپنا ہے یا کرایے کا.....؟''

''فی الحال تو میں ایک چھوٹے سے گھر میں رہ رہا ہوں جو کہ میری ذاتی ملکیت ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''لیکن مستقبل قریب میں، میں کسی بنگلے میں شفٹ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

''کیا کوئی لاٹری وغیرہ لگنے کی امید ہے؟'' میں نے معنی خیز نظر سے اسے دیکھا۔

''نہیں جناب! میں نے تنکا تنکا جوڑ کر کچھ رقم جمع کی ہے اسی سے بنگلا خریدوں گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''پرانا گھر فروخت کروں گا تو اس سے بھی کچھ رقم مل جائے گی اور اس دوران میں اگر کوئی پرائز بانڈ کھل جاتا ہے تو مزہ آ جائے گا۔''

''آپ کا آخری بانڈ کب لگا تھا؟''

چند لمحات تک سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا۔ ''فروری میں۔''

''کس مالیت کا؟''

''دس ہزار روپے کا۔''

''یعنی فروری سے لے کر آج تک آپ کا کوئی بانڈ نہیں لگا؟''

''جی نہیں!''

''اس دوران میں آپ نے کوئی قیمتی شے بھی فروخت نہیں کی؟''

''بالکل نہیں!'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔

''مقتول کے ساتھ آپ کے تعلقات کیسے تھے؟'' میرا انداز پھر تبدیل ہوا۔

''خوشگوار......!''

''اور ملزم کے ساتھ؟''

''اس کے ساتھ بھی اچھے ہی تھے۔'' وہ میرے موکل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''لیکن پچھلے کچھ عرصے سے یہ خاصا چڑچڑا اور بدمزاج ہو گیا تھا، اس لیے میں نے اسے منہ لگانا چھوڑ دیا تھا۔''

''اس کے چڑچڑے پن کا سبب وہی ہے نا جو آپ نے وکیل استغاثہ کے سوالات کے جواب میں ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے؟''

''جی ہاں، جی ہاں......وہی۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''یعنی مقتول بے پناہ خوبیوں کا مالک تھا......'' میں نے اس کی سوچ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔ ''ملزم کے ذہن میں یہ ڈر بیٹھ گیا تھا کہ نظامی صاحب بہت جلد اس کی چھٹی کر دیں گے جب ہی وہ مقتول کی پیٹھ پیچھے زہر اگلتا رہتا تھا؟''

''اللہ آپ کا بھلا کرے وکیل صاحب! بالکل صحیح۔''

''اللہ آپ کا بھی بھلا کرے منیجر صاحب! اب آپ بھی حقیقت بیان کر دیں!''

''جی کون سی حقیقت؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ حقیقت کہ کیا مقتول واقعی اتنی خوبیوں کا مالک تھا کہ ملزم کو اس کی ذات سے اچانک خطرہ پیدا ہو گیا تھا؟''

''جی ہاں......اس امر میں تو کسی شک وشبے کی گنجائش ہی نہیں!''

''مجھے آپ کی بات سے اتفاق کرنا پڑے گا منیجر صاحب!'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''نظامی صاحب نے بھی مقتول کی ایک حیرت انگیز صلاحیت کا ذکر کیا تھا......؟''

میرے انکشاف انگیز انداز کے جواب میں وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ ''نظامی صاحب نے مقتول کی کون سی حیرت انگیز صلاحیت کا ذکر کیا تھا......؟''

''یہی کہ وہ......ایک بہترین منیجر ثابت ہو سکتا تھا......!''

''منیجر کا تو مجھے پتا نہیں......'' وہ بدمزہ سا ہو کر بولا۔ ''لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ سیلز اور مارکیٹنگ کا چیتا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ وہ سائبیریا کے برف زاروں میں فریج فروخت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔''

''ربانی صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے باس اسد نظامی نے اپنے بیان کے اختتام پر تو یہ ارادہ بھی ظاہر کیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی امریکا سے واپسی کا انتظار کر رہے تھے......اس کے بعد مقتول کو اس فرم کا جی ایم بنا دیا جاتا!''

''آپ نے سنا ہوگا......باس از آلویز رائٹ!'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''اگر نظامی صاحب نے ایسا کوئی ارادہ ظاہر کیا ہے تو ان کی مرضی ہے۔ میں بھلا اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب......!''

''آپ کہیں نہیں بلکہ فرمائیں ربانی صاحب!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ فرمائیں کہ کیا باس کے اس فیصلے سے آپ کو کوئی خوف محسوس نہیں ہوا تھا؟ ایک فرم میں کوئی ایک جیم ایم ہی رہ سکتا ہے نا۔ اگر مستقبل قریب میں نظامی صا ، مقتول کو اپنی فرم کا جنرل منیجر مقرر کر دیتے تو آپ خود کو کہاں کھڑا دیکھتے......؟''

''اپنی نوکری کے حوالے سے ڈر اور خوف صرف انہی لوگوں کو ہوتا ہے جو اندر سے خالی ہوں!'' جی ایم نے طنزیہ انداز میں میرے موکل کی طرف دیکھا پھر میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''اللہ نے مجھے ''میرے کام'' کی بھرپور صلاحیت دی ہے۔ اگر نظامی صاحب کو واقعی میری ضرورت نہ رہتی تو میں کہیں اور چلا جاتا......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھ

فلسفیانہ انداز میں بولا۔

''پائے گدا لنگ نیست، ملک خدا تنگ نیست!''

میں نے اس کے فلسفے کو ایک طرف رکھتے ہوئے، انتہائی مختلف موڈ سے سوال کیا۔

''ربانی صاحب! دفتر میں آپ کی آمدو شد کے اوقات کیا تھے؟''

''میں عموماً صبح دس بجے دفتر پہنچ جایا کرتا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور چھ بجے آف کرتا تھا۔ نظامی صاحب چونکہ اس سے پہلے ہی اٹھ جاتے تھے لہٰذا چھ کے بعد بیٹھے رہنے کی کوئی تک نہیں بنتی تھی۔''

''میری معلومات کے مطابق، وقوعہ کے روز اسد نظامی صاحب پانچ بجے دفتر سے رخصت ہو گئے تھے۔'' میں نے اس کے پلپلے اور فربہ چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے، آپ اس روز بھی حسب معمول چھ بجے ہی گھر گئے ہوں گے؟''

''جی ہاں...... بالکل بالکل......!''

''آپ کا گھر کراچی کے کس علاقے میں واقع ہے؟''

''محمود آباد میں۔''

''مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ وقوعہ کے روز آپ آٹھ بجے کے قریب اپنے گھر پہنچے تھے۔'' میں نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔ ''کمپنی کے دفتر سے آپ کے گھر تک کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے کا ہے کیونکہ آپ کے پاس اپنی کار ہے۔ اس حساب سے آپ کو ساڑھے چھ بجے یا زیادہ سے زیادہ پونے سات بجے اپنے گھر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ کیا آپ کہیں اور سے ہوتے ہوئے گھر آئے تھے جو اتنی دیر لگ گئی......؟'' میں نے ذرا دیر کو رک کر ایک گہری سانس خارج کی پھر وارننگ بھرے الفاظ میں کہا۔

''ربانی صاحب! ایک بات کو ذہن میں رکھیے گا کہ اگر وقوعہ کے روز آپ گھر جانے سے پہلے کہیں اور بھی گئے تھے تو آپ کو اس وقت کا حساب دینا ہوگا مطلب، یہ ثابت کرنا ہوگا کہ آپ نے وہ وقت کہاں اور کس کے ساتھ گزارا؟''

''میں کہیں...... بھی نہیں گیا...... تھا۔'' وہ ہاتھ کی پشت سے اپنی پیشانی کو پونچھتے ہوئے بولا۔ میرے استفسار نے اس کے پسینے چھڑا دیے تھے۔ ''ایک تو اس دن مجھے ٹریفک بڑا جیم ملا تھا۔

پھر گھر اور فرم کے راستے کے درمیان اچانک میری کار خراب ہو گئی۔ آدھا، پونا گھنٹا اس کا مرض سمجھنے میں لگ گیا تھا......!''

''وقوعہ کے روز، جب آپ دفتر سے رخصت ہوئے تو اس وقت وہاں اور کون کون موجود تھا؟'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''اس وقت صرف مقتول اور ملزم ہی وہاں موجود تھے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور یہ دونوں ایک ہی کمرے میں روبرو بیٹھے ہوئے تھے۔''

''آپ نے نکلتے وقت ان میں سے، کسی سے کوئی بات کی تھی؟''

''جی نہیں......!'' اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

میں نے ایک مرتبہ پھر سوالات کا زاویہ تبدیل کیا اور گمبھیر انداز میں، استغاثہ کے گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا آپ کا بینک اکاؤنٹ ہے ربانی صاحب!''

''جی ہاں...... بالکل ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''ایک اکاؤنٹ یا...... ایک سے زیادہ؟''

''صرف ایک!''

''یہ وہی اکاؤنٹ ہے نا جہاں آپ تنکا تنکا جمع کر رہے ہیں!'' میں نے سنسناتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ ''بنگلا خریدنے کے لیے......؟''

''جی...... ہاں......'' وہ ہچکچاہٹ آمیز انداز میں بولا۔

''اگر میں کوئی غلطی نہیں کر رہا تو آپ کا اکاؤنٹ نمبر یہی ہے نا......'' میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''ون، تھری، ٹو، فائیو، فور، ڈیش، سیون......؟''

''جی ہاں، جی ہاں......'' وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن آپ کو میرا اکاؤنٹ نمبر کس نے بتایا؟''

''معلومات حاصل کرنے کے میرے اپنے ذرائع ہیں جو میں آپ پر ظاہر نہیں کر سکتا۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''کیا آپ معزز عدالت کو بتائیں گے کہ آپ کے اکاؤنٹ میں اس وقت کتنی رقم موجود ہے؟''

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ کو اچانک ہوش آ گیا۔ "میرے فاضل دوست پٹری سے اتر گئے ہیں۔ یہاں پر عدنان مرڈر کیس کی سماعت ہو رہی ہے اور موصوف استغاثہ کے معزز گواہ کے اکاؤنٹ کی جانچ پڑتال میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ تو عدالت کے قیمتی وقت کا سراسر زیاں ہے۔ میری عدالت سے درخواست ہے کہ ڈیفنس کو ایسے فضول ہتھکنڈوں سے باز رہنے کی تاکید کی جائے۔"

جج نے بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوا۔ "بیگ صاحب! کیا اس بینک انکوائری کا زیر سماعت کیس سے کوئی تعلق ہے؟"

"بالکل ہے جناب......اور بڑا گہرا تعلق ہے۔" میں نے اپنی فائلوں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "اور چند لمحات کے بعد یہ تعلق کھل کر سامنے آنے ہی والا ہے۔"

"آپ جرح جاری رکھیں بیگ صاحب......!" جج نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

میں استغاثہ کے گواہ غلام ربانی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"جی ربانی صاحب! آپ مجھے اپنے بینک بیلنس کے بارے میں بتانے والے تھے؟"

"میں ایگزیکٹ اماؤنٹ تو نہیں بتا سکتا۔" وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔ "اس کام کے لیے مجھے بینک سے رجوع کرنا ہوگا۔"

"ایگزیکٹ فگرز کی ضرورت نہیں ہے ربانی صاحب۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "آپ اندازاً بتا دیں، ویسے......" لمحاتی توقف کے بعد میں نے اضافہ کیا۔ "جو شخص کسی خاص مقصد کے لیے رقم جمع کر رہا ہو، اسے جمع شدہ ایک ایک پیسا انگلیوں پر یاد ہوتا ہے۔"

اس نے تھوک نگل کر اپنے حلق کو تر کیا پھر بجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میرے محتاط اندازے کے مطابق، اس وقت بینک میں ڈیڑھ لاکھ کی رقم جمع ہوگی۔"

"اور یہ رقم آپ نے تنکا تنکا، قطرہ قطرہ جمع کی ہے......!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "کبھی یک مشت کوئی بڑا اماؤنٹ آپ نے اپنے اکاؤنٹ میں کریڈٹ نہیں کیا......؟"

"جی نہیں......جی ہاں......" وہ گڑبڑا گیا۔

"ایک جواب دیں ربانی صاحب!" میرا انداز جارحانہ ہو گیا۔ "آپ نے اپنے

اکاؤنٹ میں کبھی کوئی بڑا اماؤنٹ ڈپازٹ کیا یا نہیں......؟"

"بڑے اماؤنٹ...... سے آپ کی کیا مراد ہے......؟" وہ ایک مرتبہ پھر پسینا صاف کرتے ہوئے بولا۔

"مطلب...... پچاس ہزار یا اس سے زیادہ رقم......؟" میں نے پوچھا۔

"نن......نہیں......!" وہ بے حد پریشانی کے عالم میں بولا۔

اس کے انکار نے میرا کام آسان کر دیا۔ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ربانی! انیس اپریل کی صبح آپ کے اکاؤنٹ میں مبلغ ستر ہزار روپے جمع ہوئے ہیں۔ پچاس ہزار کیش اور بیس ہزار کا ایک کراس چیک......"

"وہ چیک تو میرے......ایک دوست...... نے دیا تھا......!" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ "میرا اس دوست کے ساتھ کچھ لین دین تھا......"

"جنید خان......" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "آپ کے اس دوست کا نام جنید خان ہے نا جس نے آپ کو بیس ہزار کا کراس چیک دیا تھا......؟"

"آپ جنید خان کو......کس طرح جانتے ہیں......؟" اس کی حیرت میں خوف بھرا ہوا تھا۔

"میں نہ صرف جنید خان کو اچھی طرح جانتا ہوں بلکہ اس کے گرو عامر ملک کو بھی!" میں نے زہریلے انداز میں کہا۔ "جو اس وقت جیل کاٹ رہا ہے اور جیل کے اندر بیٹھ کر ڈوریاں ہلا رہا ہے، اسی کے ایک "کام" کے لیے جنید خان نے تمہیں بیس ہزار کا چیک دیا تھا۔ تم نے عامر ملک کا کام تسلی آمیز انداز میں کر دیا ہے نا......؟" میں "آپ" سے "تم" پر آ گیا تھا۔

"کک......کون......سا کام......؟" وہ ہکلاہٹ بھرے انداز میں بولا۔

"مم......میری تو کچھ......سمجھ میں نہیں آ رہا......!"

بات ختم کر کے ربانی نے کٹہرے کی ریلنگ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور گہری سانسیں لینے لگا۔ ان لمحات میں وہ دمہ کا مریض نظر آ رہا تھا۔

"تمہارے دماغ میں اس وقت ہر شے بڑی آسانی سے بیٹھ جائے گی جب تمہیں اکیوزڈ باکس میں کھڑا کر کے کڑی جرح سے گزارا جائے گا۔" میں نے درشت انداز میں کہا۔ "جنید

خان اور عامر ملک کی سنسنی خیز کہانی بعد میں چھیڑی جائے گی۔ پہلے یہ بتاؤ، بیس ہزار کے چیک کے علاوہ جو پچاس ہزار روپے تمہارے اکاؤنٹ میں، انیس اپریل کی صبح جمع ہوئے وہ کہاں سے آئے تھے......؟'' میں نے لمحاتی توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پھر وکیل استغاثہ کو فخریہ انداز میں دیکھنے کے بعد اپنی بات مکمل کر دی۔

''کیا یہ وہی پچاس ہزار روپے ہیں جو مقتول کی میز کی دراز سے غائب ہوئے تھے؟''

''پپ...... پانی......!'' وہ بے حد گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''پانی ملے گا......لیکن میرے سوالات کے جواب کے بعد......!'' میں نے بڑے ظالمانہ انداز میں کہا۔

غلام ربانی کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی۔ جج نے گہری دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''بیگ صاحب! یہ عامر ملک اور جنید خان کا کیا قصہ ہے؟''

میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع انداز میں معزز عدالت کو وہ کہانی سنا دی جس کے اہم کرداروں میں فیصل، نورین، اشتیاق اور عامر ملک شامل تھے۔ میں خاموش ہوا تو جج نے کہا۔

''بیگ صاحب! پلیز کنٹینیو......!''

میں دوبارہ استغاثہ کے گواہ غلام ربانی کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو اس کو کہتے ہیں......ایک پنتھ دو کاج......ایک تیر، دو شکار......ایک کام، دہرا فائدہ......تم نے ایک کام سے دہرا فائدہ حاصل کر لیا۔ عدنان علی کے قتل سے تمہاری منیجری کی پوسٹ بھی محفوظ ہو گئی اور تمہیں تنکا تنکا نہیں، بلکہ ایک ہی جھاڑ پورے پچاس جمع بیس کل ملا کر ستر ہزار روپے بھی مل گئے......کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

یقیناً میں غلط نہیں کہہ رہا تھا لہٰذا وہ کوئی مدلل جواب نہ دے سکا۔ میں نے اس کی شکست کو یقینی بناتے ہوئے فرار کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں۔ وہ لاکھ ہاتھ پاؤں اور زبان کو حرکت میں لاتا لیکن اس کے لیے کوئی بھی جائے پناہ باقی نہیں بچی تھی۔ میں نے اپنی جرح کے جال میں اسے پھنسا کر بے بس اور بے کس کر دیا تھا۔

جب میرے پیہم استفسارات اور مسلسل پوچھ تاچھ کے نتیجے میں وہ کوئی بھی معقول جواب نہ دے سکا تو جج نے غلام ربانی کو شامل تفتیش کرنے کے احکام صادر کر دیے۔

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے موکل کو باعزت بری کر دیا۔ کیونکہ غلام ربانی نے عدنان علی کے قتل کا اقبال کر لیا تھا۔ اس نے کچھ اس قسم کا بیان دیا تھا۔

''عدنان کے تیزی سے بڑھتے ہوئے دفتری عمل دخل نے جہاں فیصل کو پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا وہاں میں بھی بے حد فکر مند تھا۔ کیونکہ اسد نظامی ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ ارادہ ظاہر کر چکے تھے کہ وہ مستقبل قریب میں عدنان کو منیجر کی سیٹ پر بیٹھا دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ان حالات میں، جب میرے دوست جنید خان نے ایک کام (فیصل کو کسی مصیبت میں ڈالنے کا کام) کی پرکشش آفر دی تو میں فوراً تیار ہو گیا۔ یہ میرے لیے بہت آسان ثابت ہوا تھا۔ میں نے چند روز تک ایک مخصوص پروپیگنڈا کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ فیصل کسی بھی وقت عدنان کو شدید نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پھر موقع ملتے ہی میں نے عدنان کا کام اس صفائی سے کر دیا کہ اس کے قتل کے الزام میں فیصل پھانسی چڑھ جائے لیکن......میری بدقسمتی کہ عین وقت پر میرا منصوبہ فیل ہو گیا......!''

یہ جو کچھ بھی ہوا تھا اس میں غلام ربانی کی بدقسمتی کا ہاتھ تھا یا فیصل کی خوش قسمتی کا دخل لیکن ایک بات طے تھی کہ اس سارے معاملے میں فیصل کی ''ہمدردی'' پیش پیش رہی تھی......وہ ہمدردی جو اس نے ابتدا میں نورین کے ساتھ کی تھی اور بعد ازاں اشتیاق کے ساتھ۔ اس عمل میں درحقیقت، فیصل کا کوئی قصور نہیں لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ......

بعض اوقات ہمدردی بڑی مہنگی پڑ جاتی ہے!

دودھاری

گھر سے نکلتے وقت میں لال کتاب کو اپنے بریف کیس میں رکھنا بھول گیا تھا۔ عدالت کی پارکنگ میں پہنچ کر یاد آیا تو میں سر پکڑ کر رہ گیا۔ اب میرے اس سر کی خیر نہیں تھی۔ میں وہ کتاب لینے دوبارہ گھر نہیں جا سکتا تھا کیونکہ آج عدالت میں بے پناہ مصروفیت تھی اور...... اس کتاب کو میرے پاس نہ پا کر علی مراد بہت بگڑ جاتا!

لال کتاب کا اصل نام تو ''ہیومنز اسپیک ٹروتھ'' تھا لیکن علی مراد اسے لال کتاب کہا کرتا تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ مذکورہ کتاب کی جلد سرخ رنگ کی تھی اور یہ آسٹرولوجی کی کتاب تھی جس میں ''مون سائنز'' کے بارے میں بڑی تفصیلی معلومات درج تھیں۔ علی مراد ایک ماہر آسٹرولوجسٹ تھا اور مذکورہ کتاب اسی نے مجھے پڑھنے کے لیے دے رکھی تھی۔

علی مراد سے میری دوستی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ ہماری پہلی ملاقات ایک نجی محفل میں ہوئی تھی جہاں اتفاق سے ہم دونوں ہی مدعو تھے۔ علی مراد بنیادی طور پر گڈ نیچر کا مالک ایک عمدہ انسان تھا۔ اسی لیے ہمیں ایک دوسرے کے قریب آنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ مجھے اس علم سے کوئی خاص دلچسپی تو نہیں تھی لیکن علی مراد اپنی دوستی میں گاہے بہ گاہے مجھے مختلف کتابیں پڑھنے کے لیے دے دیا کرتا تھا۔ لال کتاب میرے سپرد کرتے ہوئے اس نے بڑے پُر اسرار انداز میں کہا تھا۔

''بیگ صاحب! اسے کتاب نہ سمجھیے گا......!''

''پھر......!'' میں نے کتاب کو اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کرنے کے بعد پوچھا۔ ''یہ کتاب نہیں تو پھر اور کیا ہے...... کیا کوئی نئی طرز کا ایٹم بم ہے؟''

''ایٹم بم نہیں بیگ صاحب......!'' وہ پُر خیال انداز میں گویا ہوا۔ ''یہ ایک مشین ہے......''

''مشین......!'' میری حیرت دوچند ہو گئی۔ ''کس قسم کی مشین؟''

''ہاں مشین...... یہ ایکس رے مشین سے کم نہیں!'' وہ بہ دستور کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔ ''انسان کے باطن کا ایسا ایکسرے کرتی ہے کہ حیرت اپنے عروج کو پہنچ جاتی ہے۔''

''پھر تو واقعی یہ بڑی عجیب و غریب کتاب ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''میں چاہتا ہوں، آپ بھی اس کا مطالعہ کریں۔'' وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''یعنی...... میں بھی اس سے ایکس رے کراؤں؟''

''ہاں ہاں۔'' وہ جلدی سے اپنے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے آپ کو آپ کے مون سائن کے بارے میں تفصیلاً بتا رکھا ہے نا۔ آپ اس کتاب کے اندر صرف اپنا مون سائن پڑھیں۔ آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کتنی کاملیت سے انسان کو اندر سے ٹٹولتی ہے۔''

میں نے سید صاحب کے بے حد اصرار پر مذکورہ ''لال کتاب'' اپنے پاس رکھ لی تھی۔ علی مراد کا پورا نام سید علی مراد تھا اور لوگ عموماً اسے ''سید صاحب'' کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ میں نے دیکھا تھا کہ علی مراد کے کلائنٹس میں بعض بیوروکریٹس اور سیاسی شخصیات بھی شامل تھیں جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ آسٹرولوجی کے علم کا ماہر تھا، جہاں تک میرا اس سے واسطہ پڑا تھا، میں نے اس کی اکثر پیش گوئیوں کو درست ہوتے پایا تھا۔

میں مذکورہ لال کتاب کو اپنے ساتھ گھر لے آیا تھا اور گاہے بہ گاہے اس کا مطالعہ بھی کرتا رہتا تھا۔ وہ واقعی ایک سنسنی خیز اور انکشاف انگیز کتاب تھی۔ وہ اپنے ٹائٹل ''ہیومنز اسپیک ٹروتھ'' پر پورا اترتی تھی۔

علی مراد سے جب بھی میری ملاقات ہوتی، وہ لال کتاب کے بارے میں ضرور پوچھتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد جب اسے پتا چلا کہ میں نے مذکورہ کتاب کو اچھی طرح پڑھ لیا ہے تو اس نے واپسی کا تقاضا شروع کر دیا۔ یہ اسی تقاضے کا نتیجہ تھا کہ آج کے دن میں نے اسے کتاب واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا اور...... کتاب میں اپنے ساتھ لانا بھول گیا تھا۔

میں دل ہی دل میں یہ دعا کرنے لگا کہ علی مراد آج مجھ سے ملاقات کرنے نہ آئے۔ وہ بہت زیادہ بولتا تھا۔ اتنے سوال کرتا تھا کہ دماغ کی لسی بن کر رہ جاتی تھی لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان کی ہر دعا پوری بھی ہو جائے!

میں عدالتی بکھیڑوں سے نمٹ نمٹا کر اپنے دفتر پہنچا تو سید صاحب وزیٹر لابی میں موجود تھے اور وہ اکیلے نہیں تھے۔ ان کے ساتھ ایک درمیانی عمر کا ہینڈسم مرد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی ''حفاظت'' کے لیے دل ہی دل میں ایک ورد کیا اور سید صاحب کو ان کے ساتھی کے ہمراہ اپنے چیمبر میں بلالیا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔ ''سید صاحب! لنچ وغیرہ کیا ہے آپ نے؟''

اس وقت دن کے تین بجے تھے میں بھی ابھی ابھی ایک نزدیکی ریسٹورنٹ سے کھانا کھا کر ہی آ رہا تھا۔ سید صاحب نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔

''بیگ صاحب! کھانا ہم کھا چکے ہیں لہٰذا کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔''

''ٹھنڈا گرم تو چلے گا؟'' میں نے علی مراد کے ساتھی کی جانب دیکھا۔

ساتھی کے بجائے علی مراد نے جواب دیا۔ ''چائے منگوالیں بیگ صاحب۔''

میں نے انٹرکام پر اپنی سیکریٹری کو ہدیت کر دی کہ وہ آفس بوائے سے چائے کے لیے کہہ دے پھر میں اپنے سامنے بیٹھے ان دونوں افراد کی طرف متوجہ ہو گیا جن میں ایک سید صاحب تھے اور دوسرے کے بارے میں، میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ سوال میں کوئی اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ پلٹ کر کہیں علی مراد مجھ سے ''لال کتاب'' کے بارے میں نہ پوچھ لے۔ ویسے اللہ کا شکر تھا کہ ابھی تک کتاب کی طرف اس کا دھیان نہیں گیا تھا اور شاید یہ میرے ورد کا کمال تھا۔

''بیگ صاحب! یہ باقر علی ہیں۔'' علی مراد نے اپنے ساتھی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تعارف کرانے والے انداز میں کہا۔ ''میں انہیں ایک مسئلے کے سلسلے میں آپ کے پاس لے کر آیا ہوں۔''

میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور باقر علی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''جی باقر صاحب! آپ کا کیا مسئلہ ہے؟''

''مسئلہ میرا نہیں بلکہ بھائی صاحب کا ہے......!'' وہ جلدی سے بولا۔

''بھائی صاحب کون؟'' میں نے سوال کیا۔

''ٹھہریں میں بتاتا ہوں۔'' علی مراد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''بلکہ یہ کام مجھے پہلی فرصت میں کرنا چاہیے تھا۔''

باقر علی کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نمودار ہوئی اور وہ قدرے ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا۔ باقر کی عمر لگ بھگ پینتالیس سال رہی ہوگی۔ وہ اپنی وضع قطع اور رکھ رکھاؤ سے کوئی کاروباری شخص لگتا تھا اور یہ تو میں شروع ہی میں بتا چکا ہوں کہ وہ ایک ہینڈسم اور اسمارٹ شخص تھا۔

''باقر علی اور ان کے بڑے بھائی قادر علی کا ایک مشترکہ کاروبار ہے۔'' علی مراد نے بتانا شروع کیا۔ ''ان کی رہائش کراچی کے دو مختلف علاقوں میں ہے۔ باقر علی بفرزون میں رہتے ہیں اور قادر علی پی ای سی ایچ سوسائٹی میں۔ خالد بن ولید روڈ پر ان لوگوں کی ٹائروں کی ایک بہت بڑی دکان ہے جو خوب چلتی ہے لیکن اس وقت باقر علی ایک سنگین اور گمبھیر معاملے میں آپ کی مدد لینے یہاں آئے ہیں......''

علی مراد نے لمحاتی توقف کیا تو میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کاغذ قلم سنبھالنے کے بعد میں سوالیہ نظر سے باری باری علی مراد اور باقر علی کو تکنے لگا تاہم زبان سے کچھ نہ کہا۔ علی مراد اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''وہ سنگین معاملہ باقر کے بڑے بھائی قادر کا ہے۔ پولیس نے قادر کو گرفتار کر لیا ہے!''

اب میں خاموش نہ رہ سکا اور جلدی سے پوچھا۔ ''پولیس نے قادر کو کب اور کس چکر میں گرفتار کیا ہے؟''

''آج گیارہ مئی ہے نا......'' علی مراد نے پُر خیال انداز میں کہا۔ ''قادر کی گرفتاری دس مئی کو عمل میں آئی ہے۔ قادر کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے......''

''اس پر کس کے قتل کا الزام ہے؟''

''سابق بیوی کے قتل کا الزام!''

''اوہ......!'' میں نے کاغذ پر قلم گھستے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی پھر خود کلامی کے انداز میں کہا۔ ''گرفتاری کل عمل میں آئی۔ اس کا مطلب ہے، پولیس نے آج صبح قادر کو

عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ حاصل کرلیا ہوگا۔''

''جی ہاں......!'' باقرعلی نے جلدی سے اثبات میں سرہلایا۔''بھائی صاحب اس وقت عدالتی ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ہیں۔''

''ہوں......!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔''ذرا اپنے بھائی صاحب کی سابق بیوی کے بارے میں بتائیں؟''

یہ سوال چونکہ میں نے براہ راست ملزم کے چھوٹے بھائی باقرعلی سے کیا تھا لہٰذا جواب بھی اسی نے دیا اور جواب دیتے وقت اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔

''اس عورت کا نام سلمٰی ہے...... بلکہ تھا۔'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر تلخی سے بولا۔''اس عورت نے زندگی میں بھی بھائی صاحب کو بڑے دکھ دیے تھے اور اپنی موت کے بعد بھی انہیں مصیبت میں گرفتار کر گئی ہے۔ پتا نہیں، اللہ اس قسم کی اذیت رساں عورتوں کا حساب کب کرے گا!''

باقرعلی کے لہجے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی سابق بھابی سے شدید ترین نفرت کرتا تھا۔''سابق'' کا لفظ بار بار استعمال ہوا تھا لہٰذا میں نے اس کی وضاحت ضروری سمجھی اور اسی سلسلے میں باقرعلی سے پوچھ لیا۔

''باقر صاحب! یہ بتائیے گا، سلمٰی نامی وہ عورت جو کہ اب مقتولہ کا درجہ حاصل کر چکی ہے وہ آپ کی سابق بھابی اور آپ کے بھائی صاحب کی سابق بیوی کیسے بنی تھی۔ کیا آپ کے بھائی صاحب نے اسے طلاق دے دی تھی؟''

''بھائی صاحب شاید اس عورت کو کبھی طلاق نہ دیتے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔''لیکن اس چال باز نے ایسا ڈراما رچایا تھا کہ بھائی صاحب مجبور ہوگئے۔ سلمٰی نے یوں سمجھیں کہ زبردستی بھائی سے طلاق لی تھی۔''

''زبردستی مطلب...... گن پوائنٹ پر؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''نن...... نہیں۔'' وہ گڑبڑا گیا۔

میں نے پوچھا۔''عدالت سے خلع کا مطالبہ......؟''

''نہیں جناب، ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''بھائی صاحب نے باقاعدہ نصف درجن افراد کے سامنے اسے طلاق دی تھی اور بعد میں اس طلاق کی

قانونی حیثیت بھی حاصل کرلی گئی تھی اور یہ سب کچھ ایک سنگین جذباتی ڈرامے کے نتیجے میں عمل میں آیا تھا۔ کوئی بھی شریف النفس اور غیرت مند آدمی اس موقع پر یہی کرتا جو بھائی صاحب نے کیا تھا۔''

''یہ طلاق والی بات کتنا عرصہ پہلے کی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا۔''طلاق والا واقعہ جنوری میں پیش آیا تھا۔ چار پانچ ماہ گزر جانے کے بعد اب ایک نئی مصیبت نے سر اٹھایا ہے۔ بھائی صاحب اچھے خاصے عارفہ کے ساتھ رہ رہے تھے کہ یہ افتاد آن پڑی۔''

''عارفہ کون؟'' اس کی بات مکمل ہوئی تو میں نے پوچھ لیا۔

''عارفہ بھائی صاحب کی اکلوتی بیٹی اور میری بھتیجی ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''بھائی صاحب اپنی بیٹی ہی کی وجہ سے مجبور تھے اور اپنی بیوی کی ہرآوارگی اور ہر زیادتی کو حالات کا جبر اور مقدر کا زہر سمجھ کر اپنے اندر اتار رہے تھے لیکن جب سلمٰی نے ہر حد کو پھلانگ لیا اور وہ بھی محض بھائی صاحب سے جان چھڑانے کے لیے تو پھر انہوں نے ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کی اور اس بدبخت عورت کو اپنی زندگی سے نکال باہر کیا۔''

''آپ نے بتایا ہے کہ عارفہ اپنے باپ کے ساتھ رہ رہی ہے۔'' میں نے ایک ضروری سوال کیا۔''کیا عافہ نے یہ فیصلہ اپنی مرضی سے کیا تھا۔ میرا مطلب ہے، والدین میں سے کسی ایک کا انتخاب...... یعنی قادر علی؟''

''جی ہاں، بالکل۔'' اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔''عارفہ کی عمر ماشااللہ اس وقت چودہ پندرہ سال ہے۔ وہ بہت ہی ذہین اور سمجھ دار لڑکی ہے۔ اپنے فیصلے خود کرنے کی بڑی بھرپور صلاحیت ہے اس میں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ......'' وہ لمحے بھر کے لیے ٹھہرا پھر ایک افسردہ سی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

''عارفہ اپنی ماں کے کردار اور کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ بھائی صاحب کے ساتھ رہنے کا فیصلہ اس نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے جناب!''

''عموماً دیکھنے میں تو یہی آتا ہے کہ اس قسم کے والدین کے ''نازک معاملات'' میں بچے ماں کا ساتھ دیتے ہیں اور باپ چاہے کتنا بھی اچھا کیوں نہ ہو، وہ انہیں ایک ظالم شخص ہی نظر

آتا ہے۔ان کی ساری ہمدردیاں اپنی ماں کے لیے ہوتی ہیں۔"

"بیگ صاحب! آپ بالکل بجا فرماتے ہیں۔" علی مراد نے ہماری گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ کیس کئی اعتبار سے بڑا منفرد اور مختلف نوعیت کا ہے۔ میں کئی بار عارفہ بیٹی سے مل چکا ہوں۔ وہ واقعی بڑی ذہین اور سمجھ دار بچی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنی والدہ کے حوالے سے زیادہ تر معاملات سے بہ خوبی آگاہ تھی، دوسرے طلاق والی رات مقتولہ نے گھر میں جس قسم کا ڈراما پلے کیا تھا اس نے بھی عارفہ کے ذہن پر بڑا نیگیٹو اثر ڈالا اور سب سے اہم ایشو مقتولہ کی مستقبل قریب کی منصوبہ سازی تھی جس کے نتائج بہت جلد سامنے آگئے تھے۔ان تمام تر عوامل نے مل جل کر عارفہ کا ذہن بدل ڈالا اور اس نے حتمی فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے گی، میں سمجھتا ہوں، عارفہ نے بڑے صحیح وقت پر، بڑا مناسب اور درست فیصلہ کیا تھا۔"

"ہوں......" میں نے رف پیڈ پر مختلف قسم کے نوٹس لینے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے دو اہم معاملات کا خصوصاً ذکر کیا ہے۔ نمبر ایک، طلاق کے حصول کے لیے سلمٰی کا ڈراما۔ نمبر دو، طلاق کا مقصد یعنی مستقبل قریب کے حوالے سے منصوبہ سازی...... مجھے اس بارے میں ذرا تفصیل سے بتائیں۔"

علی مراد نے معنی خیز نظر سے باقر علی کی طرف دیکھا۔ مطلب یہ تھا کہ تمہارے گھر کا معاملہ ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم ہی اپنی زبان سے بیان کرو۔ باقر علی اس کا اشارہ فوراً سے پیشتر سمجھ گیا اور کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔

"وکیل صاحب! بتاتے ہوئے شرم تو آتی ہے لیکن آپ کے سوال کا جواب دینا بھی ضروری ہے کیونکہ آپ نے بھائی صاحب کا کیس لڑنا ہے۔ ویسے زیادہ تفصیل سے تو آپ کو بھائی صاحب ہی بتائیں گے۔ میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ مقتول سلمٰی کافی عرصے سے اس کوشش میں تھی کہ بھائی صاحب اسے "فارغ" کر دیں اور وہ اپنی من مانی کر سکے۔ جب بھائی صاحب نے اس کے ہر حربے کو اپنی ہمت اور برداشت سے ناکامیاب بنا دیا تو پھر وہ باقاعدہ کمینگی پر اتر آئی تھی......" وہ لمحے بھر کو رکا، ایک گہری سانس لی پھر سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اس نے بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ گھریلو ملازمہ ریشم کو اس کے بھی علم مین لائے بغیر بڑی ذلالت اور چال بازی سے استعمال کر ڈالا اور بھائی صاحب اپنی بشری کمزوری کے ہاتھوں

مجبور ہو کر اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔اس موقع پر سلمٰی کو جذباتی ہتھیار استعمال کرنے میں بڑی آسانی رہی اور بھائی صاحب نے بھی روز روز کی مصیبت سے نجات پانے کے لیے بالآخر اس کا طلاق کا مطالبہ پورا کر دیا۔"

"جب کوئی عورت اپنے شوہر سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایسا خطرناک ڈراما رچاتی ہے تو اس کے پیش نظر ضرور کوئی بڑا مقصد ہوتا ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ کی سابقہ بھابی کیا چاہتی تھی؟"

"میں اسی طرف آ رہا تھا جناب۔" وہ بڑی رسان سے بولا۔ "بلکہ آپ کے دوسرے سوال کا جواب بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔" وہ رکا، ایک سوچتی ہوئی نظر مجھ پر ڈالی پھر اضافہ کرتے ہوئے بتانے لگا۔

"اس کے سامنے بھی ایک "مقصد" تھا۔شریفانہ زبان میں اسے ذلیل ترین مقصد کہا جا سکتا ہے۔ وہ میرے بھائی کی بیوی تھی اور ایک نامحرم سے اس نے مراسم بھی پال رکھے تھے۔ اس مردود کا نام تھا جمیل باری۔ سلمٰی، جمیل باری سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ بھائی صاحب کو اگر سلمٰی کے عزائم کی جلدی خبر ہو جاتی تو شاید وہ اس ٹینشن کو زیادہ لمبا نہ پالتے۔ وہ تو یہی سمجھتے رہے کہ وہ انہیں تنگ اور زچ کرنے کے لیے نئے نئے ہتھکنڈے آزماتی رہتی ہے۔ جب بھائی کو اصل سٹوری کا علم ہوا تو پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا اور اسی اونچے پانی کے اندر رہتے ہوئے بھائی صاحب پر بھی جیسے ضد سی سوار ہو گئی کہ وہ کسی بھی قیمت پر اس عورت کو آزاد نہیں کریں گے لیکن بالآخر انہیں ہار ماننا پڑی...... سلمٰی کی سنگین چال کا مقابلہ نہ کر سکے۔اس سرد جنگ میں وہ عورت جیت گئی......!"

"یعنی سلمٰی نے آپ کے بھائی صاحب سے طلاق لینے کے بعد جمیل باری سے شادی کر لی تھی؟" میں نے ایک امکانی سوال کیا۔ "کیا اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا......!"

"نہیں!" باقر علی نے نفی میں گردن ہلائی اور بتایا۔ "پچھلے دنوں اس کی منگنی کی خبر سننے کو ملی تھی۔ اگر وہ زندہ رہتی تو شاید جمیل باری سے اس کی شادی بھی ہو جاتی لیکن اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا...... جمیل باری کسی مردہ عورت سے تو شادی کرنے سے رہا۔"

میں مزید پندرہ، بیس منٹ تک گھما پھرا کر باقر علی سے مختلف سوال کرتا رہا پھر اپنی تسلی اور اطمینان کے بعد میں نے کیس لینے کا فیصلہ کر لیا۔ فیس کی ادائی اور وصولی کا وقت آیا تو علی مراد

نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''بیگ صاحب! ذرا ہاتھ ہلکا ہی رکھیے گا ان لوگوں سے میرے فیملی ٹرم ہیں۔''

''کیا آپ اپنے معاملات میں بھی ان پر ہلکا ہاتھ ہی رکھتے ہیں؟'' میں نے مذاق کے رنگ میں پوچھ لیا۔ ''آخر آپ بھی تو پروفیشنل ہیں؟''

''جی ہاں...... بالکل، بالکل۔'' وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا پھر باقر علی کی طرف دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''چاہیں تو آپ تصدیق کر سکتے ہیں۔''

میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی باقر نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''سید صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں وکیل صاحب۔ یہ ہماری فیملی کے برتھ چارٹ (زائچے) آدھی فیس میں بناتے ہیں لیکن اس تصدیق سے ہرگز ہرگز میرا یہ مقصد نہیں کہ میں آپ کی فیس میں کمی کروانا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور پھر بھائی صاحب کی خاطر تو میں اپنی جان بھی قربان کرنے کو تیار ہوں۔''

''او پاگل......!'' علی مراد نے ڈانٹ آمیز انداز میں کہا۔ ''میں تم لوگوں سے زائچے کی آدھی فیس اس لیے نہیں لیتا ہوں کہ خدانخواستہ تم غریب اور مستحق لوگ ہو۔ میں جانتا ہوں، تم دوگنا فیس بھی بہ آسانی ادا کر سکتے ہو لیکن مروت اور لحاظ بھی کوئی شے ہوتی ہے۔ پھر ایسے تعلقات کا کیا فائدہ جس سے اپنائیت نہ جھلکتی ہو۔''

علی مراد کی عمر ساٹھ سے متجاوز تھی لہٰذا اس کی میٹھی ڈانٹ میں بھی بڑا حسن تھا۔ اس کی بات کے جواب میں باقر علی نے صرف اتنا کہا۔

''ٹھیک ہے سید صاحب! جو آپ کا حکم......''

''اور جب کبھی بیگ صاحب کو اپنی کار کے ٹائر وغیرہ تبدیل کرنا ہوں تو آپ بھی ہر ممکن رعایت کر دینا۔ یاری دوستی اور بھائی بندی میں ایسے ہی چلتا ہے پیارے صاحب۔''

''سید صاحب! آپ کی بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔'' باقر علی نے بڑی فرماں برداری سے کہا۔ ''انشاء اللہ! اگر کبھی بیگ صاحب ہمارے شوروم میں تشریف لائے تو میں انہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔''

ویسے ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ علی مراد کے تعلق واسطے والے تمام

لوگ اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ میں نے باقر علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''فیس والا معاملہ تو رہا ایک طرف لیکن باقر صاحب! آپ اپنے بڑے بھائی کے لیے جتنے سچے اور گہرے جذبات رکھتے ہیں، میں ان سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔''

''بڑی نوازش آپ کی!'' وہ سادگی سے بولا۔

میں اپنی فیس میں ففٹی پرسنٹ تو ڈسکاؤنٹ نہیں کر سکتا تھا تاہم علی مراد کی بات رکھتے ہوئے، ایک مناسب رعایت کے ساتھ فیس وصول کر کے میں نے رسید بنا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے آفس سے رخصت ہو گئے۔

میرے ورد نے بڑا بھرپور کام دکھایا تھا۔ ایک لمحے کے لیے بھی سید صاحب کے ذہن میں ''لال کتاب'' کا خیال نہیں آیا تھا اور...... یہ ہم سب کے حق میں بہتر ہی ہوا تھا۔

✠ ✠ ✠

پولیس نے ملزم قادر علی کو عدالت میں پیش کر کے سات یوم کا ریمانڈ لے لیا تھا اور اب وہ ان کی کسٹڈی میں تھا۔ عدالت کی طرف رجوع کرنے سے پہلے ملزم سے ایک بھرپور ملاقات بے حد ضروری تھی کیونکہ اب وہ صرف ملزم ہی نہیں بلکہ میرا موکل بھی تھا۔ آئندہ روز میں اپنے موکل سے ملنے متعلقہ تھانے پہنچ گیا۔

وہ شام کا وقت تھا۔ اس وقت عموماً اکثر تھانہ انچارج اپنی سیٹ پر موجود نہیں پائے جاتے لہٰذا ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ''پھنسے'' ہوئے افراد سے ملاقات قدرے آسان ہوتی ہے۔ اس حوالے سے میں پہلے بھی کئی بار تفصیل بتا چکا ہوں کہ لاک اپ میں موجود ملزم تک رسائی کے لیے کون کون سے ہتھکنڈے آزمائے جاتے ہیں چنانچہ اب اس کا ذکر ضروری نہیں۔ مختصراً یوں سمجھ لیں کہ ڈیوٹی پر موجود ایک اے ایس آئی سے تھوڑی مغز ماری کے بعد میں اپنے مطلوبہ بندے یعنی قادر علی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

قادر علی کو دیکھ کر مجھے ایک جھٹکا سا لگا یوں محسوس ہوا جیسے میں باقر علی سے دوبارہ مل رہا ہوں۔ دونوں بھائیوں کے چہروں میں گہری مشابہت پائی جاتی تھی۔ بس انیس، بیس کا فرق سمجھ لیں۔ باقر کی بہ نسبت قادر قدرے فربہ تھا اور عمر میں بھی کچھ زیادہ تھا۔ قادر علی کی عمر پچاس کے قریب

رہی ہوگی۔

میں نے اپنا مختصر تعارف کرانے کے بعد کہا۔ ”آپ کے چھوٹے بھائی باقر نے مجھے آپ کا وکیل مقرر کیا ہے۔ میں اسی سلسلے میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔“

”شکریہ وکیل صاحب!“ وہ تشکر آمیز انداز میں بولا۔ ”میں تو بیٹھے بٹھائے اس وبال میں پھنس گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا، آخر میرا قصور کیا ہے......؟“

وہ دل شکستہ اور افسردہ ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی دل جوئی ضروری جانی اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ”قادر صاحب! آپ کو پورا یقین ہے نا، اس معاملے میں آپ سراسر بے قصور ہیں؟“

”جی ہاں...... بالکل۔“ وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ”اس عورت کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔“

اس نے اپنی سابق بیوی سلمٰی کے لیے ”اس عورت“ کے الفاظ استعمال کیے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سلمٰی کے لیے اس کے دل میں کتنی نفرت چھپی ہوئی تھی۔ وہ اپنی زبان سے اس کا نام تک لینے کا روادار نہیں تھا۔

”اگر آپ کا کوئی قصور نہیں ہے تو......“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ایک گہری سازش کے تحت اس کیس میں گھسیٹا گیا ہے؟“

”اس میں تو کسی شک و شبہے کی گنجائش ہی نہیں!“ وہ بڑے وثوق سے بولا۔

”ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں قادر صاحب!“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”اگر آپ نے جرم نہیں کیا تو اطمینان رکھیں، آپ سزا کے حق دار بھی نہیں ٹھہریں گے۔ یہ عدالت بہت جلد آپ کو بڑی عزت سے بری کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔“

اس کا اعتماد قدرے بحال ہوا۔ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”یہ تو میرا یقین بلکہ ایمان ہے کہ اللہ میرے ساتھ ناانصافی نہیں کرے گا لیکن اچانک جو افتاد آن پڑی ہے نا، اس نے مجھے بری طرح پریشان کر دیا ہے۔“

”قادر صاحب!“ میں نے اس کے اعتماد کو مزید تندرست اور توانا کرنے کی غرض سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”قدرت کی طرف سے آزمائش کا ایک طریقہ کار ہے اور یہ طریقہ کار

فرداً فرداً تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ وہ کسی کو بہت ساری نعمتیں دے کر آزماتا ہے کہ اس میں شکر کا ظرف کتنا ہے، کسی کو کسی نعمت سے محروم رکھ کر دیکھتا ہے کہ اس میں صبر کا مادہ کتنا ہے اور کسی کو ہر شے سے نوازنے کے بعد سب کچھ چھین کر چیک کرتا ہے کہ اس میں ہمت اور برداشت کس درجے کی ہے......“ میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”آپ نے قتل ایسے جرم کا ارتکاب نہیں کیا لیکن اس جرم کا الزام آپ پر آ گیا ہے تو سمجھ لیں کہ یہ قدرت کی طرف سے آپ کے لیے آزمائش ہے۔ آپ کو فکرمند یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ میرے ساتھ مل کر ان برے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ انشا اللہ! فتح ہماری ہوگی۔“

”انشاءاللہ......!“ اس نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کی پھر بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟“

”مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ۔“ میں نے جواب دیا۔

”ایڈووکیٹ......“ اس نے میرے جواب کے آخری حصے کو زیرِ لب دہرایا۔ پھر تصدیق طلب انداز میں پوچھا۔ ”آپ وکیل ہی ہیں نا......؟“

”ہاں ہاں...... میں وکیل ہی ہوں۔“ میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ”وکالت میرا پیشہ ہے اور ساری زندگی اسی کام میں گزری ہے۔ کیا اس حوالے سے آپ کے ذہن میں کوئی شک ابھر رہا ہے۔“

میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ ”میں نے آج تک کسی وکیل کو اس نوعیت کی تقویت بھری ناصحانہ باتیں کرتے دیکھا ہے اور نہ ہی سنا ہے......!“

اس کی حیرت اور بے یقینی کا سبب پلک جھپکتے میں میری سمجھ میں آ گیا۔ میں نے اس کے لیے مزید حیرت کا سامان کرنے کے بجائے گول مول انداز میں صرف اتنا کہا۔

”قادر صاحب! دنیا میں تمام پھل، تمام پھول اور تمام عورتیں ایک جیسی نہیں ہوتی ہیں۔ ایسے ہی تمام وکیل بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ بہرحال......“ میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

”باقر علی نے مجھے اس کیس کے حوالے سے ابتدائی معلومات دی ہیں لیکن میرے خیال

میں وہ ناکافی ہیں۔ آپ مجھے ان حالات کے بارے میں تفصیلاً بتایئے جن کا شکار ہو کر آپ حوالات میں پہنچے ہیں اور چند روز کے بعد عدالت میں بھی جانے والے ہیں؟''

آئندہ بیس منٹ میں اس نے میرے مختلف سوالات کے جواب میں درجنوں سنسنی خیز انکشافات کیے جس سے مجھے اس کیس کے حوالے سے اپنے ذہن کو ایک مخصوص راہ پر متعین کرنے میں بڑی مدد ملی۔ اس ملاقات کے اختتام پر میں نے قادر علی سے وکالت نامے، درخواست ضمانت کے علاوہ مختلف ضروری کاغذات پر دستخط لیے اور یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

''قادر صاحب! آپ اطمینان سے پولیس والوں کی میزبانی کا لطف اٹھائیں۔ اب ہماری ملاقات عدالت کے کمرے ہی میں ہوگی۔''

''آپ نے میزبانی کا لطف اٹھانے والی بات خوب کی ہے۔'' زیر حراست اور مصیبت زدہ ہونے کے باوجود بھی اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''میں نے ان کی ''مہمان داری'' سے بچنے کے لیے تو مال خرچ کر کے ایک محفوظ ''راہ'' نکال لی ہے لیکن یہ لوگ مجھے بڑے سبز باغ دکھا رہے ہیں۔''

''مثلاً کس قسم کے سبز باغ......؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آم کے، سیب کے، انگور کے، آڑو کے......!''

''آزادی کے......!'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

''آزادی کے خواب......تو سنا تھا'' میں نے متذبذب انداز میں کہا۔ ''آج آپ نے ''آزادی کے باغ'' کو بھی متعارف کرا دیا ہے۔''

''میں نے نہیں جناب، یہ پولیس والوں کی تازہ ترین پیشکش ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''ایک پولیس اہلکار نے پچھلی رات نہایت ہی رازدارانہ انداز میں مجھ سے کہا تھا کہ میں حوالات کے اندر آزادی اور خودمختاری کے لیے پرچون کا کاروبار کر رہا ہوں۔ اگر میں تھانے سے باہر بھی مکمل آزادی اور خودمختاری چاہتا ہوں تو مجھے پرچون کی دکان داری چھوڑ کر تھوک کے کاروبار کی طرف آنا ہوگا۔''

''ہوں......!'' میں فوراً سے پیشتر اس کی رمزیہ بات کی تہ میں پہنچ گیا اور پوچھا۔ ''وہ لوگ کن بنیادوں پر آپ کی آزادی اور خودمختاری کو مسلم کر رہے ہیں؟''

''مجھے بتایا گیا ہے کہ اگر میں ان کی بات مان لوں تو وہ اس کیس کا چالان تیار کرتے وقت اس قسم کی ہلکی دفعات لگائیں گے کہ تھکے سے تھکا ہوا وکیل بھی مجھے اس کیس سے ایسے کھینچ لے جائے گا جیسے مکھن سے بال نکالا جاتا ہے۔''

''اور اس ''مہربانی'' کے لیے انہوں نے اپنی ''فیس'' کیا بتائی ہے؟''

''مبلغ پانچ لاکھ روپیہ سکہ رائج الوقت......!''

قادر علی کے اسٹائل اور جواب سے پتا چلتا تھا کہ اس نے خود پر طاری افسردگی کو بڑی حد تک اتار پھینکا تھا جب ہی وہ اس شگفتگی سے بات کر رہا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میری محنت رنگ لے آئی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے مختلف باتوں سے اس کی ہمت اور حوصلے کو بڑھانے کی جو کوشش کی تھی وہ بڑی حد تک کامیاب ہوگئی تھی۔

اس کی تفصیل کے جواب میں، میں نے کہا۔ ''پانچ لاکھ تو بہت زیادہ ہیں۔ بہرحال، اگر وہ بارگیننگ کر کے نیچے آنے کی کوشش بھی کریں تو ان کی کسی چال میں نہیں آنا۔ شاید آپ کو پتا نہیں کہ ان بے چاروں کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک طاقتور وکیل پلک جھپکتے میں ان کے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا ہے۔ یہ لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے آپ سے رقم بٹور کر کھا جائیں گے لیکن کچھ بھی نہیں کریں گے۔ لہٰذا ان کی چال سے بچنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے ان کی ''مہمان نوازی'' میں تین دن گزار لیے، باقی کے چار دن بھی پرچون فروشی میں جیسے تیسے گزار لیں، پھر میں سنبھال لوں گا۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے بیگ صاحب!'' وہ ممنونیت بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اسے ''خدا حافظ'' کہا اور وہاں سے چلا آیا۔

✠ ✠ ✠

رات کو میں سونے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ علی مراد کا فون آ گیا۔ میں نے کال اٹینڈ کی اور اس کے سلام کا جواب دیا ہی تھا کہ وہ کراری آواز میں بولا۔

''یار بیگ صاحب! ایک بات تو میں بھول ہی گیا......''

میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھ لیا۔ ''کون سی بات سید صاحب؟''

"کل میں باقر علی کے ساتھ آپ کے آفس آیا تھا۔" اس نے بتایا۔ "یہ لوگ اچانک جس قسم کی مصیبت میں پھنس گئے ہیں اس صورت حالات نے میری بھی مت ماردی ہے۔ "لال کتاب" میرے دھیان ہی میں نہیں رہی حالانکہ میں خصوصاً اسی کے لیے آپ کے پاس آیا تھا مگر باتوں کے دوران وہ میرے ذہن سے سلپ ہوگئی۔"

"قبلہ......!" میں نے تفریح لینے والے انداز میں کہا۔ "آپ ایسی چکنی اور چپڑی باتیں کرتے ہی کیوں ہیں جو اہم معاملات ذہن سے سلپ ہو جاتے ہیں۔"

"مذاق چھوڑیں بیگ صاحب۔" وہ میرے موڈ کو سمجھتے ہوئے بولا۔ "یہ بتائیں، ملاقات کب ہو رہی ہے؟"

"جب آپ کا حکم ہو سید صاحب!" میں نے بڑی محبت سے کہا۔

"کل آپ کورٹ جائیں گے؟"

"ضرور......کیوں نہیں۔"

"ایسا کرتے ہیں......" وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔ "مجھے بھی کل اسی طرف ایک ضروری کام سے آنا ہے کیوں نہ کل ہم لنچ ایک ساتھ کریں؟"

"انتہائی مناسب ہے۔" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "کل کا لنچ میری طرف سے ہوگا۔ آپ نے وہ ریسٹورنٹ تو دیکھ رکھا ہے نا جہاں......"

"جہاں بدپرہیزی کے ایک سوا کیس لوازمات بھی موجود ہیں۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

"جی ہاں، بالکل وہی۔" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ "لیکن سید صاحب! آپ فکر نہ کریں۔ اب ایسی بھی بات نہیں کہ آپ کے لیے مینیو کے انتخاب میں دشواری ہو۔ بھئی! آپ کے لیے بہت سی پرہیزی چیزیں منگوائی جا سکتی ہیں مثلاً......مونگ کی دال، مکس ویجی ٹیبل، دال چاول......"

"بھئی، بہت خوب!" وہ ایک مرتبہ پھر قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ "یہ تو سراسر زیادتی ہوگی بیگ صاحب کہ میں تو ان پرہیزی ڈشوں پر گزارہ کروں اور اسی ٹیبل پر میرے برابر میں بیٹھ کر آپ چکن کڑاہی، گولا کباب اور بریانی وغیرہ اپنے معدے میں بھرتے رہیں۔"

"تو سید صاحب! پھر میرے لیے کیا حکم ہے۔" اس کی فلسفیانہ گفتگو سے جان چھڑاتے ہوئے میں نے کہا۔ "آپ کی 'لال کتاب' کل کا پورا دن میرے ساتھ رہے گی۔ آپ کا جب موڈ ہو، مجھ سے مل کر وہ کتاب حاصل کر لیں۔"

ہمارے درمیان اگلے روز لنچ پر ملاقات طے پا گئی۔

آئندہ روز ہم ملے اور اپنی اپنی لسٹ کے مطابق کھانے کا آرڈر دے دیا۔ اس دوران میں ہمارے بیچ ہلکی پھلکی گفتگو بھی جاری رہی۔ زیادہ تر باتیں قادر علی کے بارے میں ہوئیں۔ ایک مرحلے پر علی مراد نے پوچھا۔

"بیگ صاحب! آپ نے حوالات میں قادر علی سے ایک بھرپور ملاقات کی ہے۔ اب تک اس کیس کے حوالے سے اہم معلومات آپ حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کا ذہن کیا بن رہا ہے......؟"

"اس کیس کی بھرپور پیروی کا ذہن بن رہا ہے۔" میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔ "میں محسوس کر رہا ہوں کہ قادر علی کے کیس میں اچھی خاصی جان ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ قادر کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کھائی میں دھکا دیا گیا ہے۔" اس نے کہا۔ "اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ آپ کی کوشش ضرور رنگ لائے گی۔"

"انشاء اللہ......!" میں نے صدق دل سے کہا پھر پوچھا۔ "سید صاحب! آپ کی آسٹرولوجی قادر علی کے بارے میں کیا فرماتی ہے؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"مطلب یہ کہ......" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "آج کل قادر علی کے ستارے کیسے چل رہے ہیں؟"

"اسٹارز کی چال تھوڑی لنگڑی سی ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "یہ شخص ان دنوں حالات کی گردش میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کے بارھویں گھر میں زحل اپنی آخری منازل سے گزر رہا ہے۔ جب تک زحل گھر تبدیل نہیں کرے گا، قادر پر سختی طاری رہے گی۔ زحل کے علاوہ مریخ بھی بڑی ناقص حالت میں چل رہا ہے......"

علی مراد نے اسٹارز کے حوالے سے متعدد ٹیکنیکل موشگافیاں کی تھیں جن میں سے زیادہ

تر میرے پلے نہیں پڑی تھیں تاہم میں نے بڑی توجہ سے اس کا بیان سنا اور آخر میں ایک اہم سوال کر ڈالا۔

”سید صاحب! یہ بتایئے گا کہ کم بخت زحل کب تک شفٹنگ کا ارادہ رکھتا ہے؟“

اس نے لمحے بھر کے لیے سوچا اور جواب دیا۔ ”زحل آئندہ سال فروری میں قادر علی کے بارھویں گھر سے نکل جائے گا۔ اس کے بعد ہی حالات میں بہتری آئے گی۔ وہ جھوٹے الزامات اور بہتان وغیرہ سے صاف بچ نکلے گا۔“

”گویا آٹھ نو ماہ کا عرصہ باقی ہے۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔“ اس نے سر کو اثباتی جنبش دی اور مدبرانہ انداز میں بولا۔ ”آسٹرولوجی یہ تو بتاتی ہے کہ قادر علی آئندہ سال فروری مارچ تک خود پر عائد تمام تر الزامات سے بری الذمہ قرار پائے گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مصیبت زدہ قادر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ مشکل وقت کو ٹالنے کے لیے انسان کو بھرپور کوشش بھی کرنا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے سید صاحب!“ میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ”اپنے موکل قادر علی کی باعزت بریت کے لیے مادی کوشش میں کروں گا۔ آپ سے پُرخلوص دعا کی اپیل ہے۔“

”میری دعائیں آپ دونوں کے ساتھ ہیں۔“ وہ تہ دل سے بولا۔

میں نے علی مراد عرف سید صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ لال کتاب بڑے ادب و احترام کے ساتھ اس کے حوالے کی اور ریسٹورنٹ سے نکل کر اپنے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

✠ ✠ ✠

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے چالان عدالت میں پیش کر دیا۔ اسی پیشی پر میں نے اپنے وکالت نامے کے ساتھ ہی ملزم کی درخواست ضمانت بھی دائر کر دی۔ عدالت کی کارروائی کا آغاز ہوا تو میں نے اپنے موکل کی ضمانت کے حق میں دلائل دینا شروع کیے۔

”جناب عالی! میرا موکل اس معاشرے کا ایک معزز اور شریف النفس شخص ہے۔ یہ ایک باعزت کاروباری آدمی ہے۔ اس کا پولیس ریکارڈ آئینے کے مانند صاف و شفاف ہے لہٰذا......“ میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

”لہٰذا...... معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ ملزم کی درخواست ضمانت کو منظور کیا جائے۔ اس گرفتاری اور اسیری سے میرے موکل کی کاروباری ساکھ کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔“

وکیل استغاثہ نے ضمانت کی مخالفت میں اپنے دلائل کا آغاز کچھ اس طرح کیا۔ ”یور آنر! یہ کوئی دنگے فساد اور چوری چکاری کا عام سا کیس نہیں بلکہ یہ ایک فوجداری مقدمہ ہے اور استغاثہ کے پاس بڑے ٹھوس ثبوت موجود ہیں چنانچہ ملزم کی درخواست ضمانت کو منظور کرنا اس کیس کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔“

میں نے کہا۔ ”جناب عالی! میرا موکل بے گناہ و بے قصور ہے۔ قتل کے اس معاملے سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ ملزم کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کیس میں ملوث کیا گیا ہے۔“

”ملزم پر عائد کردہ الزام کو ثابت کرنا استغاثہ کا کام ہے اور یہ کام مناسب وقت آنے پر ضرور کیا جائے گا۔“ وکیل استغاثہ نے قدرے جارحانہ انداز میں کہا۔ ”وکیل صفائی کو بھی ملزم کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے عدالت پورا موقع دے گی لہٰذا سردست ملزم کی ضمانت انصاف کے اصولوں کے منافی ہوگی۔“

”مثلاً کیا منافی ہوگی؟“ میں نے براہ راست وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

”ملزم ایک بااثر اور صاحب اختیار شخص ہے۔“ وہ معاندانہ نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ”وہ مختلف ذرائع سے اس کیس کی شکل بگاڑنے کی کوشش کر سکتا ہے۔“

”یہ آپ کا وہم ہے اور...... وہم کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔“

وہ تلملا کر رہ گیا تاہم جواب میں خاموش رہا۔

جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ نے تھوڑی دیر پہلے استغاثہ کے پاس ٹھوس ثبوت کا ذکر کیا ہے۔ عدالت جاننا چاہتی ہے کہ ایسا کون سا ثبوت ہے جس کی بنا پر استغاثہ ملزم کی درخواست ضمانت کی نامنظوری چاہتا ہے۔“

”جناب عالی!“ وکیل استغاثہ نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”وقوعہ کے وقت ملزم کو مقتول کے فلیٹ میں جاتے اور آتے دیکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں استغاثہ کو ایک عینی شاہد بھی میسر ہے۔ علاوہ ازیں جائے وقوعہ پر بھی ملزم کی موجودگی کے آثار پائے گئے ہیں جبکہ کچھ

عرصہ پہلے ملزم اور مقتول ہر رشتہ، ناتا ختم کر چکے تھے اور ان حالات میں ملزم کے، مقتول کے فلیٹ میں جانے کی کوئی تک نہیں بنتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی......''

''میں ان تمام شواہد کی حقیقت سے واقف ہوں۔'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ اگر میرے موکل کو وقوعہ کے روز جائے واردات پر دیکھا گیا تھا تو اس کا سبب کیا تھا۔ اگر وہ مذکورہ روز مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ تک گیا تھا تو اس کا مقصد کیا تھا۔ ان سارے معاملات کا قتل کی اس واردات سے کوئی تعلق نہیں۔''

''ٹھیک ہے، آپ کو اپنے موکل کی صفائی پیش کرنے سے کس نے روکا ہے!'' وکیل استغاثہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''اس کام کے لیے معزز عدالت آپ کو پورا موقع فراہم کرے گی۔'' پھر وہ روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے بولا۔

''یور آنر! میں معزز عدالت سے پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے، عدالت کی باقاعدہ کارروائی کے لیے آئندہ پیشی کی تاریخ دے دی جائے تاکہ یہ کیس جلد از جلد اپنے اختتام کو پہنچے...... دیٹس آل!''

میں نے درخواست ضمانت کی منظوری کے لیے تھوڑا اور زور مارا لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں اپنے موکل کی ضمانت کرانے میں ناکام رہا تھا۔ یہ بات پہلے بھی کئی مرتبہ بڑی وضاحت کے ساتھ بتائی جا چکی ہے کہ قتل کے ملزم کی ضمانت ناممکن کی حد تک مشکل ہوتی ہے۔

عدالت نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر ملزم قادر علی کو جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس رپورٹ کی رو سے مقتولہ سلمٰی کی موت نو مئی کی شب آٹھ اور نو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ بدنصیب سلمٰی کو اس کے فلیٹ کے بیڈ روم میں بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔ آلۂ قتل ایک تیز دھار خطرناک خنجر تھا جو دستے تک مقتول کے سینے میں پیوست پایا گیا تھا۔ اس کی موت اسی قاتل خنجر کے طفیل واقع ہوئی تھی جس نے مقتول کے دل کو چیر کر اسے زندگی کے ہر غم سے نجات دلا دی تھی۔

کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ بھی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے ساتھ ہی موجود تھی اور

مذکورہ رپورٹ میں ایک اہم انکشاف کیا گیا تھا اور وہ یہ کہ...... جب مقتول کے سینے میں خنجر گھونپا گیا وہ کسی نشہ آور شے کے زیر اثر تھی۔ مقتول کے معدے کے معائنے سے پتا چلا تھا کہ موت سے قبل اس نے کوئی ایسی شے کھائی تھی جو نیند لانے یا اعصاب کو سکون پہنچانے کے لیے استعمال کی جاتی ہو۔

آئندہ پیشی پندرہ روز بعد تھی لہٰذا مجھے اس کیس کی تیاری کے لیے اچھا خاصا وقت مل گیا تھا۔ میں نے اپنے موکل سے جو سنسنی خیز معلومات حاصل کی تھیں ان کی روشنی میں بھاگ دوڑ کر کے میں نے بہت ساری مفید اور کارآمد باتیں جمع کر لی تھیں۔ ان تمام انکشاف انگیز نکات کو میں عدالتی کارروائی کے دوران میں، مناسب مقامات پر بڑی خوب صورتی سے استعمال کروں گا۔ لہٰذا ابھی اس کا ذکر گول ہی سمجھیں۔

✠ ✠ ✠

عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔

جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحت جرم سے صاف انکار کر دیا۔ استغاثہ کی جانب سے ملزم کا جو بیان عدالت میں پیش کیا گیا تھا، ملزم کے محض ایک انکاری جملے نے اس کی نفی کر دی تھی۔ یہ بات بھی آپ کو معلوم ہوگی کہ پولیس کسٹڈی میں حاصل کیے گئے ملزم کے کسی بھی اقبالی بیان کی، عدالت کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

استغاثہ کی جانب سے چار یا پانچ گواہوں کے ناموں کی فہرست دائر کی گئی تھی لیکن میں یہاں پر صرف ان گواہوں کے بیانات اور بعد ازاں ان پر ہونے والی جرح کا احوال بیان کروں گا جو اس کیس میں کسی نہ کسی حوالے سے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

صحت جرم سے انکار کے بعد ملزم کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا پھر وکیل استغاثہ جرح کے لیے اکیوزڈ باکس (ملزم والے کٹہرے) کے قریب چلا گیا۔ وہ پندرہ منٹ تک گھما پھرا کر مختلف زاویوں سے ملزم سے سوال کرتا رہا جس سے، عدالت کے علم میں یہ لانا مقصود تھا کہ ملزم اپنی سابق بیوی یعنی مقتول سلمٰی سے شدید ترین نفرت کرتا تھا۔ لہٰذا اس نفرت کے عملی اظہار کے طور پر، موقع ملتے ہی اس نے مقتول کا کام تمام کر دیا۔ میں وکیل استغاثہ کی جرح کے اہم گوشے آپ کی خدمت

میں پیش کرتا ہوں۔

وکیل استغاثہ نے ملزم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ مقتول ماضی قریب میں تمہاری بیوی ہوا کرتی تھی؟''

''ہاں، یہ سچ ہے۔'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''اور مجھے اس بات کا بے حد افسوس بھی ہے کہ ایک ایسی عورت میری بیوی تھی جسے میری عزت کا ذرا سا بھی احساس نہیں تھا۔''

وکیل استغاثہ نے سوال کیا۔ ''کیا تم اس بات سے انکار کرتے ہو کہ مقتول تمہارے سلوک کی وجہ سے بے حد دل برداشتہ تھی۔ تمہاری خود غرضی اور بے اعتنائی نے اسے دائیں بائیں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا اور پھر ایک روز اس نے اپنی نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کے لیے ایک مضبوط سہارا ڈھونڈ لیا اور...... تم سے جان چھڑا لی؟''

''ہاں، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں۔'' ملزم نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''یہ سراسر دروغ گوئی ہے جبکہ حقیقت اس کے بالعکس ہے۔''

''اور حقیقت کیا ہے؟'' وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا۔

''حقیقت یہ ہے کہ......'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے انداز میں بتانا شروع کیا۔ ''میں ایک طویل عرصے سے، اس کی جانب سے بے اعتنائی اور بے پروائی کا رویہ برداشت کرتا چلا آ رہا تھا۔ اسے میرے جذبات، میرے احساسات اور میری فطری ضروریات کی قطعاً کوئی پروا نہیں تھی۔ اس کی نظر میں، میں محض کولہو کا بیل تھا، نوٹ بنانے کی ایک مشین۔ وہ ایک طویل عرصے سے، اپنے فرائض سے کوتاہی برتتی چلی آ رہی تھی۔ ایک بیوی کی حیثیت سے اسے اپنے فرائض اور شوہر کے حقوق سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں گھر میں کوئی فساد، کوئی ہنگامہ نہیں چاہتا تھا۔ میں ایک جوان بیٹی کا باپ بھی ہوں لہٰذا مقتول کا ہر جور و ستم میں سہتا رہا تا کہ میری بیٹی کے ذہن اور نفسیات پر کوئی برا اثر نہ پڑے لیکن...... جب مقتول نے زیادتی کی ہر حد توڑ دی تو مجھے وہ حتمی فیصلہ کرنا پڑا جس کے بعد ہماری راہیں جدا ہو گئی تھیں اور جہاں تک دائیں بائیں جھانکنے کا تعلق ہے تو......'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''خدا گواہ ہے کہ جب تک وہ میری بیوی رہی، میں اس کی زندگی کے اس زاویے سے

واقف نہیں تھا۔ میں نے کبھی اس حوالے سے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں نے ہمیشہ اس پر اندھا اعتماد کیا اور اس نے میرے اعتماد کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ یہ بات پچھلے دنوں میرے علم میں آئی تھی کہ وہ جمیل باری سے شادی کرنے جا رہی ہے۔ اس سے پہلے میں جمیل باری کو محض اس کا باس سمجھتا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان کے بیچ کیا کھچڑی پک رہی ہے۔''

''مقتول نے تم سے نجات حاصل کرنے کے بعد جمیل باری سے شادی کا فیصلہ سنا دیا تھا۔'' وکیل استغاثہ نے ملزم کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے کہا۔ ''ان کی منگنی ہو گئی اور کچھ ہی عرصے کے بعد ان کی شادی بھی ہونے والی تھی کہ اچانک نومئی کی رات مقتول اپنے فلیٹ کے بیڈ روم میں مردہ پائی گئی۔ تمہیں اس کی موت سے خوشی تو بہت ہوئی ہوگی؟''

''اس میں خوش ہونے والی کون سی بات ہے؟'' ملزم نے الٹا اسی سے پوچھ لیا۔ ''مجھے صرف افسوس ہوا تھا کہ اس عورت کی ہٹ دھرمی اور بے جا ضد نے بالآخر اسے عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیا۔ کاش! اس نے عقل سے کام لیا ہوتا......''

''عقل سے کام لیا ہوتا......!'' وکیل استغاثہ نے اسی کے الفاظ دہرانے کے بعد پوچھا۔ ''یعنی تمہارا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ عقل سے کام لیتی تو تمہیں چھوڑ کر کہیں اور جانے کے بارے میں نہ سوچتی؟''

''ظاہر ہے، میرا مطلب بالکل یہی ہے۔'' ملزم نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''جو عورتیں اپنے شوہر، اپنی اولاد اور اپنے گھر سے مخلص اور وفادار ہوتی ہیں، ان سے سچی محبت کرتی ہیں تو گھر ان کے لیے جنت کا نمونہ بن جاتا ہے اور جو عورتیں سلمٰی کی طرح اپنے گھر، اپنے شوہر اور اپنی اولاد کی قدر نہیں کرتیں، یہ دنیا ان کے لیے جہنم بن جاتی ہے...... پھر ان کا انجام ایسا ہی حسرت ناک ہوتا ہے جیسا کہ سلمٰی کا ہوا!''

''ہوں......!'' وکیل استغاثہ نے معنی خیز انداز میں ایک گہری سانس خارج کی پھر سوال کیا۔ ''تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر مقتول تمہارے بنائے ہوئے اصولوں پر چلتی رہتی تو اس کا یہ حشر نہ ہوتا...... یہ تم نے ایک طرح سے اسے سزا دی ہے، نمونۂ عبرت بنایا ہے......؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا، سلمٰی کی موت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔'' ملزم نے بڑے مستحکم لہجے میں کہا۔ ''اسے اس کے اعمال و افعال کی سزا ملی ہے۔ یہ قدرت کا کرشمہ ہے۔ وہ اپنے ساتھ پیش

آنے والے حالات کی خود ذمے دار ہے...... میں اس کی موت کے حوالے سے کچھ نہیں جانتا۔''

''تم نے کچھ نہیں کیا، مقتول کی موت میں تمہارا کوئی ہاتھ نہیں، تم اس کی موت کے حوالے سے کچھ نہیں جانتے ہو......؟'' وکیل استغاثہ نے جارحانہ انداز میں کہا۔ ''کیا تم معزز عدالت کو یہ باور کرانا چاہتے ہو کہ علیحدگی کے بعد تمہارا، مقتول سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رہا تھا؟''

''یہی حقیقت ہے!'' ملزم نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اچھا......!'' وکیل استغاثہ نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ''یہی حقیقت ہے......؟''

ملزم ٹھہری ہوئی نظر سے وکیل استغاثہ کو تکنے لگا۔

''تمہیں نو مئی کی رات تو اچھی طرح یاد ہوگی؟'' وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں...... یاد ہے۔'' ملزم نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میری معلومات کے مطابق اسی تاریخ کو رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان مقتول کو قتل کیا گیا تھا۔''

''بہت خوب...... مقتول کی موت کی تاریخ، دن اور وقت کو بھلا تم سے زیادہ اور کون یاد رکھ سکتا ہے۔'' وکیل استغاثہ نے معنی خیز انداز میں کہا پھر ڈرامائی لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔ ''سوری...... میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے۔''

ملزم نے الجھن زدہ نظر سے اسے دیکھا اور کہا۔ ''وکیل صاحب! میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''بھئی، مجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ......'' وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''انسان کو اپنے کارنامے یاد رکھنے کے لیے کوئی اسپیشل کوشش نہیں کرنا پڑتی۔ اس نوعیت کے کام خود بخود یادداشت میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا، ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''تم بھی بھلا اپنے اس کارنامے کو کیسے بھول سکتے ہو کہ تمہاری سابق بیوی کب، کہاں اور کتنے بجے قتل ہوئی تھی...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا؟''

''آپ سراسر غلط کہہ رہے ہیں وکیل صاحب!'' ملزم نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''میں بتا چکا ہوں کہ سلمیٰ کی موت سے میرا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔''

''کیا تم اس حقیقت کو جھٹلا سکتے ہو کہ......'' وکیل استغاثہ نے سنسناتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ''کہ تم نو مئی کی رات مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ پر گئے تھے؟''

''رات نہیں...... شام!'' ملزم نے تصحیح کرنے والے انداز میں کہا۔ ''میں لگ بھگ سات بجے شام وہاں گیا تھا اور وہ بھی صرف پانچ منٹ کے لیے......''

''جب تم دونوں کے بیچ ہر تعلق اور رشتہ ختم ہو گیا تھا تو پھر تم چار پانچ ماہ کے بعد اس کے پاس لینے کیا گئے تھے۔''

''لینے نہیں...... دینے گیا تھا!'' ملزم نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''کیا دینے گئے تھے؟'' وکیل استغاثہ نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

''اس کی کوئی امانت لوٹانے گیا تھا۔''

''کیسی امانت؟''

''سوری...... میں اس امانت کا آپ سے ذکر نہیں کر سکتا۔'' ملزم نے شانے اچکا دیے۔ ''یہ ٹھیک ہے کہ ہم اس وقت تک میاں بیوی نہیں رہے تھے لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ یہ رشتہ ختم ہو جانے کے بعد بھی انہیں صیغہ راز میں رکھے جانے کا تقاضا کرتے ہیں۔ اگین آئی ایم ویری سوری...... میں اس معاملے کو ڈسکلوز نہیں کر سکتا۔''

وکیل استغاثہ نے اِدھر اُدھر کے دو چار سوالات پوچھنے کے بعد جرح ختم کر دی۔

اپنی باری پر میں ملزم والے کٹہرے کے پاس پہنچا اور اپنی جرح کا آغاز کچھ اس طرح کیا۔ ''قادر صاحب! آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے...... میرا مطلب ہے، مقتول سے آپ کی شادی کتنا عرصہ قائم رہی؟''

''کم و بیش سولہ سال۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ کی شدی شدہ زندگی کے آخری دور سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ میاں بیوی میں صرف نام کا رشتہ باقی رہ گیا تھا۔'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گے کہ یہ منفی تبدیلی کب رونما ہوئی تھی؟''

میں ایک خاص ترتیب سے سوالات کر رہا تھا تاکہ عدالت ان میاں بیوی کی ازدواجی نفسیات اور مسائل کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو جائے اور اسے فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔ ملزم نے میرے استفسار کے جواب میں بتایا۔

''شروع میں تو سب ٹھیک ہی چل رہا تھا۔ مجھے سلمیٰ سے چھوٹی موٹی شکایات تو رہتی تھیں

لیکن کوئی بڑا طوفان نہیں اٹھا تھا......کوئی ایسا طوفان جو بالآخر ہم دونوں کو الگ ہونے پر مجبور کر دے......''

''پھر......پھر ایسا کیا ہوگیا تھا؟'' میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی سوال کر ڈالا۔

''یہ لگ بھگ دو سال پہلے کی بات ہے۔'' ملزم نے کھوئے کھوئے انداز میں بتانا شروع کیا۔ ''سلمیٰ میں اچانک تبدیلی رونما ہوئی اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ مجھ سے دور ہونے لگی ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارنے لگی تھی۔''

''گھر سے باہر......کیا مطلب؟'' سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''سلمیٰ نے میک اپ آرٹسٹ کی حیثیت سے ایک آرٹ اکیڈمی جوائن کر لی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''پرفارمینس'' نامی یہ آرٹ اکیڈمی اداکاری، گلوکاری اور ماڈلنگ کے شوقین لڑکے لڑکیوں کی مناسب تربیت اور رہنمائی کرتی تھی۔ انہیں ایک بیوٹیشن کی ضرورت تھی۔ سلمیٰ نے چونکہ اس فن کو باقاعدہ سیکھ رکھا تھا لہٰذا اس نے میک اپ آرٹسٹ کی حیثیت سے ''پرفارمینس'' میں ملازمت اختیار کر لی۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''میں سلمیٰ کی اس جاب کے حق میں نہیں تھا لیکن اس کی ضد کے سامنے مجبور ہوگیا۔ کاش! میں نے اس وقت سلمیٰ کی ضد نہ مانی ہوتی......لیکن کیا کہیں، برے وقت کا پہلے سے کوئی اندازہ تھوڑی ہوتا ہے۔''

''واضح طور پر کہیے......آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' میں نے ڈرامائی انداز کو بہ دستور جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ مقتول کی جاب کے خلاف کیوں تھے......آپ کو اس کی ضد مان لینے کا پچھتاوا کیوں ہے؟''

''اس قسم کی آرٹ اکیڈمیوں کے بارے میں، میں نے بہت ساری الٹی سیدھی کہانیاں سن رکھی ہیں۔'' وہ بری سی شکل بناتے ہوئے بولا۔ ''آرٹ کی ٹریننگ کے نام پر وہاں بے حیائی کا کون سا کام نہیں ہوتا۔ بہرحال، پچھتاوا مجھے اس بات کا ہے کہ اگر اس وقت میں سلمیٰ کی ضد کے خلاف کھڑا ہو جاتا اور اسے ''پرفارمینس'' جوائن نہ کرنے دیتا تو ہماری زندگی کی کہانی میں وہ بدترین

موڑ نہ آتا جس نے ہم دونوں کی راہیں جدا کر دی تھیں۔''

''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر مقتول ''پرفارمینس'' نامی اکیڈمی جوائن نہ کرتی تو آپ لوگ آج بھی ایک چھت کے نیچے ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے ہوتے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......میرا یہی خیال ہے۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''پرفارمینس......!'' میں نے زیرلب بڑبڑانے کی اداکاری کی۔ ''یہ نام سنا ہوا لگتا ہے، کہیں یہ وہی اکیڈمی تو نہیں جس کا مالک جمیل باری ہے؟''

''جی ہاں......بالکل، آپ ٹھیک جگہ پہنچے ہیں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک جگہ'' پر تو میں بہت پہلے ہی پہنچ گیا تھا لیکن غیرمحسوس انداز میں معزز عدالت کو بھی اس مقام پر پہنچانا ضروری تھا اس لیے میں نے ملزم سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہ ایک طرح سے جرح بھی تھی اور تفتیش بھی تھی گویا عدالت کو اپ ڈیٹ کرنے کا ایک منفرد انداز تھا......!

''تو اس کا مطلب ہے، مقتول نے آپ سے علیحدگی حاصل کرنے کے بعد اکیڈمی کے ہیڈ سے منگنی کر لی تھی......'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس سے پہلے کہ وہ دونوں باقاعدہ میاں بیوی کی حیثیت اختیار کرتے، مقتول کو اس کے فلیٹ میں قتل کر دیا گیا؟''

''جی ہاں، حالات و واقعات یہی کہانی سناتے ہیں۔'' وہ بیزاری سے بولا۔

''قادر صاحب!'' میں نے بے حد سنجیدہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ''میں آپ سے پیشگی معذرت چاہتا ہوں کہ اب میں جس نوعیت کے سوالات کرنے جا رہا ہوں ان سے آپ کو کوفت یا اذیت پہنچ سکتی ہے لیکن اسے میری مجبوری سمجھ لیں۔ دراصل......'' میں نے ذرا سا رک کر ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''دراصل عدالت ہر بات، ہر معاملے کو صاف و شفاف دیکھنا چاہتی ہے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے کسی قسم کی کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ میرے بعض حساس اور چبھتے ہوئے سوالات آپ کو ناگوار محسوس ہو سکتے ہیں۔''

"آپ اس کیس میں میرے وکیل ہیں اور میری بے گناہی ثابت کرنے کے لیے تگ و دو میں مصروف ہیں لہٰذا آپ کا کوئی بھی سوال مجھے برا نہیں لگے گا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں قتل کے الزام میں، اس وقت کٹہرے میں کھڑا ہوں۔ اس سے زیادہ اذیت ناک اور ناگواریت والی بات اور کیا ہو سکتی ہے..... آپ کو جو بھی پوچھنا ہے، بے دھڑک پوچھیں۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا آپ کو معلوم تھا کہ مقتول اور جمیل باری کے بیچ کسی قسم کا کوئی چکر چل رہا ہے؟"

"نہیں، مجھے اس بات کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔" وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ سب کچھ بہت بعد میں کھلا، خاص طور پر مقتول نے مجھ سے طلاق لینے کے لیے جو سنسنی خیز ڈراما رچایا تھا، وہ اس کے مکروہ منصوبے کی آخری کڑی تھی..... ایک سوچے سمجھے بھیانک منصوبے کی آخری کڑی.....!" بات کے اختتام پر اس نے ایک جھرجھری لی۔

میں نے کہا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ "پرفارمینس" میں ملازمت کے دوران میں مقتول رات کو دیر سے گھر آتی تھی؟"

"جی ہاں..... یہ درست ہے۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"اور کبھی کبھی یہ دیر آدھی رات تک بھی پہنچ جایا کرتی تھی؟"

"جی ہاں، ایسا بھی ہوتا تھا۔"

"آپ کو یہ عجیب نہیں لگتا تھا؟"

"صرف عجیب نہیں بلکہ زہر لگتا تھا۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ "یوں محسوس ہوتا تھا، وہ میری نہیں، آرٹ اکیڈمی کی بیوی ہے۔"

"آپ نے مقتول کو اس سلسلے میں سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"بہت کوشش کی تھی۔"

"پھر..... کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہوا تھا؟"

"نہیں!" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

"مقتول نے اپنی صفائی میں کچھ تو کہا ہوگا؟"

"اس نے کہا تھا کہ وہ آرٹ اکیڈمی کو نہیں چھوڑ سکتی۔" قادر علی نے جواب دیا۔

"آرٹ اس کی زندگی ہے، کھانا پینا اور اوڑھنا بچھونا ہے۔ وہ آدھی رات کو گھر آئے یا رات گھر سے باہر گزار دے، مجھے اس کے معاملات میں نہیں بولنا چاہیے۔"

"گویا مقتول نے آپ کو اپنا شوہر ماننے سے انکار کر دیا تھا؟"

"ڈھکے چھپے الفاظ میں اس کا مقصد یہی تھا۔"

"اور آپ نے اس کی ضد کے سامنے ہتھیار پھینک دیے تھے؟"

"میں ڈر گیا تھا۔" وہ کن انکھیوں سے جج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ڈر گئے تھے..... کس بات سے؟" میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

"میری زیادہ روک ٹوک پر سلمیٰ نے مجھے خطرناک دھمکی دی تھی۔"

"کیسی دھمکی.....؟"

"اس نے بڑے حتمی انداز میں کہا تھا کہ اگر میں نے اس کے معاملات میں مداخلت کی کوشش کی تو وہ گھر چھوڑ کر اکیڈمی ہی میں ڈیرا ڈال دے گی۔" ملزم نے ناگواری سے بتایا۔ "اور وہ اپنے ساتھ عارفہ کو بھی لے جائے گی۔ میں بیوی اور بیٹی سے بہ یک وقت محروم ہو جاؤں گا۔"

"لیکن..... کیا ایسی صورت میں عارفہ اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو جاتی؟" میں نے حیرت بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں، اس وقت حالات ایسے ہی تھے۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "عارفہ کی حمایت اور ہمدردی ماں کے ساتھ تھی۔ وہ بھی میری طرح سلمیٰ کی اصلیت سے واقف نہیں تھی۔ وہ اس صورت حال میں مجھے ظالم اور سفاک تو نہیں سمجھتی تھی تاہم اگر اسے ماں یا باپ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا تو اس کا ووٹ سلمیٰ کی طرف جاتا۔ آپ جانتے ہیں کہ والدین کی اس قسم کی چپقلشوں میں اولاد عموماً ماں کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہے۔"

"ہاں..... یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے۔" میں نے تائیدی انداز میں کہا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ "تو آپ اپنی بیوی کی دھمکی سے ڈر گئے تھے.....؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے پوچھا۔ "آپ کی پسپائی سے تو اندازہ ہوتا ہے، آپ نے اس سلسلے میں سلمیٰ کو

اس کے حال پر چھوڑ کر مکمل خاموشی اختیار کر لی ہوگی؟''

''صورت حال کچھ اسی قسم کی تھی تاہم اسے مکمل خاموشی نہیں کہا جا سکتا۔'' اس نے متاملانہ انداز میں بتایا۔ ''ایک گھر میں رہتے ہوئے کبھی نہ کبھی سامنا تو ہو ہی جاتا ہے اور جب سامنا ہو تو بات چیت کی بھی راہ نکل آتی ہے۔''

''میری معلومات اور تحقیق کے مطابق، اس بدمزگی کے بعد آپ دونوں کے بیڈروم بھی الگ ہوگئے تھے۔'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ایم آئی رائٹ؟''

''یس......رائٹ یو آر!'' وہ جلدی سے بولا۔ ''جب دلوں میں میل آجائے اور میاں بیوی کے سونے جاگنے کے اوقات ایک دوسرے کی ضد بن جائیں۔ ایک کے سونے کا وقت دوسرے کی بیداری کا وقت ہو اور......اور ایک دوسرے سے گفتگو کے لیے کوئی موضوع باقی نہ رہے تو پھر بیڈرومز کا الگ ہو جانا ہی مناسب ہوتا ہے۔''

''تو گویا......آپ دونوں ایک ہی چھت کے نیچے اپنی اپنی زندگی جی رہے تھے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اپنے آپ میں مگن، ایک دوسرے سے کوئی سروکار رکھے بغیر۔''

''جی ہاں!'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''پھر تو آپ دونوں کے بیچ میاں بیوی والے تعلقات بھی نہیں رہے ہوں گے؟''

''میاں بیوی والے تعلقات!'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ ''آپ کا مطلب ہے، قربت تنہائی......ازدواجیات وغیرہ......؟''

''جی، میرے سوال کا یہی مطلب ہے!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''وکیل صاحب!'' وہ ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ درست ہے کہ میاں بیوی چاہے ایک دوسرے سے کتنی بھی نفرت کیوں نہ کرتے ہوں، فطری ضرورت انہیں تنہائی میں قریب لے ہی آتی ہے لیکن اس کے لیے دونوں کی آمادگی بنیادی شرط ہے، چاہے یہ ''آمادگی'' بہ خوشی ہو یا بادل ناخواستہ لیکن ہمارے ساتھ تو معاملہ ہی دوسرا تھا۔''

''آئی ایگریڈ......!'' میں نے پُرزور انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''آپ کے ساتھ معاملہ دوسرا کیوں تھا؟''

جب میں نے تھانے میں جا کر پہلی مرتبہ قادر علی سے ملاقات کی تھی اور اس نے مجھے اپنی

دکھ بھری ناآسودگی کی کہانی سنائی تھی تو اسی وقت میں نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ عدالتی کارروائی کے دوران میں، میں اس کی ازدواجی زندگی کے بعض نازک اور حساس گوشوں کو بھی زیر بحث لاؤں گا۔ اس نے اس سلسلے میں مجھے مکمل اختیار دے دیا تھا۔ لہٰذا اب میں اپنے کہے پر عمل کر رہا تھا اور......یہ تمام تر اسی کی بہتری کے لیے تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔

''جناب! معاملہ دوسرا اس صورت میں تھا کہ سلمیٰ نے طے کر لیا تھا، وہ میری قربت میں قدم نہیں رکھے گی، مجھ سے کوئی ازدواجی تعلق قائم نہیں کرے گی۔''

''اور آپ......؟'' میں نے ٹٹولنے والی نظر سے اسے دیکھا۔ ''کیا آپ نے بھی ایسا ہی کچھ طے کر لیا تھا؟''

''نن......نہیں؟'' وہ اٹل انداز میں بولا۔

''اس کا مطلب ہے، آپ اس کی قربت میں قدم رکھنے کی خواہش کرتے تھے۔'' میں نے ٹٹولنے کا عمل جاری رکھا۔ ''اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے؟''

''دل میں ایسی خواہش رکھنا عین فطری بات ہے اور اس نوعیت کی کوشش کرنا میرا حق بنتا تھا'' وہ جذبات سے مغلوب آواز میں بولا۔ ''لیکن انسان کی خودداری اور عزت نفس بھی کوئی شے ہے، اگر یہ مجروح ہونے لگے تو پھر بڑی سے بڑی خواہش کو بھی کچلا جا سکتا ہے۔''

''جی......کیا مطلب؟'' میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''مقتول نے آپ کی عزت نفس کو کس طرح مجروح کیا تھا؟''

''اس نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میں اس کے قریب آنے کی کوشش نہ کروں۔'' ملزم نے دکھی لہجے میں بتایا۔ ''وہ مجھ سے اور میرے وجود سے نفرت کرتی ہے۔''

''ایسے میں آپ کی مردانگی کو جوش نہیں آیا؟''

''آیا تھا......!''

''پھر آپ نے کیا کیا؟''

''جوش میں ہوش کا دامن نہیں چھوڑا۔''

''ذرا وضاحت کریں گے؟'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔

''میں اپنی بیٹی عارفہ کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''سلمیٰ تو اٹھتے بیٹھتے

طلاق کا مطالبہ کرتی رہتی تھی۔ اگر عارفہ کی محبت کی زنجیر میرے دل سے نہ بندھی ہوتی تو میں اس عورت کو کب کا فارغ کر چکا ہوتا۔ وہ باپ میری تکلیف اور مجبوری کو بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں جو اپنی اولاد کی خاطر بدزبان، بدکلام اور بدکردار بیوی کو برداشت کررہے ہیں۔'' اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے بھی سلمٰی کے وجود کے بغیر زندگی گزارنے کی عادت ڈال لی تھی۔''

''آپ نے مقتول سے ازدواجی تعلقات قائم کیے بغیر کتنا عرصہ گزارا تھا؟''

''کم از کم ڈیڑھ سال!'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بتایا۔

''ڈیڑھ سال......!'' میں نے حیرت سے دہرایا۔ ''یعنی اٹھارہ ماہ...... مطلب یہ کہ تقریباً 89 ہفتے...... او مائی گاڈ پانچ سو چالیس راتیں...... اٹ از ٹو مچ......!''

''اٹ از ٹو مچ بٹ اٹ از فیکٹ......!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اور اس دوران میں گاہے بہ گاہے اس کی طرف سے ''طلاق'' کا مطالبہ بھی سننے میں آجاتا تھا۔''

''اور آپ پر بھی جیسے ضد سی سوار ہوگئی تھی کہ جان دے دیں گے مگر مقتول کو طلاق نہیں دیں گے!'' میں نے ٹھہرے ہوئے کہا۔ ''ہیں نا......؟''

''ہاں...... مگر میں اپنی ضد میں ہار گیا۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میری بے خبری میں اس ظالم عورت نے ایسی گہری چال چلی کہ میں منہ کے بل آگرا اور حالات ایسے پیدا ہوگئے کہ مجھے اس چال باز عورت کا مطالبہ پورا کرنا پڑا۔ کاش میں اپنے گھر میں ریشم کی آمد کا اصل مقصد سمجھ جاتا......!''

''ہاں بھئی، یہ ریشم کتنا فتنہ پرور کردار تھا۔'' میں نے گرہ لگائی۔ ''ذرا اس کے بارے میں بھی بتائیں؟''

''ریشم کا شمار ان لڑکیوں میں ہوتا ہے جو اداکارہ بننے کے شوق میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہیں۔'' اس نے گمبھیر انداز میں بتانا شروع کیا۔ ''وہ کچھ عرصہ پہلے ''پرفارمینس'' اکیڈمی میں سٹار بننے آئی تھی۔ یہ طلاق والے واقعے سے ایک دو ماہ پہلے کی بات ہے۔ سلمٰی نے پتا نہیں اسے کیا پٹی پڑھائی کہ وہ اکیڈمی چھوڑ کر ہمارے گھر پر آگئی۔ سلمٰی نے عارفہ کو یہی بتایا تھا کہ ریشم کل وقتی گھریلو ملازمہ ہے۔ یہ حقیقت تو بہت بعد میں کھلی تھی کہ وہ سلمٰی کے ایما پر

ایک خاص مقصد کی خاطر ہمارے ہاں آئی تھی۔ ہم نے ''گھریلو ملازمہ'' والی سلمٰی کی بات کو سچ مان لیا تھا۔''

وہ لمحے بھر کے لیے سانس ہموار کرنے کو تھما تو میں نے حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی، وہاں موجود ہر شخص بڑی خاموشی اور دلچسپی سے میری جرح سماعت کررہا تھا۔ یہ بیان ایسا رنگین اور سنگین تھا کہ اور تو اور، وکیل استغاثہ بھی ''آبجیکشن یور آنر'' کا نعرہ لگانا بھول گیا تھا، البتہ جج تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دیوار گیر کلاک کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھ لیتا تھا۔ عدالت کے مقررہ وقت کا مجھے بھی بڑی شدت سے احساس تھا لیکن میں ملزم پر تفصیلی جرح کر کے اس کے لیے ایک مضبوط بنیاد بنا رہا تھا جس پر کھڑے ہو کر میں زیادہ آسانی اور سہولت کے ساتھ اس کا مقدمہ لڑ سکتا تھا۔

ملزم نے سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بتایا۔ ''ریشم نے ہمارے گھر میں بہ مشکل ڈیڑھ ماہ گزارا ہوگا۔ اس کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ رنگ روپ اور شکل بھی اس کی اچھی تھی۔ اس کے خال و خط میں ایک خاص قسم کی کشش اور تیکھا پن پایا جاتا تھا جو جنس مخالف کو بڑی تیزی سے اپنی طرف کھینچتا تھا۔ اس پر مستزاد سلمٰی کی نظر کرم......!''

''سلمٰی یعنی مقتول کی نظر کرم...... میں کچھ سمجھا نہیں؟'' میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔

''سلمٰی ایک ایکسپرٹ بیوٹیشن تھی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس نے ریشم کے بدن کی ویکسنگ کر کے اس کی جلد کو ریشم سے بھی زیادہ نرم و ملائم بنا دیا تھا، پھر میک اپ کا کمال اس کے علاوہ تھا۔ اس سب پر ریشم جو لباس پہننے لگی تھی وہ حشر برپا کرنے کے لیے کافی تھا۔ الغرض، اگر ریشم کو ایک جملے میں بیان کرنا ہو تو کہا جاسکتا ہے...... سلمٰی نے اسے چند روز میں چینی کی گڑیا بنا دیا تھا۔''

''اور چینی کی وہ گڑیا آپ کے حواس پر بجلیاں گرانے کے لیے تیار کی گئی تھی؟''

''ایگزیکٹلی!'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''ریشم، سلمٰی کے رٹائے ہوئے اسکرپٹ کے مطابق قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی...... میری جانب......!''

''تو پھر ایک روز وہ ریشم آپ کے حواس پر بجلیاں گرا کر انہیں معطل کرنے میں آخر

کامیاب ہو ہی گئی......!'' میں نے چٹکی لینے والے انداز میں پوچھا۔

''جی ہاں، یہ عین فطری تھا'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔''اس روز سلمٰی نے جان بوجھ کر عارفہ کو اس کی خالہ کے گھر بھیج دیا تھا۔ اس رات میں اور ریشم گھر میں اکیلے تھے۔ ہمارے علاوہ وہاں کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔ سلمٰی حسب معمول اکیڈمی گئی ہوئی تھی لیکن اس کا دماغ ریشم کے اندر موجود تھا۔ ریشم اسی کی ہدایت کے مطابق ایکٹ کر رہی تھی۔ اس روز تو ریشم نے قیامت خیز ''تیاری'' کر رکھی تھی۔''لباس کے نام پر اس نے جو کچھ پہن رکھا تھا اسے شمار کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ میں بھری عدالت میں کھلے دل سے تسلیم کرتا ہوں کہ پچھلے چند روز میں ریشم نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کر لی تھی۔ وہ......وہ مجھے اچھی لگنے لگی تھی، اس کی ادائیں اور دیکھنے کا معنی خیز انداز میرے دل کو بھاتا تھا۔ میں اس کی خواہش کرنے لگا تھا۔''

''خواہش تو بہت چھوٹا سا لفظ ہے قادر صاحب!'' میں نے معاملے کو گرم کرتے ہوئے کہا۔''اٹھارہ ماہ......یعنی پانچ سو چالیس راتوں سے بھوکے ایک انسان کے سامنے اچانک ''بھاپ اڑاتی بریانی کی دیگ کھول دی جائے تو وہ اپنی آسودہ طلب پوری کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے......کچھ بھی!''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں'' اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔''ایسے مواقع پر صرف ولی اللہ ہی ثابت قدمی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔''

''اور آپ کوئی ولی اللہ نہیں ہیں؟''

''جی ہاں، میں کوئی بہت ہی متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہوں'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔''لیکن اللہ نے اس موقع پر مجھ پر اپنا خصوصی کرم کیا تھا......''

''کیا مطلب......؟'' میں نے چونکتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''میرے اللہ نے مجھے گناہ کی دلدل میں دھنسنے سے بچا لیا تھا'' وہ تشکر آمیز لہجے میں بولا۔''پتا نہیں، اس موقع پر میری کون سی نیکی کام آ گئی تھی۔''

''ذرا وضاحت کریں۔'' میں نے اکسایا۔''بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی......!''

وہ ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد بتانے لگا۔''سلمٰی نے مجھے ذلیل و رسوا کرنے کا مکمل بندوبست کر لیا تھا۔ وہ ہم دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتی تھی۔ اس نے ہمیں رنگے

ہاتھوں پکڑا بھی لیکن ایک حد کے اندر......'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''وہ اپنے ساتھ نصف درجن افراد کو لے کر آئی تھی......!''

''کیا مطلب؟'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔''اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔''

''مطلب یہ کہ اس نے نصف درجن افراد کو موقع پر جمع کر لیا تھا'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''وہ چپکے سے آئی تو اکیلی ہی تھی۔ مجھے اس وقت احساس ہوا جب وہ ہمارے سر پر پہنچ گئی اور اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ ہم دونوں بوکھلا گئے تھے لیکن بعد میں پتا چلا کہ ریشم کی بوکھلاہٹ بھی اداکاری کا حصہ تھی۔ وہ اچھل کر فوراً سلمٰی کے کیمپ میں پہنچ گئی تھی اور رو رو کر اسے بتانے لگی تھی کہ صاحب جی یعنی میں......اس کے ساتھ ''زبردستی'' کر رہا تھا۔ سلمٰی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً اِدھر اُدھر فون کھڑکانا شروع کر دیے۔ تھوڑی ہی دیر میں نصف درجن افراد ہمارے گھر میں جمع ہو گئے جن میں سلمٰی کی بہنیں، عارفہ، اکیڈمی میں کام کرنے والا نوید نامی ایک شخص اور ریشم کا بوڑھا شرابی باپ شامل تھا۔ سلمٰی نے چیخ چیخ کر ان لوگوں کے سامنے مطالبہ کیا کہ وہ مجھ جیسے بدکردار آدمی کے ساتھ ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی۔ اسے طلاق چاہیے......فوراً ہی طلاق!'' وہ ایک مرتبہ پھر متوقف ہوا، ایک بوجھل سانس خارج کی اور اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''میں سلمٰی کے گیم کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا لہٰذا اس موقعے پر میں نے اس کا مطالبہ پورا کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کی۔ عارفہ بھی ماں کے کردار اور مقاصد کو سمجھ چکی تھی اسی لیے اس نے میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔''

''تو یہ ہے وہ افسوس ناک کہانی جس نے آپ کی زندگی میں زہر بھر دیا تھا'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔''سلمٰی کو آپ نے فارغ کر دیا، عارفہ آپ کے ساتھ رہنے لگی اور ریشم کا کیا ہوا......؟''

''اسے تو میں نے کھڑے کھڑے اسی وقت گھر سے نکال دیا تھا'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔''ایسی مکار، فتنہ پرور، سلمٰی کی آلہ کار کو میں اپنے نزدیک کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔ وہ اس وقت بھی کہیں نہ کہیں اپنی اداکاری کے ''جوہر'' دکھا کر کسی نہ کسی گھر میں آگ لگانے کی کوشش کر رہی ہو گی۔''

''آپ نے جنوری میں مقتول کو طلاق دے کر اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔''

میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''مئی میں اس کا قتل ہو جاتا ہے۔ اس سے ایک، ڈیڑھ ماہ پہلے وہ اکیڈمی کے اونر مسٹر جمیل باری سے منگنی کرتی ہے۔ کیا ان واقعات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مقتول نے محض جمیل باری کی بیوی بننے کی خاطر آپ سے طلاق لے لی تھی؟''

''جی ہاں، یہی حقیقت ہے۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''بعد میں سارے معاملات مجھ پر کھل گئے تھے۔ ریشم والا شرمناک ڈراما جمیل باری اور سلمٰی کی ملی بھگت کا نتیجہ تھا جس کا اسکرین پلے جمیل باری کا تحریر کردہ تھا اور ڈائریکشن سلمٰی نے دی تھی۔ اس ایکٹ میں ریشم نے بڑی بے حیائی سے رنگ بھرا تھا۔''

''قادر صاحب! یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ مقتول نے اکیڈمی کے مالک سے شادی کرنے کے لیے یہ رنگین اور سنگین ڈراما رچایا تھا لیکن ان کی منگنی کے فوراً بعد مقتول کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اس سے ایک سنسنی خیز اسٹوری جنم نہیں لیتی؟''

''کیسی اسٹوری؟'' اس نے متذبذب نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''یہی کہ کوئی شخص ان کی شادی سے خوش نہیں تھا۔''

''بالکل، یہی تاثر ابھرتا ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اور استغاثہ کا یہ خیال ہے کہ وہ ''ناخوش'' شخص میں ہوں۔''

''استغاثہ کی سوچ پر پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔'' میں نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔ ''لیکن میں اپنے انداز میں سوچ رہا ہوں، مقتول سلمٰی کی بھیانک موت کا ذمے دار کوئی ایسا مرد ہو سکتا ہے جو اس سے شادی کا خواہاں ہو یا مقتول نے جس سے شادی کا وعدہ کر رکھا ہو...... دوسری جانب یہ ذمے داری کسی ایسی عورت پر بھی عائد کی جا سکتی ہے جو جمیل باری سے شادی کی خواہش رکھتی ہو یا جمیل باری نے اس عورت سے شادی کا عہد کر رکھا ہو۔ قاتل کوئی ایسا مرد یا عورت ہی ہے جو جمیل باری اور سلمٰی کی شادی کے خلاف تھا یا تھی......!''

''جی بہ ظاہر تو یہی نظر آتا ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''لیکن میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا جناب......!''

''آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اب جو بھی کرنا ہے، معزز عدالت ہی کو کرنا ہے۔ ہمارا کام صرف حقائق کو عدالت کے علم میں لانے تک محدود ہے۔''

وہ جواب میں کچھ نہیں بولا۔ خاموش نظر سے مجھے دیکھتا رہا۔ جج کی نگاہ ایک مرتبہ پھر دیوار گیر کلاک کی جانب اٹھ گئی۔ عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں نے جرح میں تیزی لاتے ہوئے ملزم سے سوال کیا۔

''قادر صاحب! آپ نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بتایا تھا کہ وقوعہ کے روز آپ شام سات بجے مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ پر گئے تھے؟''

''جی ہاں، میں نے یہی بتایا ہے۔'' ملزم نے جواب دیا۔

''آپ سے الگ ہونے کے بعد مقتول نے اس فلیٹ میں اکیلے رہنا شروع کر دیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''کیا آپ کو یہ بات معلوم تھی؟''

''پہلے تو معلوم نہیں تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''لیکن اس کی منگنی کے فوراً بعد مجھے پتا چل گیا تھا کہ وہ پچھلے تین چار ماہ سے کہاں رہ رہی ہے۔ ویسے شروع میں میرا اندازہ یہی تھا کہ اس نے مستقلاً اکیڈمی ہی میں ڈیرا ڈال دیا ہوگا۔ فلیٹ والی کہانی بعد میں کھلی تھی لیکن فلیٹ ہو یا اکیڈمی، بات تو ایک ہی تھی۔'' وہ لمحاتی توقف کے بعد بدمزہ انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''میری ٹھوس معلومات کے مطابق، مقتول ان دنوں طارق روڈ والے جس فلیٹ میں رہ رہی تھی وہ جمیل باری ہی کی ملکیت ہے اور پچھلے اس تمام عرصے میں جمیل باری باقاعدہ مذکورہ فلیٹ پر مقتول سے ملنے آتا رہا تھا۔''

''یعنی عدت کی مدت کے دوران میں بھی ان کی میل ملاقات جاری تھی؟''

''وکیل صاحب! آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں جناب!'' وہ گہرا طنز کرتے ہوئے بولا۔ ''سلمٰی اور جمیل باری جیسے لوگوں کا مذہب سے اور اس کے قواعد و ضوابط سے بس اتنا سا تعلق ہی ہوتا ہے جتنا انسان کا کسی بھی فیشن سے۔ یہ لوگ اپنی مرضی اور ضرورت کے تحت مذہب کو استعمال کرتے رہتے ہیں ورنہ...... خیر چھوڑیں، میرا منہ نہ کھلوائیں۔''

''چھوڑ دیا!'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''آپ نے وکیل استغاثہ کی

جرح کے جواب میں یہ بھی بتایا تھا کہ وقوعہ کے روز آپ کسی خاص مقصد کے تحت مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ پر گئے تھے۔ غالباً آپ اسے کچھ دینے گئے تھے، اس کی کوئی امانت لوٹانے گئے تھے مگر اس امانت کی تفصیل سامنے نہیں آ سکی؟''

''میرا خیال ہے، اب مجھے یہ بات کھول ہی دینا چاہیے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''آپ کے سوال کا مقصد بھی یہی ہے نا؟''

''آپ میرے مقصد تک پہنچ گئے ہیں۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

وہ بولا۔ ''وقوعہ سے چندروز پہلے میں اپنے کمرے کی صفائی کر رہا تھا تو میز کی ایک دراز میں سے مجھے ایک براؤن لفافہ ملا۔ میں نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اس میں سے کچھ ایسے کاغذات برآمد ہوئے جو مقتول کی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ پتا نہیں، وہ کاغذات میری میز کی دراز میں کیسے آ گئے تھے۔ سلمٰی کے جانے کے بعد دونوں بیڈ رومز کا بہت سا سامان ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ اسی الٹ پلٹ میں شاید وہ براؤن لفافہ میری دراز میں پہنچ گیا تھا۔ بہر حال، اگر معاملہ ان کاغذات تک ہی محدود ہوتا تو شاید میں انہیں کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیتا لیکن انہی کے ساتھ مجھے بیس ہزار مالیت کا ایک کراس چیک رکھا بھی دکھائی دیا تو میں چونک اٹھا۔ یہ چیک میں نے ہی اس کی ضرورت کے تحت طلاق والے واقعے سے چندروز پہلے اسے دیا تھا۔ میں نے عارفہ سے مذکورہ براؤن لفافے اور کراس چیک کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہی مشورہ بھی مانگا۔ عارفہ نے کہا کہ مجھے وہ براؤن لفافہ چیک سمیت مقتول تک پہنچا دینا چاہیے۔ اخلاقیات اسی بات کا تقاضا کرتی ہے۔'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے تھما پھر اپنا بیان مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''چنانچہ، میں نومئی کی شام عارفہ اور اس کی ایک کلاس فیلو دوست کے ہمراہ مذکورہ لفافہ لے کر مقتول کے فلیٹ پر گیا اور لفافہ اسے دے کر فوراً واپس آ گیا تھا۔ اس کارروائی میں بہ مشکل پانچ منٹ لگے ہوں گے۔''

میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔ ''کیا عارفہ اور اس کی دوست بھی مقتول کے فلیٹ تک آپ کے ساتھ گئی تھیں؟''

''نہیں!'' اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بتایا۔ ''مقتول کی رہائش تھرڈ فلور پر تھی لہٰذا میں نے عارفہ اور اس کی دوست ماریا کو تھرڈ فلور تک زینے چڑھنے کی زحمت نہیں دی اور انہیں نیچے

گاڑی میں چھوڑ کر خود ہی اوپر چلا گیا تھا۔ مجھے بس جانا آنا ہی تو کرنا تھا اور بتاؤں، میں نے ایسا دو اہم وجوہات کی بنا پر کیا تھا۔''

''کون سی دو وجوہات؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

اس نے بتایا۔ ''اول تو میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ ماں بیٹی کا سامنا ہو۔ ان میں کوئی جذباتی سچویشن نمودار ہو سکتی تھی۔ میں عارفہ کو سلمٰی کے سائے سے بھی دور رکھنا چاہتا تھا، پھر عارفہ کی دوست ماریا یہ نہیں جانتی تھی کہ اس وقت ہم کس کے پاس آئے ہیں۔ یہ بات صرف میرے اور عارفہ کے بیچ تھی کہ ایگزی بیشن کی طرف جاتے ہوئے ہم براؤن لفافہ مقتول کے حوالے کر دیں گے اور......!''

''ایگزی بیشن......؟'' میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''میں اسی طرف آ رہا تھا۔'' وہ بڑی رسان سے بولا۔ ''دراصل اس روز مقامی ہوٹل میں فائن آرٹس کی ایک ایگزی بیشن ہو رہی تھی جس کی ٹائمنگ سات سے دس بجے تک تھیں اور مجھے عارفہ اور ماریا کو اس نمائش میں لے کر جانا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی تھی جب ہی کہہ رہا ہوں نا، میں نے مقتول کے فلیٹ پر بہ مشکل پانچ منٹ صرف کیے ہوں گے۔ میں اوپر گیا، براؤن لفافہ اس کے ہاتھ پر رکھا اور تیزی سے زینے اتر کر نیچے آ گیا پھر میں آناً فاناً عارفہ اور ماریا کے ساتھ مذکورہ مقامی ہوٹل کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔''

''ایگزی بیشن کا ٹائم سات بجے سے رات دس بجے تک تھا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''یہی بتایا ہے نا آپ نے......؟''

''جی ہاں...... بالکل یہی بتایا ہے۔'' وہ پورے تیقن سے بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا اس روز آپ اپنی بیٹی اور اس کی دوست کو مقامی ہوٹل میں پہنچا کر واپس آ گئے تھے؟''

''واپسی کا کیا سوال ہے جناب!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں انہی کی ضد پر تو ساتھ گیا تھا۔ ہم نے تمام وقت ایگزی بیشن دیکھی اور پھر پہلے ہم نے ماریا کو اس کے گھر ڈراپ کیا۔ اس کے بعد میں اور عارفہ اپنے گھر آ گئے۔''

''آپ مذکورہ مقامی ہوٹل کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''یہی کوئی سوا سات بجے یا زیادہ سے زیادہ سات بیس......!''

"یعنی وقوعہ کے روز آپ شام ساڑھے سات بجے سے رات دس بجے تک مذکورہ مقامی ہوٹل میں تصویری نمائش دیکھنے میں مصروف رہے تھے؟"

"جی...... یہی حقیقت ہے۔" وہ اٹل انداز میں بولا۔

"قادر صاحب! اس تصویری نمائش کو دیکھنے کے دوران میں آپ کی کسی ایسے شخص سے بھی ملاقات ہوئی جو اس بات کی گواہی دے سکے کہ ساڑھے سات اور دس بجے کے درمیان آپ ہوٹل میں موجود رہے تھے؟"

"ملاقات تو تین چار جاننے والوں سے ہوئی تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن میں نے زیادہ وقت شاہد حسین کے ساتھ گزارا تھا۔ شاہد ایک نوجوان ابھرتا ہوا آرٹسٹ ہے۔ وہ اس امر کی گواہی دے سکتا ہے۔"

"مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!" میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور جرح ختم کردی۔

جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کردی۔

✠ ✠ ✠

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق، مقتول سلمٰی کی موت نو مئی کی رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ یہ رپورٹ ایک طرح سے میرے موکل کی بے گناہی کو ثابت کرتی تھی کیونکہ پچھلی پیشی پر حقیقت سامنے آ چکی تھی کہ ملزم قادر علی وقوعہ کی رات ساڑھے سات بجے سے دس بجے تک ایک مقامی ہوٹل میں تصویری نمائش دیکھنے میں مصروف رہا تھا یعنی مقتول کی موت کے وقت وہ جائے وقوعہ سے کافی فاصلے پر تھا لہٰذا قتل کی اس واردات میں وہ کسی بھی طور ملوث نہیں ہو سکتا تھا۔ آرٹسٹ شاہد حسین کی گواہی اس کی بریت میں کلیدی کردار ادا کرنے والی تھی۔

ایک زاویے سے دیکھا جاتا تو یہ کیس یہیں پر ختم ہوتا نظر آتا تھا لیکن میرے نزدیک اس میں بہت سارے تکنیکی دروازے اور کھڑکیاں اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔ ان کو بند کر کے عدالت کے کمرے سے نکلنا ضروری تھا لہٰذا آگے تو بڑھنا ہی تھا۔ میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ آ جائیں۔

استغاثہ کی جانب سے پہلا گواہ امجد نامی ایک شخص پیش ہوا۔ امجد کی عمر پینتیس کے قریب رہی ہوگی۔ رنگت گندمی، جسم مائل بہ فربہی اور قد درمیانہ۔ اس نے فلمی ہیروز جیسے اسٹائل میں بال سیٹ کروا رکھے تھے۔ وہ ایک مضبوط کاٹھی کا شخص تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک درزی تھا۔

وکیل استغاثہ نے جب گواہ پر واجبی سی جرح کا آغاز کیا تو مجھے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ امجد ہی وہ شخص تھا جس کے بارے میں استغاثہ کا دعویٰ تھا کہ وقوعہ کے روز اس نے ملزم کو مقتول کے فلیٹ میں آتے اور جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں وکیل مخالف کی جرح کے دوران بہ غور گواہ کی حرکات و سکنات اور اسٹائل کا جائزہ لینے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد وکیل استغاثہ نے گواہ کو فارغ کیا تو جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد میں وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ میں نے گواہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ اس انداز میں اپنی جرح شروع کی۔

"امجد صاحب! کیا میں آپ کو ٹیلر ماسٹر کہہ سکتا ہوں؟"

شاید وہ مجھ سے بڑی سخت نوعیت کی جرح کی توقع کر رہا تھا، میرے دوستانہ انداز نے اسے گڑبڑا دیا تاہم اس نے ذرا سنبھل کر جواب دیا۔

"سب لوگ مجھے ٹیلر ماسٹر ہی کہتے ہیں۔ آپ بھی کہہ لیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"شکریہ ماسٹر صاحب!" میں نے معتدل انداز میں کہا پھر پوچھا۔ "آپ کس قسم کے ٹیلر ماسٹر ہیں؟"

"جی...... کیا مطلب؟" وہ الجھن بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے فوراً وضاحت کردی۔ "میرا مطلب ہے، لیڈیز ٹیلر یا جینٹس ٹیلر؟"

"لیڈیز ٹیلر......!" اس نے بتایا۔

"آپ کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کی ٹیلرنگ شاپ مقتول کے گھر کے بہت قریب واقع ہے؟" میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی، بالکل۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ "سمجھیں آمنے سامنے۔ میری شاپ کے سامنے سے اس بلڈنگ کا زینہ شروع ہوتا ہے جس کے تھرڈ فلور پر مقتول کا فلیٹ تھا۔"

"وہ بلڈنگ اور آپ کی شاپ طارق روڈ کے کس حصے میں واقع ہے؟"

’’کمرشل ایریا میں۔‘‘ اس نے جواب دیا۔ ’’آپ نے دوپٹا گلی کا نام سنا ہے نا!‘‘

’’ہاں۔‘‘ میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ’’نہ صرف نام سنا ہے بلکہ میں نے وہ ’’دوپٹا گلی‘‘ نامی اسٹریٹ دیکھ بھی رکھی ہے۔‘‘

’’پھر تو آپ نے میری شاپ بھی دیکھی ہوگی۔‘‘ وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ ’’فائن ٹیلرز!‘‘

میں نے اس کا دل رکھنے کی خاطر کہہ دیا۔ ’’ہاں، یہ نام نظر سے تو گزرا ہے۔‘‘

وہ واقعتاً خوش ہوگیا۔

میں نے جرح کو اپنا پسندیدہ موڑ دیتے ہوئے اگلا سوال کیا۔ ’’جیسا کہ آپ کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے، آپ اپنی شاپ میں بیٹھے بیٹھے، مقتول والی بلڈنگ میں آنے جانے والوں کو بہ آسانی واچ کر سکتے تھے۔ کیا آپ مقتول اور اس کے ملاقاتیوں پر بھی نظر رکھتے تھے؟‘‘

’’خاص طور پر نہیں۔‘‘ وہ جلدی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ’’یہ عمل غیر ارادی اور آٹومیٹک ہوتا ہے۔ کام کے دوران بے ساختہ نگاہ اٹھی اور کوئی بھی دکھائی دے گیا۔‘‘

’’کیا آپ مقتول کو شکل وصورت سے اچھی طرح پہچانتے تھے؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’جی ہاں۔‘‘ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ’’اگرچہ اس کو سامنے والی بلڈنگ میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن اس دوران میں ہماری تین چار مرتبہ خاصی تفصیل سے بات ہوئی تھی۔ وہ دوبار میری شاپ میں بھی آئی تھی۔ اس نے مجھ سے چند ڈریس سلوائے تھے۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے، آپ مقتول کو اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے؟‘‘

’’جی ہاں!‘‘ اس نے مختصر سا جواب دیا۔

’’آپ اس کے ملاقاتیوں سے بھی واقف ہوں گے؟‘‘ میں نے سوال کیا۔

’’ہاں!‘‘ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بتایا۔ ’’مقتول کے ملاقاتیوں میں صرف ایک شخص شامل تھا..... جمیل باری صاحب!‘‘

’’کیا آپ جمیل باری کو بھی جانتے ہیں؟‘‘ میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

’’جی ہاں۔‘‘ اس نے جواب دیا۔ ’’جمیل باری صاحب سے جان پہچان کا سبب یہ ہے کہ مذکورہ فلیٹ کے مالک وہی ہیں۔ انہوں نے مقتول کو وہ فلیٹ عارضی طور پر رہنے کے لیے دیا تھا اور یہی بتایا تھا کہ وہ ان کی کوئی قریبی رشتے دار ہے۔‘‘

’’مقتول کے اور بھی عزیز رشتے دار اس دنیا میں موجود تھے۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’کیا جمیل باری کے علاوہ کوئی اور بھی اس سے ملنے آتا تھا؟‘‘

’’نہیں جناب۔‘‘ اس نے جواب دیا۔ ’’اگر وہ کسی سے ملنے جاتی تھی تو مجھے علم نہیں البتہ اس فلیٹ میں تو جمیل باری ہی اس سے ملنے جاتے تھے۔ وہ دونوں ایک ساتھ بلڈنگ سے نکلتے بھی تھے اور ساتھ ہی واپس بھی آتے دیکھے گئے تھے۔‘‘

’’اب ہم وقوعہ کے روز کی طرف آتے ہیں۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’اس دن آپ اپنی شاپ میں موجود تھے جب آپ نے ملزم کو اس بلڈنگ میں جاتے دیکھا؟‘‘

’’جی ہاں، یہی حقیقت ہے......!‘‘

’’میری معلومات کے مطابق، وقوعہ کے روز یعنی نومئی کو عام تعطیل تھی۔‘‘ میں نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’اس دن طارق روڈ کی پوری مارکیٹ بند تھی پھر آپ کس خوشی میں اپنی شاپ کھولے بیٹھے تھے؟‘‘

’’آپ نے بالکل ٹھیک کہا، بات خوشی ہی کی تھی۔‘‘ اس نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ’’دراصل ایک روز پہلے میرے پاس ایمرجنسی کا اچھا خاصا کام آ گیا تھا۔ اچانک دو بہنوں کی شادی ایک ساتھ طے ہوگئی تھی اور سلائی کا سارا کام دو تین دن میں مکمل کر کے دینا تھا لہٰذا چھٹی کا دن لگائے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے اپنے دونوں کاریگروں کو بھی بلا لیا تھا۔ ہم نے اس دن لگ بھگ دوپہر گیارہ بجے شاپ کھول کر کام شروع کر دیا تھا اور یہ کام اس وقت تک جاری رہا جب تک مقتول کے قتل کا انکشاف نہیں ہوگیا۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’کیا آپ نے ملزم کو پہلے بھی کبھی اس بلڈنگ میں آتے جاتے دیکھا تھا؟‘‘

’’نہیں جناب!‘‘ اس نے جواب دیا۔ ’’وہ پہلی بار وہاں آیا تھا..... یا اگر پہلے کبھی آیا تھا تو میں نے دیکھا نہیں۔‘‘

’’وہ کتنے بجے اس بلڈنگ کے اندر گیا تھا؟‘‘

’’میں نے گھڑی میں وقت تو نہیں دیکھا تھا جناب۔‘‘ وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ’’لیکن یہ یاد ہے کہ اس وقت شام ہو رہی تھی۔‘‘

"میرے موکل کا دعویٰ ہے اور وہ اپنے اس دعوے کو ثابت بھی کر سکتا ہے کہ وقوعہ کے روز وہ شام سات بجے مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ پر گیا تھا۔" میں نے کہا۔ "آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

"میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا جناب۔" وہ عام سے لہجے میں بولا۔ "میں نے بتایا ہے نا کہ ملزم کی آمد اور جامد پر میں نے باقاعدہ ٹائم نوٹ نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے، اس وقت شام کے سات ہی بجے ہوں یا آٹھ اور نو بھی ہو سکتے ہیں۔ آپ نے دو پٹا گلی تو دیکھی ہوئی ہے۔ شام سے پہلے ہی وہاں شام اور رات سے پہلے ہی وہاں رات ہو جاتی ہے۔ پھر ٹیلرنگ کا تو کام ہی ایسا ہے کہ ہم دن کے وقت بھی شاپ کی تمام ٹیوب لائٹس جلا کر ہی رکھتے ہیں۔"

"ہوں!" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ پھر پوچھا۔ "امجد صاحب! آپ نے وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں بتایا ہے کہ وقوعہ کے روز آپ نے ملزم کو مقتول کے فلیٹ میں جاتے اور وہاں سے آتے دیکھا تھا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نہیں جناب...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے تسلیم کیا۔ "بے شک، میں نے ایسا ہی کہا تھا۔"

"آپ نے پہلے کبھی ملزم کو اس بلڈنگ میں آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔" میں نے بڑے مربوط انداز میں جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی کبھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آپ اس کو کسی بھی حوالے سے نہیں جانتے تھے پھر آپ نے کیوں کر یہ اندازہ قائم کیا کہ وہ مقتول ہی سے ملنے اس کے فلیٹ پر گیا تھا......؟"

"یہ بات تو ملزم نے بھی تسلیم کی ہے کہ وہ وقوعہ کے روز مقتول سے ملنے گیا تھا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ نے خود ہی مجھے اس بارے میں بتایا ہے جناب!"

"میں نے آپ کو کیا بتایا ہے اور ملزم نے کیا بیان دیا ہے، یہ فی الحال آپ کا مسئلہ نہیں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "آپ اپنے بیان تک محدود رہیں اور مجھے بتائیں کہ کیا آپ وقوعہ کے روز ملزم کا تعاقب کرتے ہوئے مقتول کے فلیٹ تک پہنچے تھے جو اتنے وثوق سے بتا رہے ہیں کہ وہ اس روز وہاں مقتول سے ملنے گیا تھا؟"

"جناب! میں تو اپنی شاپ میں، کام میں مصروف تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میں ملزم کے پیچھے نہیں گیا تھا۔"

"جب آپ نے، اپنی آنکھوں سے ملزم کو مقتول کے فلیٹ میں داخل ہوتے نہیں دیکھا تو پھر اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مقتول سے ملنے گیا تھا!" میں نے قدرے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔ "آپ کا ذریعہ معلومات کیا ہے؟"

"یہ بات مجھے جمیل باری صاحب نے بتائی تھی کہ ملزم کا نام قادر علی ہے اور وہ مقتول سے ملنے آیا تھا۔" گواہ نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا۔

"جمیل باری نے آپ کو یہ بات کب اور کتنے بجے بتائی تھی؟" میں نے تیز آواز میں سوال کیا۔

"اس وقت رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "میں اپنے کام میں مصروف تھا کہ میں نے باری صاحب کی گاڑی کو بلڈنگ کے نیچے رکتے دیکھا۔ وہ گاڑی میں سے نکلے اور بلڈنگ کے زینے کی طرف بڑھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ بوکھلائے ہوئے واپس آئے اور مجھ سے سوالات کرنے لگے۔" وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"باری صاحب ہی کی زبانی مجھے پتا چلا کہ مقتول کو کسی نے سینے میں خنجر گھونپ کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ انہوں نے مجھے ملزم کا حلیہ اور اس کی گاڑی کا نمبر بتا کر تصدیق چاہی کہ کیا اس قسم کا کوئی شخص بلڈنگ میں داخل ہوا تھا؟ میں نے فوراً تصدیق کر دی۔ اس پر باری صاحب نے بتایا کہ اس شخص یعنی ملزم کا نام قادر علی ہے اور...... اس نے...... سلمیٰ کو قتل کر دیا ہے۔ پھر وہ پولیس کو اس واقعے کی اطلاع دینے دوبارہ بلڈنگ میں داخل ہو گئے تھے۔ بس، یہ ہے کل کہانی۔"

"جمیل باری نے جو کہا اور جو کیا اس کا حساب تو انہی سے کیا جائے گا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔ "امجد صاحب! آپ معزز عدالت کو یہ بتائیں کہ آپ نے ایک نظر ملزم کو دیکھا اور اس کے بارے میں پوری تفصیل سے جمیل باری کو بتا دیا۔ مثلاً وہ کون سی گاڑی میں وہاں آیا تھا، گاڑی کا نمبر کیا تھا، ملزم کا حلیہ کیا تھا وغیرہ وغیرہ...... کیا آپ کا حافظہ اتنا ہی قوی ہے؟"

''کیا قوی ہے؟'' وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''حافظہ......!'' میں نے پورے تلفظ سے ادا کیا۔'' اور یہ حافظ جی کی مونث نہیں ہے بلکہ آپ اپنی آسانی کے لیے 'یادداشت' سمجھ لیں......'' لمحاتی توقف کے بعد میں نے اضافہ کیا۔

''کیا آپ کی یادداشت اتنی ہی مضبوط ہے کہ ملزم کو ایک نظر دیکھ کر آپ کو وہ سب کچھ یاد رہا؟''

''دیکھیں جی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔'' میں نے بتایا ہے کہ میں نے دراصل جمیل باری کی باتوں کی تصدیق کی تھی۔ انہوں نے جو پوچھا، میں نے بتا دیا اور جہاں تک ملزم کی گاڑی کے نمبر کا سوال ہے تو......!'' اس نے سانس درست کرنے کے لیے وقفہ کیا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''گاڑی کا رنگ، ماڈل اور نمبر وغیرہ مجھے اس لیے یاد رہ گیا کہ وہ میری نظر کے عین سامنے کھڑی تھی اور جتنی دیر میں ملزم اوپر سے ہو کر آتا، میں نے دو تین بار نگاہ اٹھا کر گاڑی کے اندر دیکھا تھا۔''

''گاڑی کے اندر دیکھا تھا؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔'' وہ کیوں بھئی! کیا گاڑی کے اندر پتلی تماشا ہو رہا تھا؟''

''پتلی تماشا نہیں جناب۔'' وہ بڑی رسان سے بولا۔'' بلکہ اس گاڑی کی عقبی نشست پر دو نوجوان لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں جن میں سے ایک نے جدید طرز کا لباس پہن رکھا تھا۔ میں نے اپنی پیشہ ورانہ حس سے مجبور ہو کر دو تین مرتبہ مذکورہ لڑکی کو دیکھا تھا۔ میں اس کی شرٹ کے نیک پیٹرن (گلے کے ڈیزائن) کو اپنی یادداشت میں محفوظ کر رہا تھا۔''

''بہت خوب!'' میں نے اس کی پیشہ ورانہ چابک دستی کو سراہتے ہوئے کہا۔

پھر مزید دو تین سوالات کے بعد میں نے جرح موقوف کر دی۔

اس روز ہمارا کیس ذرا تاخیر سے عدالت میں لگا تھا اور ساعت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں اب پندرہ منٹ ہی باقی بچے تھے۔ اس مدت میں کسی نئے گواہ کو نہیں بھگتایا جا سکتا تھا لہٰذا میں نے جج سے درخواست کی۔

''جناب عالی! اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں اس تکمیلی مدت میں کیس کے تفتیشی

افسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

جج نے دیوار گیر کلاک کی جانب دیکھا اور مجھے مذکورہ اجازت دے دی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد انکوائری آفیسر ممتاز شاہ وٹنس باکس میں کھڑا تھا۔ کسی بھی کیس میں انکوائری آفیسر کی حیثیت استغاثہ کے ایک گواہ جیسی ہوتی ہے اور اسے ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ میں نے سوالات کی ابتدا کچھ اس طرح کی۔

''شاہ صاحب! میں آپ کو زیادہ پریشان نہیں کروں گا۔ بس، چند امور کی تصدیق کر دیں؟''

اس نے بادل نخواستہ کہا۔'' جی ارشاد فرمائیں۔''

میں نے پوچھا۔'' کیا یہ درست ہے کہ وقوعہ کی رات جمیل باری نامی ایک شخص نے آپ کو قتل کی اس واردات کی اطلاع دی تھی؟''

''جی ہاں، یہ بات درست ہے۔''

''آپ کو کب اور کیسے اس واقعے کی اطلاع دی گئی؟''

''جمیل باری نے ہمیں فون کیا تھا۔'' آئی۔ او نے جواب دیا۔'' ہمارے روزنامچے میں اطلاع کا وقت رات گیارہ بجے لکھا ہوا ہے۔''

''اور آپ جائے واردات پر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''لگ بھگ پونے بارہ بجے۔''

''اس وقت تک جمیل باری مقتول کے فلیٹ میں موجود تھا؟''

''نہ صرف موجود تھا بلکہ اس نے بیان کے لیے ٹیلر ماسٹر امجد کو بھی وہاں روک رکھا تھا۔'' آئی او نے بڑے اعتماد سے بتایا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ جمیل باری ہی نے قاتل کے حوالے سے آپ کی توجہ ملزم کی جانب مبذول کرائی تھی؟'' میں نے ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا۔

''جی ہاں، یہ سچ ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔'' بعد میں جب ہم نے ٹیلر ماسٹر سے پوچھ گچھ کی تو یہ ثابت ہو گیا کہ ملزم، مقتول سے ملنے اس کے فلیٹ پر پہنچا تھا۔''

میں نے انکوائری آفیسر کو یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ اس کی تحقیق اور تفتیش سے کسی بھی

طور یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ اگر وقوعہ کے روز میرا موکل مقتول سے ملنے گیا تھا تو اس نے واقعی مقتول کو قتل بھی کیا تھا۔ آئی او کو اندھیرے میں رکھتے ہوئے میں نے سلسلہ سوالات کو آگے بڑھایا۔

''کیا آپ میرے علم میں اضافہ کرنے کے لیے یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ جمیل باری نے کس بنا پر یہ طے کرلیا تھا کہ مقتول کو ملزم ہی نے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔'' میں نے پوچھا۔ ''کیا ملزم کے حوالے سے اس کے ہاتھ کوئی ٹھوس ثبوت لگ گیا تھا؟''

''جی ہاں۔'' آئی او نے سر کو اثباتی جنبش دی اور بتایا۔ ''جمیل باری نے مقتول کے فلیٹ میں ایک براؤن لفافہ رکھا دیکھا تھا جس کے اندر ملزم کے اکاؤنٹ سے مقتول کے نام جاری کردہ بیس ہزار مالیت کا ایک کراس چیک بھی موجود تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ ملزم، مقتول کے فلیٹ پر اس سے ملنے گیا تھا۔''

میں نے اب بھی آئی او کو یہ یاد دلانا مناسب نہ سمجھا کہ مقتول کے وہاں جانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قتل بھی اسی نے کیا ہوگا۔ میں نے تصدیق طلب لہجے میں پوچھا۔

''کیا یہ براؤن لفافہ اور کراس چیک وہی تو نہیں جس کا تذکرہ ملزم نے بھی کیا تھا؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''جب میں اس سے جرح کر رہا تھا تو میرے ایک سوال کے جواب میں اس نے یہ تفصیل بتائی تھی۔''

''جی ہاں...... جی ہاں وہی......'' وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

میں نے سوالات کے زاویے کو فوراً تبدیل کر دیا۔ ''شاہ صاحب! جب آپ جائے وقوعہ پر پہنچے تو آپ نے وہاں کیا دیکھا؟''

''مقتول سلمٰی اپنے بیڈ پر مردہ پڑی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''مقتول کے سینے میں ایک خطرناک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ آثار سے یہی لگتا تھا کہ اس نے موت سے لڑنے کے لیے کوئی خاص جدوجہد نہیں کی تھی اور اس کی وجہ بھی آپ کو معلوم ہے۔'' وہ چند لمحات کے لیے متوقف ہوا، ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''پوسٹ مارٹم اور کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ اپنی موت کے وقت مقتول کسی نشہ آور شے کے زیر اثر تھی جب ہی وہ موت کے خلاف خاطر خواہ مزاحمت نہ کر سکی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''مقتول کے بیڈ پر ایسے آثار دیکھنے کو

نہیں ملے تھے جس سے پتا چلتا کہ اس نے موت سے لڑنے کی کوشش کی تھی۔ کیا مقتول کے بیڈروم میں یا فلیٹ کے کسی اور حصے میں آپ کو ایسے شواہد ملے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ کسی نے زبردستی وہاں گھس کر کوئی مداخلتی کارروائی کی ہو۔ اس نوعیت کی کسی افراتفری اور اٹھا پٹخ کو آپ نے نوٹس کیا تھا؟''

''جی نہیں......فلیٹ کی ہر شے اپنی جگہ پر رکھی نظر آئی تھی۔'' اس نے بتایا۔

''گڈ......!'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ پھر پوچھا۔ ''کیا آپ نے آلۂ قتل پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات ڈھونڈنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''ملزم نے مقتول کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد خنجر کے دستے پر سے اپنے فنگر پرنٹس بڑی چالاکی سے صاف کر دیے تھے۔''

''فلیٹ کے دوسرے حصوں میں کہیں ''ملزم'' کے فنگر پرنٹس ملے ہوں؟''

''جی نہیں۔'' وہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں بولا۔ ''کہیں بھی ملزم کے فنگر پرنٹس نہیں مل سکے۔ اس شخص نے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے ہر اس مقام کو اچھی طرح صاف کر دیا تھا جہاں جہاں اس کا ہاتھ لگا تھا۔''

''ونڈرفل!'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''ملزم گویا جیمس بانڈ ڈبل او سیون ہو گیا جس نے پانچ منٹ سے بھی قلیل مدت میں اس فلیٹ تک رسائی حاصل کی۔ مقتول کے بیڈروم میں پہنچا، اسے قتل کیا، آلۂ قتل اور فلیٹ کے مختلف، درجن بھر مقامات سے اپنے فنگر پرنٹس صاف کیے اور یہ گیا وہ گیا......'' میں نے لمحاتی خاموشی کے بعد طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شاہ صاحب! اس قسم کے پھرتیلے جاسوس کردار این فلیمنگ ہی ''جیمس بانڈ'' کی شکل میں تخلیق کرسکتا ہے یا پھر مشرق میں یہ سہرا ''عمران'' کی صورت میں مرحوم ابن صفی کے سر جاتا ہے۔ جیتی جاگتی حقیقی زندگی میں یہ ممکن نہیں۔''

''آپ...... پانچ منٹ کا......حوالہ اس لیے دے رہے ہیں کہ......'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''کہ یہ......آپ کے موکل کا بیان ہے......وہ غلط بیانی سے بھی تو کام لے سکتا ہے، ہوسکتا ہے، یہی کام اس نے دس یا پندرہ منٹ میں انجام دیا ہو۔''

''میں ایک لمحے کے لیے آپ کی بات کو درست مان لیتا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے

ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اب آپ کو بھی میرے ایک سوال کا پوری دیانت داری سے جواب دینا ہوگا...... آپ تیار ہیں؟''

''جی......'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''پوچھیں، آپ کو کیا پوچھنا ہے۔''

''آئی او صاحب! آپ مقتول اور ملزم کی پچھلی زندگی کی کہانی سے مکمل طور پر آگاہی حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی ازدواجی زندگی میں کیا کیا پیچ وخم آئے اور پھر ان کا رشتہ کن ڈرامائی اور افسوس ناک حالات میں ختم ہوا، ایک ایک لمحے کی تفصیل آپ کے علم میں ہے...... ہے کہ نہیں؟'' میں نے تصدیق طلب نظر سے اسے دیکھا۔ ''جواب دیں شاہ صاحب......؟''

''جی ہاں...... جی ہاں۔ میں سب جانتا ہوں۔'' وہ کمزور سی آواز میں بولا۔

''جب آپ سب جانتے ہیں تو ایمان داری سے بتائیں...... کیا یہ ممکن ہے کہ ملزم کے لیے اپنے دل میں بے پناہ نفرت رکھنے والی مقتول، ملزم کی آمد پر نہ صرف اس کے لیے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھول دے بلکہ اسے خاموشی سے اپنے ساتھ بیڈروم تک بھی لے جائے۔ جب فلیٹ کے اندر کسی نوعیت کی افراتفری اور زورزبردستی نہیں کی گئی تو اس کا واضح مطلب یہی ہے، جس شخص نے بھی مقتول کا مرڈر کیا ہے وہ اس کے لیے قابل بھروسا تھا...... اتنا قابل بھروسا کہ وہ اسے اپنے ساتھ بیڈروم تک لے جانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی تھی اور ایسا شخص...... کم از کم میرا موکل تو نہیں ہوسکتا؟''

''تو پھر...... ایسا شخص...... کون ہوسکتا ہے؟'' وہ بکھری ہوئی آواز میں بولا۔

میں نے کہا۔ ''یہ سوچنا میرا نہیں، آپ کا کام ہے۔ میں نے تو صرف اپنے موکل کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے فیس حاصل کی ہے اور میں اپنا کام تندہی سے کر رہا ہوں، بلکہ سمجھیں کہ میں نے آج اپنا کام مکمل کر دیا ہے۔ البتہ ہاں......'' میں نے تھوڑا وقفہ دیا پھر ڈرامائی انداز میں کہا۔

''اگر استغاثہ میری فیس کا بوجھ اٹھانے کو تیار ہے تو میں قاتل تک رسائی کے سلسلے میں ان کی بھی مدد کر سکتا ہوں۔''

آئی او پریشان نظر سے وکیل استغاثہ کو تکنے لگا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہوگیا۔

✠ ✠ ✠

منظر اسی عدالت کا تھا اور وٹنس باکس میں مقتول کا منگیتر اور ''پرفارمینس'' آرٹ اکیڈمی کا مالک مسٹر جمیل باری کھڑا تھا۔ باری کی عمر فورٹی پلس نظر آتی تھی۔ وہ ایک خوب رو اور وجیہہ مرد تھا۔ اس کی شخصیت کو بلاشبہ شاندار کہا جاسکتا تھا۔ وہ اس وقت نفیس قسم کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ تاہم اس کے چہرے پر وہ اطمینان اور آسودگی نظر نہیں آتی تھی جو اس کی شخصیت سے مطابقت رکھتی ہو۔ وہ خاصا الجھا ہوا اور متذبذب دکھائی دیتا تھا، شاید اس کا سبب یہ ہو کہ اب تک کی عدالتی کارروائی اس کے علم میں آچکی تھی۔ یہ سن کر شاید اس کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی تھی کہ ملزم اس کیس سے صاف بچ نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ بہرحال، میں اس کی اشک شوئی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

جمیل باری نے تھکے ہوئے انداز میں اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کرایا اور وکیل استغاثہ پوچھ تاچھ کے لیے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ اس نے جرح سے زیادہ تعزیت کی۔ مقتول کی المناک موت پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور بار بار گواہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس سانحے کے لیے وہ گواہ کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وکیل استغاثہ نے جرح ختم کر دی۔

میں اپنی باری پر جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد گواہوں والے کٹہرے کے قریب چلا گیا اور جمیل باری کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کچھ ایسے کڑے انداز میں اپنی جرح کا آغاز کیا۔

''باری صاحب! آپ کی اکیڈمی کیسی چل رہی ہے؟''

''بس چل رہی ہے۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''ہاں، اب وہ ''بس سی'' چل سکتی ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کی اکیڈمی کی رونق یعنی آپ کی منگیتر تو روٹھ کر اس دنیا سے اس دنیا میں جاچکی ہے۔ اس کے دم قدم سے جو اکیڈمی میں چہل پہل تھی وہ اب کہاں......!''

وہ میرے تبصرے پر خاموش رہا۔

میں نے پوچھا۔ ''''باری صاحب! آپ نے شوق شوق میں اکیڈمی کھول لی تھی یا کہیں سے آپ نے پرفارمنگ آرٹ کی باقاعدہ تعلیم بھی لے رکھی ہے؟''

''ہمارے زمانے میں اس قسم کے فنون سکھانے والی باقاعدہ اکیڈمیز نہیں ہوا کرتی تھیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں نے جو کچھ بھی سیکھا، وہ تھیٹر کا احسان ہے۔ میں تعلیم یافتہ تھا، محنت بھی جان توڑ کر کی، اللہ کے کرم سے کچھ نہ کچھ بن ہی گیا ہوں۔''

''اچھا...... تو آپ تھیٹر بھی کرتے رہے ہیں؟'' میں نے ستائشی انداز میں کہا۔

''جی ہاں۔'' اس نے فخریہ انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''کسی بھی آرٹسٹ کے لیے تھیٹر سے بڑا کوئی استاد نہیں ہو سکتا۔ یہ استاد مار مار کر سکھاتا ہے اور اتنا زیادہ مارتا ہے کہ پھر آرٹ کی دنیا میں انسان کہیں مار نہیں کھاتا۔''

''آپ کتنی سلجھی ہوئی اور خوبصورت باتیں کرتے ہیں۔'' میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ ''ماشاءاللہ! آپ نے تعلیم کہاں تک حاصل کر رکھی ہے؟''

''میں الحمدللہ...... گریجویٹ ہوں۔'' اس نے بتایا۔

بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ ''سبحان اللہ...... واہ وا......!''

وکیل استغاثہ ناپسندیدہ نظر سے مسلسل مجھے گھور رہا تھا۔ اس کیس میں، میں نے اس کی بولتی بند کر رکھی تھی۔ اسے ایک مرتبہ بھی نعرہ مستانہ یعنی ''آبجیکشن یور آنر'' بلند کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی کہ اب تک اس کیس کی جتنی سماعت ہوئی تھی اس میں ملزم قدم بہ قدم، خود بہ خود شک کے دائرے سے رفتہ رفتہ باہر نکلتا جا رہا تھا اور یہی بات وکیل استغاثہ کے لیے تشویش اور تکلیف کا باعث تھی۔ وہ ایسے معاندانہ انداز میں مجھے تک رہا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا تاہم اسے پوری شدت سے اس بات کا بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس کیس کی ڈور اس کے ہاتھ سے پھسلی جا رہی تھی۔ مجھے کچا چبانا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ میں گوشت پوست کے بجائے اس کے لیے لوہے کا چنا بن چکا تھا۔

میں نے بڑی بے پروائی سے وکیل استغاثہ کو نظر انداز کیا اور گواہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''باری صاحب! گریجویٹ ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کا مطلب ہے، آپ کو دنیاوی معلومات کے علاوہ دین کی بھی اچھی خاصی سوجھ بوجھ ہوگی؟''

''کسی حد تک ہے۔'' وہ بولا۔ ''لیکن میں اس سلسلے میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔''

''دعوے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''یہ بتائیں، آپ

نماز وغیرہ تو پڑھتے ہوں گے؟''

''کبھی کبھار پڑھ لیتا ہوں۔'' اس نے قدرے شرمندہ لہجے میں جواب دیا۔

''اللہ اور اس کے رسولؐ کو تو مانتے ہیں نا؟''

''جی ہاں...... کیوں نہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''الحمدللہ! میں مسلمان ہوں۔''

میں نے اس کے دعوے کو نظر انداز کرتے ہوئے اگلا سوال کیا۔ ''اگر آپ اللہ اور اس کے رسولؐ کو مانتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا، آپ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کو بھی تسلیم کرتے ہیں؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''باری صاحب! کیا آپ جانتے ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ نے انسان کے کس منفی عمل کو گناہ عظیم سے تعبیر کیا ہے؟''

''آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

جج سمیت تمام حاضرین عدالت چونک کر وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگے۔ جج نے چشمے کے اوپر سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''وکیل صاحب! اپنے اعتراض کی وضاحت کریں؟''

''جناب عالی! یہ عدالت سلمیٰ مرڈر کیس کی سماعت کے لیے منعقد کی گئی ہے۔'' وکیل استغاثہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن جیسا کہ معزز عدالت دیکھ رہی ہے، پچھلے پندرہ منٹ سے فاضل وکیل، استغاثہ کے معزز گواہ کو دینیات پڑھا کر زچ کرنے کی کوشش کر......''

''استغفراللہ......!'' میں نے وکیل استغاثہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔ ''میرے فاضل دوست! آپ دین کی باتوں کو زچ کرنے کا سامان کہہ رہے ہیں۔ فوراً سچے دل سے توبہ کریں۔ ایک مسلمان کو اس قسم کا کفر بکنا زیب نہیں دیا۔ اگر آپ نے اپنی غلطی کی معافی نہیں چاہی تو کس قدر غلط ہوگا۔''

میری لتاڑ نے اسے نروس کر دیا، بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''آپ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہیں۔ میرے کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا جو آپ بیان کر رہے ہیں۔''

''پھر آپ کا کیا مطلب تھا وکیل صاحب؟'' جج نے گہری نظر سے اسے دیکھا۔

"میں...... میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ وکیل صفائی غیر متعلق باتوں میں الجھ کر معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔" وہ ندامت بھرے انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "بھلا بتائیں، گواہ کی دینی معلومات کا زیرِ سماعت کیس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

جج کا روئے سخن میری جانب گھوما اور اس نے مجھ سے استفسار کیا۔ "بیگ صاحب! کیا گواہ کی دینی سوجھ بوجھ کسی حوالے سے اس کیس سے تعلق رکھتی ہے؟"

"جی ہاں...... بالکل رکھتی ہے۔" میں نے اپنی فائلوں پر ہاتھ مارتے ہوئے جوشیلے لہجے میں کہا۔ "کاش! وکیل استغاثہ چند لمحات کے لیے خاموش رہ کر میری بات مکمل ہونے دیتے تو...... انہیں اعتراض کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی...... اے کاش!"

"بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ۔" جج نے مجھے جرح جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔

میں دوبارہ استغاثہ کے گواہ جمیل باری کی جانب متوجہ ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنسناتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

"جی باری صاحب! کیا آپ جانتے ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک انسان کا ناپسندیدہ اور قابلِ مذمت عمل کون سا ہے؟"

"ایسے تو بہت سے اعمال ہیں۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔ "پتا نہیں، آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟"

میں اس کی جان چھوڑنے والا کہاں تھا، میں نے پوچھا۔ "کیا واقعی آپ میرا اشارہ نہیں سمجھے یا نہ سمجھی کی اداکاری کر رہے ہیں...... آخر کو آپ ایک آرٹ اکیڈمی کے روحِ رواں ہیں؟"

"میں واقعی نہیں سمجھ سکا۔" وہ معذرت آمیز انداز میں بولا۔ "آپ ذرا وضاحت کر دیں۔"

میں نے کہا۔ "اللہ اور اس کا رسولؐ اس بات کو سخت ناپسند کرتے ہیں کہ کوئی شخص میاں بیوی کے بیچ نفاق پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ انسان کے اس عمل کو سنگین ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر گمبھیر انداز میں اضافہ کیا۔

"...... کہ آپ اس خوف ناک گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں!"

"میں......!" وہ اس طرح اچھلا جیسے بجلی کے ننگے تار سے چھو گیا ہو۔ "م...... میں نے کیا کیا ہے؟"

"اسٹیج اور تھیٹر کے دنیا کے منجھے ہوئے اداکار صاحب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے طنزیہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "آپ نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مقتول اور ملزم کی زندگی میں زہر بھرا تھا جس کے نتیجے میں ان کا ازدواجی بندھن ٹوٹ گیا۔ آپ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے مقتولہ نے نہ صرف ملزم سے نفرت کرنا شروع کر دی بلکہ ملزم کے دل کو بھی اپنے لیے مردہ اور بے حس بنا دیا تھا...... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"مقتولہ مجھے چاہتی تھی اور مجھے بھی اس سے محبت ہو گئی تھی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہم ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن ملزم کسی بھی قیمت پر مقتول کو آزاد کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔"

"ملزم اپنا گھر اجاڑنے پر تیار نہیں تھا۔" میں نے پھنکار سے مشابہ آواز میں کہا۔ "لہٰذا آپ کی ہدایت پر مقتولہ نے اسے انسانی جبلت اور ضرورت کی مار ماری تاکہ وہ اندر باہر سے ٹوٹ پھوٹ جائے۔ اس کا جسم پھٹ جائے اور دماغ پاش پاش ہو جائے۔ اس شریف النفس انسان کو پانچ سو چالیس راتوں تک "بھوکا پیاسا" رکھا گیا۔ اشتہا انگیز، لذیذ کھانا اس کی نظر کے سامنے گھر کے اندر متحرک رہتا تھا لیکن اسے ہاتھ بڑھا کر ایک نوالہ لینے کی اجازت نہیں تھی۔ جبکہ مذہباً، قانوناً اور اخلاقاً وہ سجا سجایا دسترخوان، ملزم کا حق اول تھا۔ وہ زبردستی بھی اسے حاصل کر لیتا تو کسی کی مجال نہیں تھی اس پر انگلی اٹھانے کی...... لیکن مسٹر باری!"

میں نے لمحاتی توقف کر کے حاضرینِ عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ سب کی نظریں مجھ ہی پر لگی ہوئی تھیں۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا، ایک گہری سانس خارج کی پھر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مسٹر باری! آپ نے اور مقتولہ نے ملی بھگت سے ملزم کی بے خبری میں اسے بے دست و پا کر رکھا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی وجہ سے یہ سب ظلم و زیادتی برداشت کر رہا تھا۔ تم دونوں ملزم کی مجبوری سے کھیل رہے تھے۔ اس کھیل سے بھی جب تم لوگوں کا جی نہیں بھرا تو پھر تم دونوں نے مل کر ملزم کی نا آسودہ خواہشات کو کچلنے اور اس کے ارمانوں کو بلڈوز کرنے کے لیے ریشم والا خاردار تیر چلا

دیا...... اور یہ تیر نشانے پر جا لگا...... کوئی مسافر تپتے ہوئے صحرا میں میلوں آبلہ پا پیاسا چلتا آ رہا ہو تو وہ زہریلے پانی کو بھی امرت سمجھ کر منہ سے لگا لیتا ہے۔ کنکریلی زمین پر سونے والے آدمی کے سامنے اگر اچانک ریشم کا تھان کھول کر بچھا دیا جائے تو وہ بے چارہ کیا کرے گا...... بتائیں مسٹر باری، یہی صورت حال اگر آپ کے ساتھ پیش آتی تو آپ کیا کرتے......؟''

میری جذباتی تقریر کے جواب میں اس نے شرمندگی بھرے انداز میں صرف اتنا کہا۔

''ہم ایک دوسرے کی محبت میں اندھے ہو گئے تھے۔ ملزم سے مقتولہ کی جان چھڑانے کے لیے مجبوراً ہمیں یہ راہ اختیار کرنا پڑی لیکن اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے جو بھی کیا، غلط کیا۔ ہمارا اللہ ہمیں معاف کرے......!''

''بیٹا جی......!'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ اللہ معاف کرنے والا ہے لیکن وہ تم دونوں کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کرے گا۔ تم دونوں اللہ کے نہیں، بلکہ اس کے ایک بندے یعنی ملزم کے مجرم ہو لہٰذا جب تک میرا موکل آپ لوگوں کو معاف نہیں کرے گا، اللہ آپ کی کوئی التجا سننے والا نہیں۔ مقتولہ تو اپنے حسرت ناک انجام کو پہنچ کر دوسری دنیا میں جا چکی۔ اس کا حساب کتاب وہاں شروع ہو گیا ہو گا لیکن آپ کے لیے...... مسٹر باری! آپ کے لیے ابھی موقع ہے۔ اگر آپ ملزم سے معافی چاہ کر اس کا دل صاف کر دیں تو آپ کے لیے بڑی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی...... یہاں بھی اور...... وہاں بھی۔'' بات ختم کرتے ہی میں نے چھت کی جانب اشارہ کر دیا۔ مطلب تھا، دوسرے جہان میں!

''میں ضرور ملزم سے اپنی خطا کے لیے معافی کی درخواست کروں گا۔'' وہ کسی بندے دے پتر کی طرح سعادت مندی سے بولا۔ ''لیکن یہ تو......!''

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ملزم کی جانب تکنے لگا۔

''یہ تو کیا...... باری صاحب؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ تو...... یہ تو...... سلمٰی کے قتل میں سزا پا کر جیل جانے والا ہے۔''

''میرے موکل نے کسی کو قتل نہیں کیا۔'' میں نے نہایت ہی مستحکم انداز میں کہا۔ ''لہٰذا وہ اس عدالت سے باعزت بری ہو کر سیدھا گھر جائے گا اور...... آپ کے لیے یہ خوش خبری ہے کہ اس کیس سے نمٹنے کے بعد آپ بڑے سہولت سے ملزم نہیں بلکہ قادر علی کے پاس جا کر، معافی تلافی کر

کے اپنے دل اور ضمیر کا بوجھ ہلکا کر سکتے ہیں۔''

''اگر یہ قاتل نہیں ہے تو......!'' وہ ملزم کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''تو پھر سلمٰی کو کس نے موت کے گھاٹ اتارا؟''

''اصلی قاتل تک آپ ہمیں پہنچائیں گے مسٹر باری!'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اگرچہ وکیل استغاثہ یا انکوائری آفیسر کی طرف سے میری فیس کو یقینی نہیں بنایا گیا لیکن میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔''

میرے اس ترش وار پر وکیل استغاثہ تلملا کر رہ گیا تاہم گواہ کے پلے کچھ نہ پڑا۔ وہ الجھن زدہ انداز میں بولا۔

''میں آپ کو اصل قاتل تک کیسے پہنچاؤں گا؟''

''اس طرح......'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

وہ منتظر نگاہ سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ ''باری صاحب! وقوعہ کے روز آپ مقتولہ کے پاس کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''ساڑھے دس بجے رات۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا آپ عموماً اسی وقت مقتولہ سے ملنے جایا کرتے تھے؟''

''ہماری ملاقات کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ چھٹی کا دن تھا۔ ہم نے ایک ساتھ ڈنر کا پروگرام بنایا تھا۔ مجھے دس بجے مقتولہ کو پک کرنا تھا لیکن تھوڑی دیر ہو گئی اور میں ساڑھے دس بجے وہاں پہنچا۔''

''جب آپ مقتولہ کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچے تو کیا ہوا تھا؟'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے ڈور بیل بجائی تھی یا دستک دی تھی؟''

''پہلے ڈور بیل بجائی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''جب اندر سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا تو میں نے دروازے پر باقاعدہ دستک دی۔ دستک کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو میں نے دروازے کے ہینڈل کو گھما کر دیکھا...... اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔''

''اور آپ کھلے ہوئے دروازے سے فلیٹ کے اندر داخل ہو گئے۔'' میں نے کہا۔

”آپ نے مقتولہ کا نام لے کر آواز بھی دی ہوگی لیکن ظاہر ہے، اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا ہوگا۔ اس صورت حال نے آپ کے تجسس کو تشویش میں بدل دیا اور آپ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ مقتولہ کے بیڈ روم میں پہنچ گئے جہاں وہ اپنے بیڈ پر مردہ پڑی تھی...... ایسا ہی ہوا تھا نا......؟“

”جی ہاں...... جی ہاں......“ وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔“

”جب آپ مقتول کے فلیٹ پر پہنچے تو اس سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے اسے موت کے گھاٹ اتارا جا چکا تھا جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنی منگیتر کے قاتل نہیں ہیں۔“ میں نے مدبرانہ انداز میں کہا۔ ”اب ہم ملزم کی بے گناہی کی طرف آتے ہیں۔“

وہ خاموش نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔ اس کے چہرے پر اطمینان کی بہار تھی۔

میں نے لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ”وقوعہ کی شام سات بجے ملزم مقتولہ کو ایک براؤن لفافہ دینے آیا تھا جس کے اندر ایک کراس چیک بھی موجود تھا۔ یہ وہی براؤن لفافہ اور چیک ہے جو آپ کو مقتولہ کے بیڈ روم میں پڑا ملا تھا اور جس کی بنا پر قاتل کے حوالے سے آپ کا شک ملزم کی طرف گیا تھا چنانچہ اسی حوالے سے پہلے آپ نے ٹیلر ماسٹر امجد سے پوچھ گچھ کی اور بعد ازاں پولیس کی آمد پر آپ نے ملزم کی جانب اشارہ کر دیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

”نہیں جناب، آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔“ وہ گردن کو تائیدی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ”حالات ایسے ہی پیش آئے تھے۔“

”آپ ایک آرٹ اکیڈمی بڑی کامیابی سے چلا رہے ہیں باری صاحب!“ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ”لہٰذا اس حوالے سے شہر میں ہونے والی سرگرمیوں کی آپ کو خبر رہتی ہوگی؟“

”جی ہاں...... میرے پاس ایسی سرگرمیوں میں شرکت کے لیے دعوت نامے آتے رہتے ہیں۔“ اس نے میرا کام آسان بناتے ہوئے بتایا۔

میں نے شہر کے ایک معروف ہوٹل کا نام لیا اور کہا۔ ”وقوعہ کے روز مذکورہ مقامی ہوٹل میں فائن آرٹس کی ایک ایگزی بیشن منعقد کی گئی تھی۔ یہ بات تو آپ کے علم میں ہوگی؟“

”جی ہاں، میرے پاس ایگزی بیشن کا انوی ٹیشن بھی آیا تھا۔“ اس نے جواب دیا۔ ”لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر میں وہاں نہیں جا سکا تھا اور پھر مقتولہ کے ساتھ میرا ڈنر بھی فکس تھا۔“

”آپ جس بھی وجہ سے اس نمائش میں شرکت نہیں کر سکے تھے، یہ اہم نہیں ہے۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”امپورٹنٹ ایشو یہ ہے کہ میرے موکل نے اپنی بیٹی اور اس کی دوست کے ہمراہ مذکورہ تصویری نمائش نہ صرف اٹینڈ کی تھی بلکہ وہ ساڑھے سات بجے سے لے کر نمائش کے اختتام یعنی رات دس بجے تک مذکورہ ہوٹل ہی میں موجود بھی رہا تھا۔ اس کی وہاں موجودگی کے ثبوت کے لیے عارفہ اور ماریا کے علاوہ ابھرتے ہوئے آرٹسٹ مسٹر شاہد حسین کی گواہی بھی مجھے میسر ہے۔ جب بھی معزز عدالت کا حکم ہوگا، میں صفائی کے ان گواہان کو شہادت کے لیے عدالت میں پیش کر دوں گا۔ کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ......“ میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

”مقتولہ سلمیٰ کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق، نو مئی کی رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان، سینے میں خنجر گھونپ کے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور اس عرصے کے دوران میرا موکل مقامی ہوٹل میں تصویری نمائش دیکھنے میں مصروف تھا لہٰذا استغاثہ کا یہ خیال نما دعویٰ انتہائی احمقانہ ہے کہ میرے موکل نے اپنی سابق بیوی سلمیٰ کو قتل کیا ہے!“

”لیکن سلمیٰ کا قتل ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے۔“ جمیل باری نے احتجاجی انداز میں کہا۔ ”اگر ملزم اس کا قاتل نہیں تو پھر اور کون ہے......؟“

”آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے ایک سوال کرنا چاہوں گا۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر اجازت طلب انداز میں جج کی طرف دیکھا۔

جج نے فوراً میری فرمائش پوری کر دی۔ آئی او وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے آئی او ممتاز شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”شاہ جی! میں ابھی تک آپ کی اس بات سے مکمل طور پر ”متفق“ ہوں کہ ملزم نے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے مقتولہ کے فلیٹ کے مختلف حصوں سے اپنے فنگر پرنٹس کو صاف کر دیا تھا۔ اب ذرا سا یہ بتا دیں کہ آپ نے جائے وقوعہ سے فنگر پرنٹس کلیکشن کا جو پراسس کیا تھا، اس کا ریکارڈ آپ کے پاس کہیں محفوظ ہے؟“

"بالکل محفوظ ہے جناب!" وہ بڑے فخر سے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہم ایسے اہم ثبوتوں کو بڑی حفاظت سے سنبھال کر رکھتے ہیں۔"

"کیا بات ہے، آپ کی جناب۔" میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ پھر پوچھا۔ "یہ تو طے پا گیا کہ یا تو ملزم نے میری تحقیق کے مطابق مقتول کے فلیٹ میں قدم ہی نہیں رکھا اور یا پھر آپ کی تھیوری کے مطابق، اس نے واپسی سے پہلے فلیٹ کے ہر حصے پر سے اپنے فنگر پرنٹس صاف کر دیے تھے یعنی اس کی انگلیوں کے نشانات کا کوئی نمونہ آپ کے ریکارڈ میں محفوظ نہیں۔ اب فرمایئے......!" میں نے ذرا دیر کو رک کر ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے ریکارڈ میں محفوظ فنگر پرنٹس کس کس شخصیت کی جانب اشارہ کرتے ہیں؟"

"ہم نے تین افراد کے فنگر پرنٹس محفوظ کیے تھے۔" آئی او نے گمبھیر انداز میں بتانا شروع کیا۔ "نمبر ایک مقتولہ سلمٰی نمبر دو منگیتر جمیل باری اور نمبر تین......!"

"نمبر تین کون؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"ان فنگر پرنٹس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔" آئی او نے شکست خوردہ انداز میں جواب دیا۔

"میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔" میں نے بہ آواز بلند نعرہ لگایا۔ "جن نمبر تین فنگر پرنٹس کی شناخت نہیں ہو سکی وہ قاتل کی انگلیوں کے ہی نشانات ہیں اور......اس قاتل تک ہمیں مسٹر باری پہنچائیں گے......" میں استغاثہ کے گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"مسٹر باری آپ......؟"

"لیکن میں......اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" وہ بے حد الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"مسٹر باری!" میں نے اپنی جرح میں طوفان کی سی تیزی اور تندی شامل کرتے ہوئے استغاثہ کے گواہ سے سوال کیا۔ "آپ عنقریب مقتولہ سے شادی کرنے جا رہے تھے۔ سوچ کر بتائیں، آپ کی شادی سے، سب سے زیادہ ناخوش کون تھا؟"

"میرا دھیان تو ملزم کی طرف ہی جاتا ہے جناب!"

"ملزم متوقع قاتل کی فہرست سے خارج ہو چکا ہے۔" میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔

"آپ کسی ایسی لڑکی یا عورت کی نشان دہی کریں جو آپ سے شادی کی خواہش مند تھی اور مقتول کے ساتھ آپ کی شادی اسے قطعی پسند نہیں آئی تھی؟"

"میری نظر میں ایسی کوئی بھی لڑکی یا عورت نہیں ہے۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

"اپنی نگاہ کو تصویر کے دوسرے رخ پر ڈالیں اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دیں۔" میں نے پر جوش لہجے میں کہا۔ "کوئی ایسا شخص جو مقتولہ میں گہری دلچسپی رکھتا ہو......اس کا امیدوار ہو، اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا اور الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے ضربات کا عمل جاری رکھا۔ "اپنے آس پاس نظر دوڑائیں، اپنے حلقہ احباب کو ٹٹولیں، اکیڈمی کے اندر بھی جھانک کر دیکھیں۔"

"اکیڈمی" کے ذکر پر، اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر ابھرا جیسے اسے کوئی خاص بات یاد آ گئی ہو، پھر اس کے لب تھرتھرائے اور وہاں سے ایک نام پھسل کر آواز کی شکل اختیار کر گیا۔

"نوید قریشی......!"

"نوید قریشی کون؟" میں نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

"نوید، اکیڈمی کے بزنس میں میرا پارٹنر ہے۔" جمیل باری نے بتایا۔ "میرے جاننے والوں میں صرف نوید ہی ایک ایسا شخص ہے جو سلمٰی سے بڑی فری گپ شپ کرتا تھا۔ سلمٰی سے اس کی بے تکلفی مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی تھی لیکن نوید چونکہ میرا بزنس پارٹنر ہے اور اس وقت تک سلمٰی سے میری منگنی نہیں ہوئی تھی لہٰذا میں نوید کی کسی حرکت پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔"

"منگنی کے بعد تو نوید قریشی نے کبھی سلمٰی سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی تھی؟"

"جی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "ہماری منگنی کی خبر سن کر نوید جیسے بجھ سا گیا تھا۔"

"یعنی اسے اس خبر سے گہرا صدمہ پہنچا تھا؟"

"آپ کہہ سکتے ہیں......!" باری نے گول مول جواب دیا۔

"کہیں یہ وہی نوید قریشی تو نہیں۔" میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ریشم والے ڈرامے کی رات جو سلمٰی کے بلانے پر، جائے وقوعہ یعنی ملزم کے گھر پہنچ گیا تھا؟"

"جی ہاں، یہ وہی نوید قریشی ہے۔" باری نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "نوید ہی نے واپسی پر مجھے بتایا تھا کہ کام تسلی بخش طریقے سے ہوگیا ہے۔"

"جی، میرا یہی مطلب ہے!"

میں نے اپنا روئے سخن جج کی جانب موڑا اور بڑے مدلل انداز میں بولنا شروع کیا۔

"جناب عالی! اب تک کی عدالتی کارروائی میرے موکل کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے لیکن اتمام حجت کے طور پر، میں آئندہ پیشی پر ملزمہ کی بیٹی عارفہ، عارفہ کی دوست ماریا اور نوجوان آرٹسٹ شاہد حسین کو صفائی کے گواہان کی حیثیت سے عدالت میں پیش کردوں گا تاکہ ملزم کی باعزت بریت کو یقینی بنایا جاسکے اور جہاں تک سلمیٰ مراد مرڈر کیس کے استغاثہ کا تعلق ہے تو......"

میں نے تھوڑا توقف کرکے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے فاضل دوست کی بہتری کے لیے صرف یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ وہ جلد از جلد نوید قریشی کے فنگر پرنٹس حاصل کرکے، پولیس کے ریکارڈ میں محفوظ نمبر تین ان ناؤن فنگر پرنٹس سے اس کا موازنہ کریں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجائے۔ دیٹس آل یور آنر!"

جج نے متعلقہ عدالتی عملے اور انکوائری آفیسر ممتاز شاہ کو ہدایت کی کہ نوید قریشی کو شامل تفتیش کرتے ہوئے آئندہ پیشی پر عدالت میں پیش کیا جائے۔ اس کے بعد اگلی پیشی کی تاریخ دے کر جج نے عدالت برخاست کرنے کا اعلان کردیا۔

"دی کورٹ از ایڈجارنڈ......!"

✠ ✠ ✠

پچھلی پیشی پر میں نے قاتل کے سلسلے میں نوید قریشی کے حوالے سے نشاندہی کرکے استغاثہ کے لیے بڑی آسانیاں پیدا کردی تھیں۔ اسی روز پولیس نے نوید قریشی کو شامل تفتیش کرکے جب اس کے فنگر پرنٹس حاصل کیے اور ان کا موازنہ پولیس کے ریکارڈ میں محفوظ نمبر تین فنگر پرنٹس سے کیا گیا تو سارا معاملہ صبح روشن کے مانند صاف اور عیاں ہوگیا۔ فنگر پرنٹس کے دونوں نمونے آپس میں میچ کرگئے تھے۔

پہلے تو نوید قریشی دائیں بائیں اور آئیں بائیں شائیں کرتا رہا لیکن یہ بھی ایک تلخ اور آزمودہ کار حقیقت ہے کہ پولیس جب بالکل "درست" بندے پر ہاتھ ڈال دیتی ہے تو پھر اس کی

زبان سے اقبال جرم کرانا اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔ پولیس نے جب نوید قریشی کو اپنی مہمان داری کے چند "فلیورز" سے آشنا کیا تو اس نے قرار جرم ہی میں عافیت جانی۔

سلمیٰ کو اس نے، سینے میں خنجر گھونپ کر موت کی نیند سلایا تھا۔ یہ قتل چونکہ اس نے دستانے پہن کر کیا تھا لہٰذا خنجر کے دستے پر اس کی انگلیوں کے نشانات نہیں پائے گئے تھے۔

واقعات کے مطابق سلمیٰ دورخی پالیسی پر عمل پیرا تھی۔ اس نے اپنی اپنی جگہ نوید قریشی اور جمیل باری دونوں کو "آسرا" دے رکھا تھا اور اتنی مہارت کے ساتھ کہ ان دونوں میں ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ "سنجیدہ" ہے اور دوسرے کو محض اپنے حسن کے "سبز باغ" دکھا رہی ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ بے حد خوش اور مطمئن تھے کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے بعد ان سے شادی کرلے گی لیکن جب سلمیٰ نے باری کے حق میں کھلم کھلا فیصلہ سنا کر نہ صرف یہ کہ اس سے باقاعدہ منگنی کرلی بلکہ اس کے دیئے ہوئے فلیٹ میں رہنے بھی لگی تو نوید قریشی کے دل و دماغ کا جو حال ہوا ہوگا، اس کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نوید قریشی نے پولیس کو بیان دیتے ہوئے بتایا۔ "میں اپنی اس بدترین شکست کو آسانی سے بھولنے والا نہیں تھا لیکن میں نے سلمیٰ سے باقاعدہ کوئی گلہ شکوہ نہیں کیا بلکہ دل شکستگی کی اداکاری کرتے ہوئے نہایت ہی جذباتی انداز میں اسے اس نئے رشتے پر مبارک باد دی اور اس کے ساتھ ہی ایک درخواست بھی کی......!"

"کون سی درخواست؟" انویسٹی گیشن آفیسر نے چونک کر پوچھا۔

"دراصل یہ میری ایک چال تھی۔" نوید قریشی نے بتایا۔ "میں نے اس سے التجا کی کہ میں زندگی میں آخری مرتبہ ایک گھنٹا تنہائی میں اس کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ کسی ایسی جگہ پر جہاں ہم دونوں کے سوا تیسرا کوئی نہ ہو۔ اس نے چند لمحات تک بڑے گمبھیر انداز میں سوچا پھر فیصلہ سنادیا۔"

وہ لمحے بھر کے لیے رکا تو تفتیشی افسر نے پوچھا۔ "مقتول نے تمہارے حق میں فیصلہ سنایا تھا یا تمہاری درخواست کو مسترد کردیا تھا؟"

"اس کا فیصلہ میرے حق میں آیا تھا۔" نوید قریشی نے جواب دیا۔ "ہم نے زندگی کے بہت سارے رنگین و سنگین لمحات تنہائی میں بتائے تھے۔ ہوسکتا ہے، کسی ان مٹ یاد کی پرچھائیں

نے اسے میری درخواست پر ہمدردی سے غور کرنے پر مجبور کردیا ہو اور وہ میری بات ماننے پر تیار ہو گئی ہو......!"

"تو تم نے ایک خاص مقصد کے تحت اس سے ملاقات کی اور پھر خاموشی سے واپس چلے آئے۔" تفتیشی افسر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "وہ نشہ آور شے کا کیا معاملہ تھا؟"

"وقوعہ کے روز اس نے مجھے آٹھ بجے اپنے فلیٹ پر آنے کو کہا تھا اور یہ بھی تاکید کی تھی کہ نو بجے سے پہلے مجھے وہاں سے رخصت ہونا ہوگا۔" اصلی قاتل وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میں پوری "تیاری" کے ساتھ ٹھیک آٹھ بجے اس کے فلیٹ پر تھا۔ اس نے میرے لیے چائے بنائی۔ میں نے نظر بچا کر اس کی پیالی میں نشہ آور دوا ملا دی۔ ہم دونوں نے آخری بار ماضی کی یادیں تازہ کرتے ہوئے چائے پی۔ چائے ختم ہوئی تو وہ سر میں درد کی شکایت کرنے لگی۔ میں سہارا دے کر اسے بیڈ روم میں لے آیا اور بہ آہستگی بیڈ پر لٹا دیا۔ وہ میری دی ہوئی دوا کے زیر اثر آ چکی تھی۔ میں نے جب محسوس کیا کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں رہی تو میں نے اپنے لباس میں چھپایا ہوا وہ خطرناک خنجر نکالا، ہاتھوں پر دستانے چڑھائے اور......اور خنجر کا مہلک پھل اس بے وفا، دغاباز کے سینے میں اتار دیا......" وہ ایک لمحے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی جرم زدہ کہانی کو انجام دیتے ہوئے بولا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے نفرت کی چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔

"وہ کمینی عورت اسی لائق تھی۔ ایسی بازاری عورتیں بالآخر اتنے ہی حسرت ناک انجام کو پہنچتی ہیں۔ مجھے اپنے کیے پر کوئی افسوس یا پچھتاوا نہیں بلکہ صرف اس بات کا دکھ ہے کہ میں پکڑا گیا حالانکہ......چائے کے دونوں خالی کپ میں اپنے ساتھ لے گیا تھا تاکہ پولیس کو مجھ تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہ ملے لیکن میری بدقسمتی کہ......!"

نوید قریشی کے اقبال جرم کے بعد میرے موکل کی بریت ایک سو ایک فیصد تک یقینی ہو گئی تھی۔ آئندہ پیشی پر میں نے شاہد حسین، ماریا اور عارفہ کو صفائی کے گواہوں کی حیثیت سے عدالت میں پیش کر کے اپنے موکل کو اس جھمیلے سے آزاد کرا لیا۔